مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر پر

مولانا عبداللہ لدھیانویؒ کا اولین فتوی ۱۸۸۴ء

فتاوی قادریہ

علماء لدھیانہ

مولانا محمد لدھیانویؒ، مولانا عبداللہ لدھیانویؒ، مولانا عبدالعزیز لدھیانویؒ

مرتب

مفتی ضیاء الحسین لدھیانویؒ

خاندان مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ
سالار کاروان آزادی 1857
شاگرد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ
(بھانجے)
مولانا اسماعیل لدھیانویؒ
مولانا عبداللہ لدھیانویؒ
بانی دارالعلوم نعمانیہ گوجرانوالہ
شاگرد حضرت مولانا
سیّد محمد انور شاہ کشمیریؒ
مولانا سیف الرحمان لدھیانویؒ
فتاویٰ قادریہ۔ فتوی نصرۃ الابرار
مولانا محمد لدھیانویؒ
مولانا زکریا لدھیانویؒ
صدر احرار ہند رئیس الاحرار مولانا
حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ
(نواسے)
سینیٹر ایم حمزہ
سابقہ چیئرمین پبلک اکاؤنٹس کمیٹی
سابقہ ممبر قومی اسمبلی پاکستان
(اولین فاتح قادیانیت)
1884ء فتاویٰ قادریہ۔ فتوی نصرۃ الابرار
مولانا عبداللہ لدھیانویؒ
مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ
شاگرد شیخ الہند
حضرت مولانا محمود حسنؒ
نائب صدر جمعیت علمائے ہند
مفتی ضیاء الحسنؒ
صدر اینٹی ٹی بی ایسوسی ایشن آف پاکستان
شاگرد شیخ الاسلام حضرت مولانا
سیّد حسین احمد مدنیؒ
فتاویٰ قادریہ۔ فتوی نصرۃ الابرار
مولانا عبدالعزیز لدھیانویؒ
(نواسے)
مولانا محمد سلیم لدھیانویؒ
مفتی رشید احمد لدھیانویؒ
بانی جامعۃ الرشید کراچی
مفتی اعظم پاکستان

مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر پر
مولانا عبداللہ لدھیانویؒ کا اوّلین فتویٰ ۱۸۸۴ء

فتاویٰ قادریہ

علماءِ لدھیانہ
(مولانا محمد لدھیانویؒ، مولانا عبداللہ لدھیانویؒ، مولانا عبدالعزیز لدھیانویؒ)

مرتب
مفتی ضیاء الحسین لدھیانویؒ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

فتاویٰ قادریہ مختصر اً تعارف

میرے تایا مفتی ضیاء الحسین صاحب لدھیانویؒ نے ایک کتاب مرتب کی تھی ۔ جس کا نام "۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور علماء لدھیانہ" تھا۔ اس مختصر کتاب کے آخر میں انہوں نے فتاویٰ قادریہ فوٹو کاپی کی شکل میں شامل کیا تھا۔ مجھے یہ اندازہ تو نہیں کہ وہ فوٹو کاپی کب سے چلی آرہی ہے۔ لیکن میرے ارادے میں تھا کہ اس کو دوبارہ ٹائپ کروا کر چھپوا دینی چاہیے۔

ابھی ۲۰۱۶ء میں پاکستان جانے کا اتفاق ہوا تو میرے رشتہ میں بھتیجے حافظ برہان صاحب نے مولانا زاہد الراشدی صاحب کا تعارف کروایا۔ میں نے مولانا زاہد الراشدی صاحب سے ملنے کی خواہش کی جو مولانا زاہد الراشدی صاحب نے میری بیماری کے مدِ نظر خود لاہور تشریف لا کر ملاقات کر کے پوری کی ۔ بہت لمبے عرصہ کے بعد ان سے ملاقات کے بعد احساس ہوا کہ اکابرین علماء کیسے ہوں گے ۔ ان کے خلوص اور سادگی کا ہمیشہ معترف رہوں گا۔

بہر حال ان کے جانے کے بعد حافظ برہان صاحب گوجرانوالہ کو فتاویٰ قادریہ بھیج دیا اور دوبارہ ٹائپ کی گزارش کی کہ مولانا زاہد الراشدی صاحب کی زیر نگرانی دوبارہ چھپ جائے اور مشکل الفاظ کو بھی آسان الفاظ میں ٹائپ کر دیا جائے۔

فتاویٰ قادریہ مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ کے تایا مولانا محمد صاحب لدھیانویؒ نے تحریر فرمایا تھا۔ یہ تحریری فتویٰ اصل میں ان کے چھوٹے بھائی مولانا عبداللہ صاحب لدھیانویؒ کے مرزا غلام قادیانی کے خلاف دیے گئے اولین فتویٰ کفر کا تسلسل تھا۔

مولانا محمد صاحب لدھیانویؒ نے فتاویٰ قادریہ میں اپنے بھائی مولانا عبداللہ لدھیانویؒ کے اوّلین فتویٰ کفر کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ آغا شورش کشمیریؒ اور مفتی جمیل احمد خانؒ نے مولانا عبداللہ صاحب لدھیانویؒ کے اولین فتویٰ کفر کا ذکر کیا ہے جن کو شامل کتاب کیا جا رہا ہے۔

مولانا محمد صاحب لدھیانویؒ نے فتاویٰ قادریہ کو اپنے والد مولانا عبدالقادر صاحب لدھیانویؒ کے نام سے منسوب کیا ہے۔ مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے

شاگرد تھے۔

حضرت مولانا عبداللہ لدھیانویؒ مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ کے والد گرامی اور مولانا زکریا صاحب لدھیانویؒ کے چچا تھے۔ مولانا زکریا صاحب رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ کے والد تھے۔

ہندوستان کی تقریباً ڈیڑھ سو سال کی تاریخ میں مشہور ترین فتاویٰ خاندان علمائے لدھیانہ سے منسوب ہیں۔ ان میں ۱۸۵۷ء کا پہلا فتویٰ آزادی مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ اور ان کے بڑے صاحبزادے مولانا سیف الرحمان لدھیانویؒ اور تقریباً ۳۲ دوسرے علماء سے منسوب ہے۔

۱۸۸۴ء کا فتاویٰ قادریہ مرزا غلام قادیانی کے خلاف اور ۱۸۸۸ء کا کانگریس میں شمولیت اور آزادی کا فتویٰ نصرۃ الابرار بھی علماء لدھیانہ کا ہی دیا ہوا ہے۔

بہت اہم اس میں کہ ہندوستان کے تمام سرکردہ علماء نے ان آخری دو فتاویٰ کی تصدیق کی، جن میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ شامل ہیں۔

فتویٰ نصرۃ الابرار کے لیے دیکھیے کتاب "تحریک آزادی میں مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ اور اکابرین جمعیت علماء ہند کی زریں خدمات" (حصہ اول)

مفتی ضیاء الحسین صاحب لدھیانویؒ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے شاگرد تھے۔ ۲۰۱۰ء میں وفات پائی اور مدینہ المنورہ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ آپ مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ اور راقم کے تایا۔ اب ان کی یادیں ہی رہ گئی ہیں۔

جب ان کی یاد آتی ہے تو آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالی مغفرت فرمائیں۔ آمین

بندہ: مشہود مفتی عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہندوستان کے اندر مرزا غلام احمد قادیانی نے لدھیانہ شہر سے دعوی مسیحیت اور مہدیت کیا اور پھر اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

اس وقت کے مشہور علماء علمائے لدھیانہ میں سے مولانا محمد صاحبؒ مولانا مفتی عبداللہ صاحب اور مولانا عبدالعزیز صاحبؒ نے مرزا کے کفر کا فتویٰ جاری کیا۔ یہ ہندوستان میں مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف پہلا فتویٰ ہے۔

بعد میں تمام ہندوستان کے علماء نے مرزا کے خلاف کفر کا فتویٰ جاری کیا۔ بلکہ علمائے لدھیانہ کے فتویٰ کی تائید و توثیق کی اور حضرت مولانا غلام دستگیر صاحب قصوریؒ کی کوشش سے علمائے حرمین نے بھی اس فتویٰ کی تصدیق فرمائی اور یہ کتاب فتاویٰ قادریہ کے نام سے ۱۳۰۱ھ بمطابق ۱۸۹۰ء میں لدھیانہ سے شائع ہوئی۔ اب اس کتاب کو پرانی شکل میں فوٹو کر کے دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ علمائے لدھیانہ کی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی شمولیت اور سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے ساتھ معاونت کو بیان کیا گیا۔

پہلی کتاب چونکہ نایاب ہو چکی ہے اس لیے علمائے پاکستان کے پر زور اصرار پر دوبارہ شائع کی جا رہی ہے۔

مفتی ضیاء الحسین

فاضل دیوبند مقیم مدینہ منورہ

ہندوستان کے اندر احیاء اسلام کے لیے علماء نے شاندار روایات چھوڑی ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان کی گراں قدر مساعی اس کے لئے مشہور ہیں۔ اسی طرح علماء لدھیانہ نے بھی احیائے اسلام اور ہندوستان کی آزادی کے لئے گراں قدر کوششیں و مساعی کی ہیں۔

ہسٹری آف انڈیامیں یہ سب واقعات انگریز مؤرخ نے تحریر کیے ہیں۔ اس سلسلے میں جب شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ معرکہ بالاکوٹ میں تشریف لے جانے کے لئے ارادہ فرمارہے تھے کہ راقم الحروف کے پردادا علامہ عبدالقادر لدھیانویؒ کے نام آپ حضرات کے خطوط آئے کہ اس معرکہ میں بدنی اور مالی اعانت فرمادیں۔ پردادا مرحوم ذاتی طور پر بعض حالات کی وجہ سے شریک معرکہ نہ ہوسکے۔ لیکن آپ نے سید برادرز کی مالی اعانت فرمائی۔ یہ خطوط لدھیانہ میں اب تک محفوظ تھے لیکن تقسیم ملک کے وقت سب کتب خانہ اور خطوط ضائع ہوگئے۔

مولانا عبدالقادرؒ راقم الحروف کے پردادا تھے جن کی نسل سے علمائے لدھیانہ مشہور ہوئے۔ آپ کے چار صاحبزادے ہوئے۔ بڑے صاحبزادے مولوی سیف الرحمن تھے جو کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اپنے والد مولانا عبدالقادرؒ کے ساتھ شریک ہوئے اور ۱۸۵۷ء میں افغانستان تشریف لے گئے اور وہیں شادی کرلی۔ اب معلوم ہوا کہ ان کا سارا خاندان جہاد افغانستان میں شریک ہے۔ دوسرے صاحبزادے مولانا محمد صاحب تھے۔ تیسرے مولا مفتی عبداللہ صاحب تھے۔ آپ زبردست عالم دین تھے جن کی ہمت مردانہ سے فرقہ ہائے باطلہ خصوصاً غیر مقلد اور قادیانی خوف زدہ رہتے تھے۔ آپ نے اور آپ کے بھائی مولانا محمد صاحب نے جو کہ مشہور احرار لیڈر مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ کے دادا تھے، نے ہندوستان میں سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا۔ جبکہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ابھی متذبذب تھے۔ بعد میں تمام علمائے حجاز اور مصر نے ان کے فتویٰ کی تصدیق کی اور اس سلسلہ میں ایک کتاب فتوی قادریہ کے نام سے سنہ ۱۳۰۱ ہجری میں تحریر فرمائی۔ مولانا مفتی محمد عبداللہؒ راقم الحروف کے دادا تھے اور مشہور عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ کے والد تھے۔ چوتھے مولانا عبدالعزیزؒ وقت کے قطب مشہور ہوئے اور علوم باطنی میں کمال رکھتے تھے۔

مرزا غلام احمد کی لدھیانہ میں آمد اور کفر کا فتویٰ

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے پروگرام کے اعتبار سے مختلف شہروں کا دورہ کیا۔ اسی دورے کے دوران وہ لدھیانہ بھی آیا۔ اس سے آگے کے حالات مولانا محمد لدھیانویؒ کی زبان سے سنیے:

"مرزا غلام احمد قادیانی نے شہر لودھیانہ میں آکر ۱۳۰۱ ہجری میں دعویٰ کیا کہ میں مجدد ہوں۔ عباس علی صوفی اور منشی احمد جان معہ مریدان اور مولوی محمد حسن معہ اپنے گروہ اور مولوی شاہ دین اور عبدالقادر اور مولوی نور محمد مہتمم مدرسہ حقانی وغیرہ نے اس کے دعویٰ کو تسلیم کر کے امداد پر کمر باندھی۔ منشی احمد جان نے معہ مولوی شاہدین و عبدالقادر ایک مجمع میں جو واسطے اہتمام مدرسہ اسلامیہ کے اوپر مکان شاہزادہ صفدر جنگ صاحب کے تھا، بیان کیا کہ علی الصباح مرزا غلام احمد قادیانی صاحب اس شہر لودھیانہ میں تشریف لائیں گے۔ اور اس کی تعریف میں نہایت مبالغہ کر کے کہا کہ جو شخص اس پر ایمان لائے گا گویا وہ اوّل مسلمان ہو گا۔

مولوی عبداللہ صاحب مرحوم برادرم نے بعد کمال بردباری اور تحمل کے فرمایا اگرچہ اہل مجلس کو میرا بیان کرنا ناگوار معلوم ہو گا لیکن جو بات خدا جلّ شانہٗ نے اس وقت میرے دل میں ڈالی ہے، بیان کیے بغیر میری طبیعت کا اضطراب دور نہیں ہوتا۔ وہ بات یہ ہے کہ مرزا قادیانی جس کی تم تعریف بیان کر رہے ہو، بے دین ہے۔ منشی احمد جان بولا کہ میں اوّل کہتا تھا کہ اس پر کوئی عالم یا صوفی حسد کرے گا۔ راقم الحروف نے مولوی عبداللہ صاحب مرحوم کو بعد برخاست ہونے جلسہ کے کہا کہ جب تک کوئی دلیل معلوم نہ ہو بلا تامّل کسی حق میں زبان طعن کھولنی مناسب نہیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ اس وقت میں نے اپنی طبیعت کو بہت روکا لیکن آخر الامر یہ کلام جو خدا جلّ شانہٗ نے جو میرے لیے اس موقع پر سرزرد کروایا ہے، خالی از الہام نہیں۔

اس روز مولوی عبداللہ صاحب بہت پریشان خاطر رہے۔ بلکہ شام کو کھانا بھی تناول نہ کیا۔ بوقت شب دو شخصوں سے استخارہ کروایا اور آپ بھی اسی فکر میں سو گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مکان بلند پر مولوی محمد صاحب اور خواجہ احسن شاہ صاحب کے ساتھ بیٹھا ہوں۔ تین آدمی دور سے دھوتی باندھے ہوئے چلے آتے معلوم ہوئے۔ جب نزدیک پہنچے تو ایک شخص جو آگے آگے آتا تھا اس نے دھوتی کو کھول کر تہبند کی طرح باندھ لیا۔ خواب ہی میں غیب سے یہ آواز آئی کہ مرزا غلام احمد قادیانی یہی ہے۔ اسی وقت خواب سے بیدار ہو گئے۔ اور دل کی پراگندگی یکلخت دور ہو گئی۔ اور یقین کلی حاصل ہوا کہ یہ شخص پیرایۂ اسلام میں لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ موافق تعبیر خواب کے دوسرے دن قادیانی معہ دو ہندوؤں کے لودھیانہ میں آیا۔ استخارہ کنندگان میں سے ایک کو معلوم ہوا کہ یہ شخص بے علم اور دوسرے نے خواب میں مرزا کو اس طرح دیکھا کہ ایک عورت برہنہ تن کو اپنی گود میں لے کر اس کے بدن پر ہاتھ پھیر رہا ہے۔ جس کی تعبیر یہ ہے کہ دنیا جمع کرنے کے درپے ہے۔ دین کی کچھ پرواہ نہیں۔

فی الواقع ان دونوں خوابوں کی صداقت میں کچھ بھی کلام نہیں۔ مرزا کو سوائے انشا پردازی کے اور کچھ نہیں آتا۔ خصوصاً علومِ دینیہ سے بالکل بے بہرہ ہے۔ ورنہ براہین احمدیہ کو قبل از تصنیف بلا تعین ضخامت کیوں فروخت کر کے مال حرام کو اپنے کھانے پینے میں صرف کرتا۔ کیونکہ ایسی بیع شرعاً ناجائز ہے۔ پس جو لوگ اس کتاب کی تشییع میں عالم کہلا کر مثل عبدالقادر وغیرہ کے ساعی رہے ہیں، کمال درجہ کے نادان اور جاہل ہیں۔

اور قادیانی کا صرف حطامِ دنیا جمع کرنے کا مدّ نظر ہونا بھی اسی کتاب کے فروخت کرنے سے ظاہر ہے۔ کیونکہ تین چار حصہ کتاب مذکور کے چند اجزاء میں طبع کرا کے جو فی الواقع دو تین روپیہ کی مالیت ہے دس دس اور پچیس پچیس روپیہ

بایں وعدہ لوگوں سے مرزا اور اس کے دلال عبدالقادر نے وصول کیے ہیں کہ یہ کتاب بہت بڑی بنے گی۔ اور باقی جلدیں طبع ہو کر وقتاً فوقتاً ہر خریدار کے پاس پہنچتی رہیں گی۔ جب لوگوں سے روپیہ دم دے کر وصول کر چکے تو باقی کتاب کا طبع کرانا یکلخت موقوف کر دیا۔ کیونکہ اس میں کوئی صورت منافع کی نہیں۔ یعنی جس قدر مطبوع ہوگی جن سے پہلے روپیہ حاصل کر چکے ہیں، ان کو بلا قیمت دینی پڑے گی۔ لہٰذا اس کے بقیہ کو ہم آشیانۂ عنقاء کرنا مناسب سمجھ کے نئ نئ تالیفات شائع کر کے روپیہ جمع کرنا شروع کیا۔

جس روز قادیانی شہر لودھیانہ میں وارد ہوا تھا راقم الحروف اعنی محمد و مولوی عبداللہ صاحب و مولوی اسماعیل صاحب نے براہین کو دیکھا تو اس میں کلماتِ کفریہ انبار در انبار پائے۔ اور لوگوں کو قبل از دوپہر اطلاع کر دی گئی کہ یہ شخص مجدّد نہیں بلکہ ملحد اور زندیق ہے۔

برعکس نہند نام زنگی کافور

اور گرد و نواح کے شہروں میں فتوے لکھ کر روانہ کیے گئے کہ یہ شخص مرتد ہے، اس کی کتاب کو کوئی خرید نہ کرے۔"

مولانا محمد لدھیانویؒ فتاویٰ قادریہ میں اس طرح درج کرتے ہیں:

"پھر اس تحریر کو ہم تینوں ساتھ لے کر جلسہ دستار بندی مدرسہ دیوبند بتاریخ ۱۲ جمادی الاول ۱۳۰۱ھ ہجری میں پہنچے۔ دوسرے روز مولوی رشید احمد صاحب ملاقات کے واسطے تشریف لائے۔ بعد ازاں مولوی محمد یعقوب صاحب بھی براہِ مہمان نوازی ملنے کو آئے۔ راقم الحروف نے کچھ حال قادیانی کا بطور اجمالی زبانی بیان کیا۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا اگر بطور ظلیت آنحضرت ﷺ اس پر ورود الہامات کا ہوتا ہے تو اس پر کیا عجب ہے؟ میں نے کہا کہ اگر اہل کتاب یہود و نصاریٰ یہ اعتراض کریں کہ جیسا قادیانی

پر بسبب ظلیت آیات قرآنی نازل ہو رہی ہیں۔ ایسے ہی تمھارے پیشوا خود مستقل پیغمبر نہیں تھے۔ بلکہ بسبب اتباع ابراہیمؑ کے ان پر قرآن بطور الہام نازل ہوا ہو گا تو پھر آپ کیا جواب دو گے؟ مولوی صاحب نے لاجواب ہو کر یہ فرمایا کہ میں اس شخص کو اپنی تحقیق میں غیر مقلد جانتا ہوں۔ اور آپ کو اس کی تکفیر سے منع نہیں کرتا، کیونکہ آپ اس کے کل حالات سے بسبب قریب الوطن ہونے کے واقف ہیں اور نیز آپ نے اس کی کتاب براہین کی ہر چہار جلد کو دیکھ لیا ہے۔

بعد ازاں ہم نے تحریر مذکورۃ الصدر کو بتاریخ ۱۴ جمادی الاول ۱۳۰۱ ہجری جلسہ کی خدمت میں بر سر عام جس میں مولوی مظہر صاحب موحوم وغیرہ علماء فضلاء نامدار موجود تھے، پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو جہاں تک آتا تھا آپ کی خدمت میں لکھ کر روانہ کر دیا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ جو کچھ آپ کی تحریر پر اعتراضات وارد کیے گئے ہیں ان کو ملاحظہ فرما کر جواب سے مشرف فرما دیں۔ آپ نے فرمایا مجھ کو جہاں تک علم تھا میں نے لکھ دیا تھا زیادہ اس سے مجھ کو علم نہیں۔ مولوی عبداللہ صاحب نے دوبارہ اس تحریر کو مولوی صاحب کے ہاتھ دے کر آیت وأما السائل فلا تنهر پڑھ کر فرمایا کہ آپ اس کو جواب عنایت فرمادیں۔ مولوی صاحب کی تحریر کو واپس دے کر فرمایا کہ ہمارے سب کے مولانا محمد یعقوب صاحب بڑے ہیں اس باب میں جو ارشاد فرمائیں مجھ کو منظور ہے۔ مولوی عبداللہ صاحب نے کھڑے ہو کر بآواز بلند فرمایا کہ جو لوگ اس مسئلہ خاص میں اپنا دین تباہ کر رہے ہیں، اس کا وبال آپ کی گردن پر ہو گا یا ہماری گردن پر۔

اس کے بعد ہم وہاں سے روانہ ہو کر مولوی محمد یعقوب صاحب کے ہاں پہنچے۔ فوراً مولوی رشید احمد صاحب کے بڑے صاحب زادہ نے معہ گروہ کثیر جس میں چند عالم مولوی محمود حسن مدرس مراد آباد وغیرہ داخل تھے آکر شور مچایا۔ مولانا یعقوب صاحب نے فرمایا سب کے سب شور مت کرو صرف ایک شخص

کلام کرے۔ مولوی محمود حسن صاحب نے بیان کیا کہ یہ تینوں مولوی تین روز سے پکار رہے ہیں کہ مرزاغلام احمد قادیانی کافر ہے اور جو اس کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔ میں نے کہا کہ یہ امر غلط ہے۔ فریق ثانی نے کہا اب انکار کرتے ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر کہا کہ وہ کون شخص ہے جس سے ہم نے خوف کھا کر انکار کیا۔ ہمارا اول سے یہ عقیدہ ہے کہ قادیانی کافر ہے اور جو شخص اس کا ہم عقیدہ ہے وہ بھی کافر ہے۔ جس کو حوصلہ گفتگو کا ہو وہ میدان گفتگو میں آکر کسی ثالث کے مکان پر بحث کرلے۔ اس مکان پر بحث کرنے کا موقع نہیں کیونکہ یہاں یہ مثل مشہور صادق آرہی ہے۔ ایک ناک والا جب سات ناک کٹوں کے پاس جب پہنچا فوراً سب کے سب اول ہی بول اٹھے ناکو آیا۔ یہ کلام سن کر سب خاموش ہو گئے۔ کسی نے گفتگو کرنے کا نام بھی نہیں لیا۔

پھر میں نے مولوی محمد یعقوب صاحب سے عرض کیا کہ جو آپ نے کل بوقت ملاقات قادیانی کے باب میں فرمایا تھا اس کو تحریر بھی کر دو گے۔ آپ نے فرمایا میں بھی لکھ دوں گا کہ اس کے الہامات اولیاء اللہ کے الہامات سے کچھ مناسبت نہیں رکھتے۔ لیکن فی الحال بسبب کاروبار جلسہ کے مجھ کو فراغت نہیں۔ دو تین روز بعد لکھ کر روانہ کر دوں گا یا آپ میری طرف سے تحریر کر لینا۔ چنانچہ مولانا صاحب نے حسب وعدہ کے ایک فتویٰ اپنے ہاتھ سے لکھ کر ہمارے پاس ڈاک میں ارسال فرمایا جس کا مضمون یہ تھا کہ:

”یہ شخص میری دانست میں غیر مقلد معلوم ہوتا ہے اور اس کے الہامات اولیاء اللہ کے الہامات سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے اور نیز اس شخص نے کسی اہل اللہ کی صحبت میں رہ کر فیض باطنی حاصل نہیں کیا۔ معلوم نہیں اس کو کس روح کی اویسیت ہے۔“

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم سہارنپوریؒ کا فرمان

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم سہارنپوریؒ صاحب نسبت بزرگ تھے سہارن پور میں رہتے تھے اور بڑے بڑے علماء ان سے سلوک و عرفان کی منزلیں طے کرتے تھے۔ علماءِ دیوبند کے بعد علماءِ لدھیانہ آپ کی خدمت میں سہارن پور حاضر ہوئے۔ وہ پہلی اور واحد شخصیت تھی جس نے علماء لدھیانہ کے فتوائے کفر کی کھل کر تائید فرمائی۔ اس پر مولانا محمد لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

اور شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوری مرحوم نے بوقت ملاقات فرمایا کہ:

”مجھ کو بعد استخارہ کرنے کے یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص بھینسے پر اس طور سے سوار ہے کہ منہ اس کا دم کی طرف ہے۔ جب غور سے دیکھا تو زنار اس کے گلے میں پڑا ہوا نظر آیا جس سے اس شخص کا بے دین ہونا ظاہر ہے اور یہ بھی میں یقیناً کہتا ہوں کہ جو اہل علم اس کی تکفیر میں اب بھی متردد ہیں کچھ عرصہ بعد سب کافر کہیں گے۔“ (فتاوی قادریہ)

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ حضرت شاہ عبدالرحیم سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ دونوں الگ الگ شخصیتیں ہیں۔ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم سہارن پوریؒ بڑے پائے کے بزرگ اور صاحب کشف تھے۔ وہ سہارنپور کے قریب ہی ایک قصبہ میں رہائش پذیر تھے۔

پنجاب سے اگر سہارنپور کا سفر کیا جائے تو مین روڈ کے کنارے سہارن پور سے کچھ کلو میٹر پہلے ان کی پرانی مسجد اور خانقاہ اب بھی موجود ہے اور ساتھ ہی ان کی قبر ہے۔ انہی کے ساتھ حضرت مولانا عبداللہ لدھیانویؒ بھی مدفون ہیں۔ جو کہ اول مکفرین مرزا میں سے ہیں۔

خاندان علمائے لدھیانہ کے متعلق حکیم الاسلام کے تاثرات

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کی سوانح پر علمائے لدھیانہ کی خدمات کے متعلق ایک مضمون لکھا ہے۔ اس مضمون میں سے کچھ کلمات یہاں پر درج کیے جاتے ہیں۔ (از مؤلف)

از قاری محمد طیب: دار العلوم دیوبند

احقر کے سامنے اس وقت تذکرہ بزرگان مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی حال مقیم دہلی دام مجدہٗ مرتبہ عزیز محترم مولوی عزیز الرحمٰن صاحب جامعی ابن مولانا ممدوح کے اوراق کھلے ہوئے ہیں جو عزیز موصوف نے خاندانی تعارف کے طور پر بڑی محنت سے لکھے ہیں۔ اہل اللہ کے ذکر میں قدرتاً قلبی کشش اور جاذبیت ہوتی ہے کہ اسے شروع کر کے ختم کیے بغیر طبیعت نہیں مانتی، بلکہ ختم کرنے ہی کی طرف نہیں آتی۔ وہی کیفیت ان اوراق کے مطالعہ کے وقت مجھ پر طاری ہے۔ ہر پچھلا ورق اگلے ورق کی دعوت دیتا جا رہا ہے اور جی نہیں چاہتا کہ اس تذکرہ میں کوئی آخری ورق آئے۔ بہر حال دہلی سے دیوبند تک پنج ساعہ سفر میں میں میرا مشغلہ صرف اس تذکرہ کا مطالعہ رہا اور میں نے اول سے آخر تک اس تذکرہ کے تمام مسوّدہ کو غور سے پڑھا۔

حالانکہ اہل اللہ کے واقعات و احوال پڑھ کر تبصرہ کے جذبات نہیں ابھرتے بلکہ تذکرہ کے دواعی پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس کی داستانیں جو حقیقتاً زندگی اور اجتماعی زندگی کی داستانیں ہوتی ہیں کسی تقریظ کی غرض سے نہیں دیکھی جاتیں کہ رسمی طور پر اس پر کچھ سطریں لکھ دی جائیں بلکہ عقیدت و محبت کی نگاہ سے پڑھی جاتی ہیں کہ سیپارۂ دل پر خود انہیں کو نقش کیا جائے۔

اس خاندان کے موجودہ اخلاف کرام سے تو میرے مخلصانہ اور دوستانہ تعلقات عرصہ دراز سے قائم ہیں جیسا کہ میرے اکابر خاندان کے اس خاندان کے اکابر سے گہرے مراسم رہے ہیں۔ اور آج اس تصور سے لدھیانہ کی آمد و رفت، علمی اجتماعات اور مخلصانہ علمی مجلسیں آنکھوں میں پھر گئیں۔ لیکن اس خاندان کے اسلاف کرام سے تفصیلی تعارف اس داستانِ حیات ہی کے پڑھنے سے اس سفر

میں میسر ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ ولی اللّٰہی خاندان کی شاخ جہاں بھی چلی گئی، شاخِ طوبیٰ ہی ثابت ہوئی۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا کہ حضرت جدِّ امجد قاسم العلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند جب پہلے حج کے لیے کراچی سے حجاز مقدس روانہ ہوئے تو بادبانی جہاز ہوا ناموافق ہونے کی وجہ سے بصرہ میں لنگر انداز ہو گیا اور کئی دن تک ٹھہرا رہا۔ مسافر بصرہ کی سیر کرنے کے لیے اتر گئے۔ حضرت قاسم العلوم بھی اترے مگر تفریح طبع کے لیے نہیں بلکہ بصرہ کے اس دور کے ایک مشہور و معروف محدث سے سند حدیث حاصل کرنے کے لیے۔ محدث ممدوح نے حضرت قاسم العلوم سے دریافت کیا کہ آپ کی سند حدیث کہاں سے ہے؟ فرمایا شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ سے۔ فرمایا کون شاہ عبد الغنی؟ عرض کیا کہ شاہ اسحٰق دہلویؒ کے تلمیذ۔ فرمایا کون شاہ اسحاق؟ عرض کیا کہ شاہ ولی اللہؒ کے تلمیذ۔ تو جھوم کر فرمایا کہ ہاں ولی اللہ شجرۂ طوبیٰ ہے۔ جس طرح اہل جنت کا کوئی قصر اور محل نہ خالی ہو گا کہ اس میں شجرۂ طوبیٰ کی شاخ پہنچی ہوئی نہ ہو۔ اسی طرح ہندوستان میں علم کا کوئی گھرانا نہ ملے گا جس میں خاندان ولی اللّٰہی کی کوئی شاخ نہ آئی ہو۔ اور یہ فرما کر بڑی شفقت کے ساتھ حضرت قاسم العلوم کو سند عطا فرمائی۔ بہر حال اسی طوبائی خاندان جنّت نشان کی ایک علمی شاخ لدھیانہ کا علمی خاندان بھی ہے جو ولی اللّٰہی علوم اور ولی اللّٰہی جذبات کی امانت سینوں میں لیے ہوئے ہے۔

ان ساری ولی اللّٰہی شاخوں میں علم اور اخلاق کے ساتھ جو چیز سب سے زیادہ ابھری ہوئی نظر آتی ہے وہ مجاہدانہ اسپرٹ، راہِ حق میں ایثار و فنائیت، بے باکانہ حق گوئی، ہر رسمی اقتدار سے نڈر ہو کر اعلانِ حق اور ساتھ ہی اس راہ میں کسی بھی قربانی سے نہ گھبرانا ہے۔ یہ موجود اوصاف لدھیانوی خاندان میں بہت ہی نمایاں اور خصوصی طور پر نظر آتا ہے اور نہ صرف اسلاف خاندان ہی تک محدود ہے بلکہ آج کے اخلاق میں بھی اس کی وہی جھلک قائم ہے اور بلاشبہ یہ ایک فضل خداوندی ہے کہ کسی خاندان کی اعلیٰ روایات اور مستحسن خصوصیات پشتوں تک خاندان کا ساتھ نہ چھوڑیں اور اخلاف اپنے اسلاف کے سانچوں میں ڈھلتے رہیں۔

یہ خاندان باطل کے مقابلہ میں ہمیشہ سینہ سپر رہا۔ باطل اور طاغوت کے سامنے کہیں سر نہ جھکایا اور اس پُر خار راہ کی ہر مشکل کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا اور برضاو تسلیم مصائب کا سامنا کیا۔ فتنہ خواہ حکومت و سیاست کی لائن سے آیا یا مذہب و دیانت کے حلقوں سے، مادیت کے راستوں سے نمودار ہوا یا روحانیت کے ناموں سے، انہوں نے ہر دور میں اسے پہچانا اور جلد پہنچانا۔ اس کی سرکوبی کی اور مسلمانوں کو اس سے آگاہ کر کے اس سے محفوظ رکھا۔ برطانوی حکومت کی لائن سے جس قدر فتنے اٹھے اور جس رنگ میں بھی اٹھے ان کے خلاف اس خاندان کے اسلاف بھی اٹھے اور پھر اَخلاف نے بھی وہی کچھ کیا جو اسلاف نے کر دکھایا تھا۔ اور ساتھ ہی غربت و تشدّد کے تمام مصائب بھی جھیلے جو اس راہ کے خواص آثار میں سے ہیں، مگر کلمہ حق کی تبلیغ و ترویج نہ چھوڑی اور نہ ہی اس میں کسی اپنے اور بیگانے کی ذرہ برابر رعایت کی، بلکہ بلا خوف لومۃ لائم اعلانِ حق کیا، خواہ اس کی پاداش میں اپنا کچھ بھی کھو دینا پڑا۔ ہو سکتا ہے کہ عملی جزئیات میں ان سے کسی کو اختلاف ہو مگر دنیا کا کوئی بھی حق پرست انسان ان جذباتِ حقہ کی قدر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

"اول بآخر نسبتے دارد" کے اصول پر جس طرح اس خاندان کے اسلاف پر اعلانِ حق کی بدولت وہ وقت بھی آیا کہ انہیں وطن مالوف اور گھر بار چھوڑ کر غربت کی زندگی اختیار کرنی پڑی اور ان کی غیبت میں دشمنانِ حق نے ان کے گھروں ہی کو نہیں ان کی عبادت گاہوں تک کو جلا ڈالا۔ اسی نہج سے اخلاف خاندان کو بھی آج راہِ محبت کی یہ تمام تلخیاں سہنی پڑ رہی ہیں۔ وطن مالوف چھوٹا، گھر بار ہاتھ سے نکلا، خاندان کے کتنے ہی مردوں عورتوں نے حیاتِ غربت کے ساتھ موتِ غربت اختیار کی، مدارس ہاتھ سے گئے، معابد اور مساجد قبضہ سے نکل گئیں جن میں برسوں سے قال اللہ و قال الرسول ﷺ کی صدائیں اٹھتی رہیں اور نہ معلوم کہ وہ باقی ہیں یا یکسر دوسرے نشوں میں تبدیل ہو چکی ہیں، مگر ان سارے فتنوں کی گرم بازاری میں یہ امانت داری کس درجہ پُر عظمت ہے کہ جس طرح ان انتہائی مصائب میں اسلاف کے پیروں کو ذرہ برابر جنبش نہیں ہوئی تھی اور انہوں نے نہ صرف صبر و خیر بلکہ رضاء و تسلیم کے جذبات دکھلائے تھے، اسی طرح آج کل دردناک مصیبتوں اور ہولناک پریشانیوں میں اخلاف کے

پائے استقلال کو بھی ادنیٰ جنبش نہیں ہوئی اور نہ ہی ان کے چہروں پر کسی ادنیٰ سی بدحواسی یا اداسی کی کوئی لکیر دکھائی دیتی ہے۔

بہر حال نوعی حیثیت سے اس علمی خاندان میں جو چیز قدرِ مشترک کے طور پر اسلاف واخلاف میں نمایاں نظر آتی ہے اور ساتھ ہی اس کے آثار بھی مشترک ہیں، وہ راہ حق میں بے خوفی وبے باکی، اعلاءِ کلمۃ اللہ، اطفاءِ فتن اور دنیوی زندگی میں تحمل شدائد و مصائب، مگر بصد تسلیم و رضا ہے۔ حکومتی فتنہ ہی نہیں بلکہ ہر وہ فتنہ جو مذہب، قوم، فرقہ، تمدّن اور معاشرہ و سیاست کی راہ سے نمودار ہوا، ان حضرات کی نگاہِ دور بیں نے ہر رنگ میں اس کے اندازِ قد و قامت کو پہچانا اور مخلوق کو اس سے خبردار کیا۔ فتنہ مرزائیت کو اوّلاً اسی خاندان نے بھانپا اور مرزا غلام احمد قادیانی کے دجل و فساد سے علمی طور پر ملک کو آگاہ کیا جس سے لاکھوں انسان گمراہی کے اس جال سے بچ گئے حتیٰ کہ اس سلسلہ کی عملی تکمیل بھی بالآخر اسی خاندان کے ہاتھوں ہوئی۔ مجلس احرار نے امیر الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کی امارت و قیادت میں اس فتنہ کا عملی طور پر مقابلہ کیا اور اس سے زبردست ٹکر لی جو ظاہر میں قادیانیت سے ٹکّر تھی مگر بلحاظِ حقیقت یہ ٹکّر برطانیہ کی طاقتور حکومت سے تھی۔ اس لیے ان حضرات کو قید و بند کے سارے ہی تشدّد آمیز مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن بالآخر سیاسی پہلوؤں سے اس جماعت باطل کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روک دینے بلکہ محدود کر دینے میں امیر الاحرار اور ان کے رفقاءِ کار کامیاب ہوئے جو ایک تاریخی کارنامہ ہے اور زندۂ جاوید رہ کر جریدۂ عالم پر سنہرے حرفوں سے بطور یادگار ثبت رہے گا۔ فتنہ نیچریّت و آزادی، فتنۂ بدعات و محدثات، فتنۂ بے قیدی و اطلاق اور فتنۂ تمدّن و تعیش نے ان بزرگوں کے دور میں مختلف رُوپوں سے ابھرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے اعلیٰ ترین استقامت سے اس زیغ باطل پرور کا مقابلہ کیا اور اسے شکستوں پر شکستیں دیں۔"

اس لیے اس خاندان کا اثر ورسوخ ہمہ گیر رہا۔ پنجاب میں خصوصاً اور بیرون پنجاب میں عموماً اس علمی گھرانے کو عزت و وقعت اور مقبولیت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور ان کے کلماتِ موعظت و ہدایت کو دل کے کانوں سے سنا گیا۔ یہ اثرات پبلک سے گزر کر درباروں تک بھی پہنچے اور سلاطین وقت نے

بھی ان بزرگوں کے سامنے سرِ عقیدت خم کیا؟

بہر حال مجموعی حیثیت سے یہ خاندان پنجاب کا ایک ممتاز علمی خاندان اور علم و فضل نیز جوہر عمل کے لحاظ سے ایک مانا ہوا قبیلہ رہا ہے جس نے ہمیشہ مسلمانوں کی علمی اور دینی خدمت انجام دی ہے۔ آج کا دور دین و تقویٰ کا دور نہیں اور نہ ہی دین کے لیے آج کے ناساز گار احوال مساعدت کر رہے ہیں۔ دین پر قائم رہنے والا غریب، اوپرا اور "کالقابض علی الجمر" (ہاتھ میں چنگاری پکڑنے والا) کا مصداق ہے جس کا مادّی ماحول میں کوئی وقار نہیں۔ غیرتِ خداوندی نے نہ چاہا کہ دین و دیانت کے ایسے پاک نمونے ایسے ناپاک ماحول میں رکھے جائیں۔ اس لیے انہیں اٹھالیا گیا اور عالم بالا کو ان سے زینت دی گئی۔ اس لیے جہاں اس دور کی بدبختی ہے کہ یہ نمونے اس میں نہ رہے وہیں ان حضرات کی ارجمندی اور سربلندی کی نشانی تھی کہ دنیا کی اس عام زبوں حالی سے پہلے ہی انہیں اٹھالیا گیا: رحمهم الله رحمة واسعة. لیکن پھر بھی انتہائی خوشی کا مقام ہے کہ اَخلاف نے اسلاف کا نقش قدم نہیں چھوڑا اور ان کے پاک جذبات کی امانت محفوظ ہے جس میں کوئی خیانت نہیں ہوئی۔

خصوصیاتِ زمانہ نے گو نقشے بہت کچھ بدلے ہیں مگر شباہت نہیں مٹی۔ آب و ہوا نے مزاجوں میں تبدیلیاں بہت کچھ پیدا کر دیں مگر افتادِ طبیعت نہیں بدلی۔ بادِ سموم نے نونہالوں کو مرجھا ضرور دیا ہے مگر پھلوں کا ذائقہ پھر بھی وہی ہے۔ بہر حال عوارض و خصوصیاتِ وقت نے تبدیلیاں ضرور کی ہیں مگر بنیادی اساس پر تعمیر وہی کھڑی ہوئی ہے جو پہلے سروں پر سایہ کیے ہوئے تھی۔

انقلاباتِ زمانہ سے یہ خاندان بھی ملک کی طرح دو حصوں میں تقسیم ہو گیا! مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کا گھرانا ہندوستان میں آباد رہا اور ان کے دوسرے بھائی اور مولانا مفتی نعیم صاحب کا خاندان پاکستان میں بس گیا۔ لیکن خدمات و جذبات کے سلسلہ میں افرادِ خاندان کی پوزیشن اور اس کے آثار بدستور نمایاں ہیں۔ بالخصوص مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اپنی زندگی میں جس سیاسی بصیرت کا ثبوت دیتے رہے ہیں ان کی وفات کے بعد بھی ان کے مبصّرانہ کلمات انہی کا سا کام کر رہے ہیں۔ ملک کے انقلابی احوال و مسائل کے سلسلہ میں مرحوم نے جن جن رایوں کا اظہار کیا تھا آج ملک ہی نہیں

حکومت کے حلقوں سے بھی ان کی تائیدی صدائے بازگشت سنائی دے رہی ہے جو ان کی دور بینی اور سیاسی بصیرت کا کھلا ثبوت ہے، جیسا کہ اس کتاب میں اس کے بعض شواہد و نظائر پیش کر دیے گئے ہیں۔

بہر حال یہ زیرِ نظر تاریخی جائزہ اس خاندان کی اگلی پچھلی اور ماضی و مستقبل کی خدمات سیاسی جوش اور مذہبی ہوش کا آئینہ دار ہے جو اس خاندان کے ایک چشم و چراغ مولوی عزیز الرحمٰن جامعی، ابن مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ فاضل دیوبند مرحوم نے کافی عرق ریزی اور کاوش کے ساتھ فراہم کیا ہے۔ ان قیمتی حالات و خدمات کی محض اس لیے ضرورت نہ تھی کہ وہ ایک خاندان کی تاریخی حقیقتیں ہیں جن کا کاغذوں میں تحفّظ ہو جائے بلکہ اس لیے ضرورت تھی کہ ان میں نمونۂ عمل اور حل مشکلات کا اسوہ موجود ہے جس کا تحفظ قومی نقطہ نظر سے ضروری تھا اور جو آنے والی نسلوں کے لیے قابل تقلید مثال بن سکتا ہے اور مستقبل میں اس سے لائحہ عمل کا کام لیا جا سکتا ہے۔

بزرگوں کا نقش قدم ہی در حقیقت بزرگوں کا قائم مقام ہوتا ہے اور وہ انہی کی طرح اگلوں کے لیے مربّی اور فانوس رہنا ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے بزرگوں کی تاریخیں مدوّن کی جاتی ہیں اور اسی درسِ عبرت کے لیے قرآن حکیم نے تاریخ اور قصص اسلاف کا باب قائم کیا ہے۔ لقد كان في قصصهم عبرة لأولى الألباب

مولوی عزیز الرحمٰن صاحب اس سعی جمیل پر ست مبارک باد ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اس خدمت کو قبول فرمائے اور اولو الالباب کو اس سے درس عبرت لینے کی توفیق بخشے۔ آمین

محمد طیب غفرلہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۷/جمادی الثانی ۱۳۹۵ھ

تحریک ختم نبوت

شورش کاشمیری

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے مجدّد ہونے کا راگ چھیڑ کر لدھیانہ کا سفر کیا تو وہاں بعض افراد نے اس کے استقبال کا فیصلہ کیا۔ اس غرض سے ایک میٹنگ ہوئی جس میں مرزا کے محاسن بیان کیے گئے۔ اس پر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے والد کے چچا مولوی عبداللہ لدھیانویؒ نے کھڑے ہو کر بیان کیا کہ مرزا انتہا درجہ کا ملحد و زندیق ہے۔ بعض ساتھیوں کو ان الفاظ میں تیزی محسوس ہوئی، حتیٰ کہ مولانا حبیب الرحمٰن کے دادا جان نے بھی بھائی سے اتفاق نہ کیا لیکن مولوی عبد اللہ لدھیانویؒ نے استخارہ کیا تو اپنی رائے کو درست پایا۔ آخر ”براہین احمدیہ“ کے غائر مطالعہ سے مرزا کے ملحد و زندیق ہونے کا اعلان کر دیا۔

چونکہ مرزا کا دعویٰ نبوت عوام و خواص کی نظروں سے اوجھل تھا اور وہ انہیں آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں ایک مناظر کی حیثیت سے جانتے پہچانتے تھے۔ اس لیے ابتداءً مرزا کی تکفیر سے متعلق بعض جید علماء کو تردّد تھا۔ مولوی رشید احمد گنگوہیؒ اور دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا یعقوبؒ نے فتویٰ دینے یا فتویٰ پر صاد کرنے سے گریز کیا لیکن جب ان کے سامنے مرزا کی تمام تحریریں رکھی گئیں تو انہوں نے مرزا کے خارج از اسلام ہونے سے اتفاق کیا اور عامۃ المسلمین میں مرزا کے تعاقب کی فضا پیدا کی۔ اس دوران ہی میں حرمین شریفین کے علماء نے مرزا کے کفر کی تصدیق کی۔ مکہ معظّمہ کے مفتی اعظم رئیس القضاۃ شیخ عبد اللہ بن حسن نے مرزا کے کفر کا اعلان کرتے ہوئے ان کے پیروؤں کو بھی اسلام سے خارج قرار دیا۔ اس کے بعد مصر، شام، فلسطین کے مفتیانِ عظام نے بھی مرزا کے کفر پر فتویٰ دیا۔ فتووں کا نتیجہ یہ نکلا کہ برصغیر کا ہر صوبہ مرزا کے دعویٰ سے باخبر ہو گیا اور قادیانیت کو محمد عربی ﷺ کے خلاف گستاخانہ بغاوت قرار دیا گیا۔

یہ زمانہ تھا جب وقت کے تمام بڑے بڑے علماء نے مرزا کی خبر لی اور اپنے اپنے دوائر میں مسلمانوں کو اس کے کفر سے خبردار کیا۔ مولانا لطف اللہ علی گڑھیؒ، مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ، مولوی محمد

صدیق دیوبندیؒ، مولوی محمد اعظم لکھنویؒ، مولانا محمد حسین عربیؒ، مولانا احمد حسن کانپوریؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا عبدالغفار لکھنویؒ، مولانا عبدالجبار عمر پوریؒ، مولانا احمد حسن دہلویؒ، مولانا عبدالحق حقانی دہلویؒ، مولانا محمد حسین بنارسیؒ، مولانا محمد عبداللہ غازی پوریؒ، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ، مولانا محمد ادریس جھنجھانویؒ، مولانا غلام محمد بگویؒ خطیب شاہی مسجد لاہور، مولانا غلام احمدؒ مدرسہ نعمانیہ لاہور، مفتی محمد عبداللہ ٹونکیؒ اورینٹل کالج لاہور مولانا رحیم بخشؒ مصنف سلسلہ تعلیم اسلام لاہور، مولانا احمد علیؒ مدرسہ اسلامیہ بٹالہ، مولانا محمد اسحاقؒ مفتی پٹیالہ، مولانا محمد حسینؒ فیضی ضلع جہلم، حافظ عبدالمنانؒ وزیر آبادی، مولانا عبد القادر تھانویؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، مولانا محمد علی مونگیریؒ، مولانا عزیز الرحمٰنؒ دیوبندی، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا احتشام الدینؒ مراد آبادی، مولانا فقیر اللہؒ شاہ پوری، مولانا محمد امان اللہ دہلویؒ، مولانا محمد اسماعیل علی گڑھیؒ، مولانا محمد ایوبؒ ساکن کول، مولانا وصیت علیؒ غازی پوری، مولانا عبدالجبار غزنویؒ، مولانا عبد الغفور غزنویؒ، مولانا الحق غزنویؒ، سید ظہور حسین قادریؒ سجادہ نشین پٹیالہ، مولانا عبدالرحمٰنؒ لکھوکی، سید اکبر شاہ حنفی پشاوریؒ، مولانا محمد ایوبؒ حنفی پشاوری، مولوی رحمت اللہؒ پشاوری، مولوی تاج الدینؒ گجراتی، مولوی ہدایت اللہؒ راولپنڈی، مولوی امام دین کپور تھلویؒ، مولوی اشرف علیؒ سلطان پوری، مولوی عبد القادرؒ بیگوال، مولوی عبد الرحمٰنؒ دیوبندی اور مولوی گل محمدؒ دیوبندی اپنے زمانے میں برصغیر کے نامور علماء تھے۔

تمام ملک میں مسلمانوں کے اجتماعی مزاج کی دینی عصبیت پر ان کا عظیم اثر تھا۔ ان سب نے مرزا کے ارتداد کفر کی اس طرح چھتاڑ کی کہ مرزا نا ئکہ کا آنسو ہو کر رہ گئے۔ انہوں نے آریوں اور عیسائیوں سے مناظروں کا ڈھونگ رچا کر جو وقار حاصل کیا تھا وہ خاک میں مل گیا۔ ان کی بدولت انگریزوں کی منشاء کامیاب ہوگئی لیکن وہ خود مسلمانوں میں ہر طرح مغضوب و متروک ہوگئے۔

علماء ان کا پیچھا کرتے اور وہ ان سے بھاگتے۔ اس زمانے میں مرزا کا شرعی تعاقب ہی کیا جاسکتا تھا۔ اوّلاً مسلمان مرزا کے استعماری ظہور سے ناواقف تھے۔ ثانیاً برطانوی استبداد اس درجہ بے رحم تھا کہ مرزا کا سیاسی احتساب سخت مشکل تھا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی نے انگریزوں کے استبداد کو

ملحوظ رکھتے ہوئے پہلے تنسیخ جہاد کی اساس قائم کی۔ پھر مرزا کا مقابلہ کیا۔ مرزا کا سب سے بڑا ہتھیار یہ تھا کہ وہ برطانوی سلطنت کے گن گاتے اور اپنے مخالفوں پر باغی ہونے کا الزام دھرتے تھے۔ ممکن تھا مرزا پنجابی مسلمانوں کے خام عقائد میں اپنے لیے جگہ پیدا کر لیتے اور اس طرح ایک طاقتور قادیانی امّت وجود میں آتی لیکن علماء کی زبردست مزاحمت اور طاقتور احتساب کا نتیجہ یہ کا کہ مرزا محدود سے محدود ہو کر رہ گیا۔ اس کی زندگی میں پیرو کار ڈیڑھ دو ہزار سے زائد نہ ہو سکے۔ مرزا بشر الدین محمود کے زمانہ خلافت میں تعداد اس لیے بڑھی کہ پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں نے قادیانی سے خلافت عثمانیہ کے خلاف کماحقہ فائدہ اٹھایا۔ اس کے صلے میں قادیانیوں کو نہ صرف یہ کہ مختلف مادی فوائد حاصل ہوئے بلکہ ان کے لیے سرکاری ملازمتوں کا دروازہ کھل گیا۔ جو لوگ دین کے معاملہ میں کمزور تھے وہ ان فوائد سے متمتّع ہونے کے لیے قادیانی ہو گئے۔

روزنامہ جنگ ۱۹۹۵-۰۹-۰۷

از مفتی جمیل خان

مرزا غلام احمد قادیانی نے مجدد اور محدث کی شکل میں لوگوں سے بیعت لینی شروع کی۔ ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور یہ دعوی بڑھتے بڑھتے نبی بلکہ رسول تک پہنچ گیا بلکہ نعوذ باللہ آخر کار اپنے آپ کو نبی اکرم ﷺ سے افضل قرار دیا۔ علماءِ لدھیانہ نے پہلے ہی مرحلے میں اس کے عزائم دیکھ کر اس کے کفر کا فتویٰ جاری کیا۔ بعد ازاں مولانا رشید احمد گنگوہی اور دیگر تمام علماء کرام نے اس کی تصدیق و تائید کی۔

روزنامہ "جنگ" لندن ۲۰۰۴-۰۹-۰۷

از مفتی جمیل خانؒ

۱۸۸۴ء میں جب مرزا غلام احمد قادیانی ایک پروگرام کے سلسلے میں لدھیانہ وارد ہوا تو علماء لدھیانہ مولانا عبد اللہ لدھیانویؒ، مولانا محمد لدھیانویؒ، مولانا عبد العزیز لدھیانویؒ نے بعض علمائے کرام اور معززین کے ہمراہ مرزا غلام احمد قادیانی سے ملاقات کرنا چاہی تاکہ اس کے عقائد واضح ہوں مگر اس نے راہِ فرار اختیار کی۔ ان حضرات نے مندرجہ عقائد کی وجہ سے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے پیروکاروں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ اس فتوے کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی نے علماء کرام کے خلاف زبان درازی تیز کر دی۔ اپنے عقائد کی وضاحت کے بجائے اپنے آپ کو اللہ تعالی کی بعض صفات کی طرف منسوب کرتے ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی نے یہاں تک کہا کہ وہ بمنزلہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ ان عقائد کی بنیاد پر علمائے لدھیانہ نے دارالعلوم دیوبند، پیر گولڑہ شریف اور تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام کو روانہ کیا جس کے جواب میں سینکڑوں علمائے کرام نے دستخطوں پر مشتمل تکفیرِ قادیان کے عنوان سے فتویٰ دیا۔ ۱۸۹۱ء میں مرزا غلام احمد قادیانی نے مثیل مسیح اور پھر مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ کیا۔

روزنامہ "جنگ" لندن ۱۹۹۹-۰۹-۰۸

از: مفتی محمد جمیل خان

جس وقت مرزا غلام احمد قادیانی نے مجدد اور ملہم من اللہ کا دعوی کیا تو اسی وقت علماء لدھیانہ

نے اس کی تحریروں کی روشنی میں کفر کا فتویٰ جاری کیا۔ جس کی بعد میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور دیگر علماء دیوبند نے تصدیق کی اور مسلمانوں نے اس فتویٰ کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے پیرو کاروں سے اجتناب شروع کیا اور مختلف مقامات پر قادیانیوں اور مسلمانوں کے درمیان مناظروں کا سلسلہ شروع کیا۔

سب سے پہلے مناظرہ لدھیانہ کے عالم دین مولانا عبد اللہ لدھیانویؒ نے کیا۔ اس کے بعد جو علمائے کرام عیسائیوں اور ہندوؤں سے مناظروں اور مقابلے میں مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ تھے انہوں نے خط و کتابت کے ذریعہ پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کو ان عقائد سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن جب وہ اپنے غلط عقائد سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہوا تو اہل حدیث علماء میں سے مولانا عبد اللہ غزنویؒ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے مرزا غلام احمد قادیانی سے مناظروں اور تحریروں مقابلوں کا سلسلہ شروع کیا۔ مولانا عبد اللہ غزنوی کا مباہلہ تو بہت مشہور ہوا۔

روزنامہ "جنگ" لندن ۲۰۰۰-۰۹-۰۹

مرزا غلام احمد قادیانی کے غلط عقائد کو سب سے پہلے علماء لدھیانہ نے چیلنج کیا اور ۱۳۰۱ھ میں جب وہ اپنے خسر کے پاس لدھیانہ پہنچے اور وہاں اپنی مجددیت کا نغمہ الاپنا شروع کیا تو بعض لوگ اس کے ہم نوا ہو گئے اور انہوں نے ایک جلسے کا اہتمام کیا اور اس جلسے کے اعلان کے سلسلے میں بعض لوگوں نے مرزا غلام احمد کی مدح و ستائش کرتے ہوئے کہا کہ جو ان پر ایمان لائے گا گویا اول مسلمین میں شمار ہو گا۔

یہ بات سن کر لدھیانہ کے ایک عالم دین مولانا عبد اللہ لدھیانویؒ اٹھے اور انہوں نے کہا کہ مرزا غلام احمد قادیانی مجدّد یا بزرگ نہیں بلکہ وہ انتہا درجہ کا ملحد اور زندیق ہے۔ اس کے جواب میں مرزا غلام احمد قادیانی کے حامیوں نے کہا کہ تم مرزا غلام احمد قادیانی کی شہرت سن کر حسد میں مبتلا ہو گئے ہو۔

بہر حال دوسرے دن مرزا غلام احمد قادیانی لدھیانہ جلسہ کے لیے آیا تو لدھیانہ کے علماء کرام نے اس کی کتابوں سے کفریہ کلمات اور عقائد کو جمع کر کے اس کی روشنی میں کفر کا فتویٰ صادر کیا۔ ان

کے فتویٰ کی ابتدائی طور پر کافی مخالفت ہوئی کیونکہ مرزاغلام احمد قادیانی مناظرِ اسلام کی حیثیت سے اعلیٰ شہرت پاچکا تھااور اس کے عقائد لوگوں کے سامنے پوری طرح نہیں آئے تھے۔

بہر حال علماء لدھیانہ اپنے موقف پر مضبوطی کے ساتھ ڈٹے رہے اور اپنے فتویٰ کی تصدیق کے لیے دارالعلوم دیوبند گئے جس پر مولانا محمد یعقوب مہتم دارالعلوم دیوبند نے حسب ذیل فتویٰ جاری کیا:

"یہ شخص میری دانست میں لامذہب معلوم ہوتا ہے۔ اس شخص نے اہل اللہ کی محبت میں رہ کر فیض باطنی حاصل نہیں کیا۔ اس کے الہامات اولیاء اللہ کے الہامات سے کچھ مناسبت نہیں رکھتے۔"

ادھر وقت کے عظیم صوفی بزرگ مولانا شاہ عبدالرحیمؒ نے اپنے روحانی وجدان سے واضح طور پر فرمادیا:

"اس شخص کا بے دین ہونا ظاہر ہے۔ اس کے بارے میں متذبذب رکھنے والے علماء جلد ہی اس کو کافر قرار دیں گے۔"

چنانچہ مولانا شاہ عبدالرحیمؒ کی پیش گوئی کے بعد جلد ہی تمام علماء کرام نے متفقہ طور پر مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے پیروکاروں کو کافر اور خارج از اسلام قرار دیا۔

مرزاغلام احمد قادیانی کے عقائد علماء حرمین شریفین کو بھیجے گئے تو مکہ معظّمہ کے رئیس القضاۃ شیخ عبداللہ بن حسین نے درج ذیل فتویٰ جاری کیا:

"مدّعی نبوّت کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔ جو قادیانی کے دعویٰ کی تصدیق کرے یا اس کی متابعت کرے وہ بھی مدّعی نبوت کی طرح کافر ہے۔ اہل اسلام سے اس کا رشتہ نکاح و بیاہ نہیں۔"

فہرست مضامین

مقدمہ

بعد الحمد والصلوۃ مسکین محمد بن مولانا مولوی عبد القادر صاحب لودھیانوی بیچ خدمت اہل اسلام کے عرض رساں ہے کہ احوال فرخ مآل اپنے خاندان کا بطور اختصار بیان کرتا ہوں۔ اصلی مسکن ہمارے جد امجد اعنی حافظ عبدالوارث کا موضع نوکہروال ضلع جالندھر میں تھا۔ حکیم اور حافظ تھے۔ مولوی عبداللہ صاحب وانگوی جو اپنے وقت کے زبردست عالم اور ولی مشہور تھے۔ صدہا ان سے فیض پاکر علم ظاہر اور باطن کے پیشوا ہوگئے۔ خوردسالی میں قرآن شریف اڑھائی ماہ میں حفظ کرلیا تھا۔ قصیدہ بردہ شریف جس کے اشعار عربی زبان میں دو سو سے زیادہ ہیں دو دفعہ سننے سے تیسری دفعہ یاد سنایا۔ آپ کی کرامات بے شمار ہیں۔ انتقال کے بعد جب ان کو بسبب لحد میں پانی جانے کے قبر سے بعد چالیس دن کے نکالا تو کل جسم آپ کا زندوں کی طرح نرم پایا۔ ناخن اور بال بڑھے ہوئے تھے۔

آپ نے علم ظاہری مولانا مولوی جان محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا اور فیض باطن میں آپ حاجی لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے (جو مرزا جان جاناںؒ کے مرید تھے) بیعت کرکے کمال حاصل کیا۔ آپ کی صاحبزادی سے ہمارے جدّ امجد مذکور کا نکاح ہوا۔ ان سے دو فرزند ہوئے:

ایک عمویم میاں غلام نبی صاحب جن کے تین فرزند ہوئے۔ ایک میاں جی کریم بخش جو حکیم اور مدرس تھے۔ دوسرے میاں جی عبداللہ، جو علم فقہ میں کمال رکھتے تھے۔ تیسرے مولوی اسماعیل صاحب جو دیندار عالم تھے۔

دوسرے مولانا مولوی عبدالقادر صاحب ہمارے والد تھے۔ آپ کے چار فرزند باقی رہے۔ پہلے مولوی سیف الرحمن صاحب، جو مولوی محمد آفاق کے والد تھے۔ دوسرے راقم الحروف اعنی محمد۔ میرا ایک بیٹا حافظ زکریا ہے۔ جس نے بعد تحصیل علوم کے کچھ اوپر تین ماہ کے اندر قرآن شریف حفظ

کر کے ستائیسوں شب رمضان کو ایک رکعت میں کچھ اوپر چھ گھنٹے کے اندر سنا دیا۔

تیسرا فرزند آپ کا مولوی عبداللہ صاحب مرحوم تھے۔ جن کی ہمت مردانہ سے فرقہائے باطلہ خصوصاً غیر مقلدین اور نیچری اور قادیانی از حد خوفزدہ تھے۔ ان کے چھ بیٹے ہیں:

ایک عبدالقادر ہے جو تحصیل علوم میں قدرے ساعی ہے۔ دوسرے حافظ محمد یحییٰ جو علوم عربیہ میں بھی اس کو ملکہ ہے اور قرآن کا حافظ بھی ہے۔ عبادات کی طرف اس کو بہت رغبت ہے۔ تیسرا مولوی محمد رمضان جو اس نے علوم عربیہ میں پورا ملکہ حاصل کیا ہے۔ اور چہارم عبدالرحمن جو ہدایہ وغیرہ پڑھ رہا ہے۔ پنجم ولی اللہ اور ششم محمد نعیم جو قرآن کے حفظ کرنے میں کوشش کر رہے ہیں۔

چوتھا فرزند آپ کا مولوی عبدالعزیز صاحب ہیں۔ جو اس دیار میں علوم ظاہری اور باطنی میں از حد مشہور ہیں۔ ان کے دو فرزند ہیں: ایک مولوی محمد اسحاق اور دوسرا عبدالرشید جو حافظ قرآن ہے۔ اور علوم عربیہ کی تحصیل میں ساعی ہے۔

چونکہ ہمارے والد صاحب ہمہ تن امورِ دینیہ میں مصروف رہے جس کا ثمرہ یہ ہوا کہ اب تک ان کی اولاد میں سے کسی نے انگریزی ملازمت کی خواہش نہیں کی۔ سنا گیا ہے کہ ایام طفولیت میں آپ کو پاوے کے پاس واسطے تعلیم کے سپرد کیا گیا۔ وہاں آپ کو کہا گیا کہ یوں کہا کرو! پاوا جی کے پیریں پو! یعنی اپنے استاد کے سر پر پاؤں کو رکھو۔ آپ نے بس اس لفظ کو زبوں جان کر دوبارہ اس کے پاس نہ گئے۔ طالب علمی کی حالت میں ایک دفعہ آپ جے پور سے دہلی آئے۔ کسی نے روٹی نہیں دی اور نہ آپ نے کسی سے طلب کی۔ کئی دن بعد دہلی میں آکر کھانا کھایا۔

ایک دفعہ بریلی کے قاضی نے آپ سے التجاء کی کہ آپ سو روپے مشاہرہ پر میرے لڑکے کو پڑھایا کرو۔ آپ نے وعظ میں رشوت کی تردید کر کے قاضی کو فرمایا! آپ کے یہاں رشوت کا روپیہ آتا ہے۔ اگر ہم نے آپ کی نوکری اختیار کر لی تو حرام کی تاثیر ہمارے رگ و ریشہ میں ہو جائے گی۔ تو پھر ہم اپنی باقی عمر کس طرح گزاریں گے۔ جب یہ خبر آپ کے استاد آخون عبدالرحمن صاحب کو (جو بڑے زبردست عالم بحر العلوم کے شاگرد تھے۔ جن سے مفتی شرف الدین رامپوری جو اسی علموں کو بلا مطالعہ

پڑھانے کا دعوی رکھتے تھے، خوف کھاتے تھے۔) پہنچی۔ فرمانے لگے: علم اسی کا نام ہے۔ ہم لوگ تو مثل گدھے کے کتابوں سے لدے ہوئے ہیں۔

ایک دفعہ آپ کے استاد نے مغرب کے وقت مجمع میں آپ کو امام بنایا۔ آپ نے سورہ واقعہ درد آمیز آواز سے جو پڑھنی شروع کی۔ آپ کے استاد نماز میں باآواز بلند زار زار روتے رہے۔ فرمانے لگے میں ولایتی سخت آدمی ہوں۔ میں نے ایک آنسو چشم سے نہیں نکالا لیکن آج اس شخص کے پڑھنے سے ایسا متاثر ہوا گویا حشر قیامت برپا ہے۔ اور جو کچھ اس سورۃ میں بیان ہے۔ سب کچھ میرے روبرو گزر رہا ہے۔ ایک دفعہ آپ نہنک خان قوم افغان کا (جو موضع کوٹلہ متّصل روپڑ رہتا تھا) خلاف شرع حال سن کر گئے۔ جب کھانا آیا تو فرمایا۔ اول آپ دعوتِ خدا اور رسول ﷺ قبول کرو۔ بعد میں ہم تمھاری دعوت قبول کریں۔ نہنک خان نے کہا کہ شاہ عبدالعزیزؒ اور بڑے بڑے واعظوں کے وعظ سنے۔ آپ کھانا کھائیں۔ آپ نے جوش میں آکر خان صاحب مذکور کو وعظ کرنی شروع کی۔ فوراً متاثر ہو کر تائب ہوا۔ کچھ زمیں انعام میں آپ کو دینے لگا۔ آپ نے انکار کیا۔ اور شاہ زمان کابلی سے فہمائش کر کے ایک لڑکی کا نکاح کروادیا۔ اور خود شاہ زمان نے مسجد میں آکر نماز پڑھنی شروع کر دی۔ بلکہ چالیس روز تک پنج وقتہ خود شاہ زمان نے اذان دی۔

ایک دفعہ ڈپٹی کمشنر لدھیانہ نے آپ کو واسطے تفتیش مقدمہ مولدل کے طلب کیا۔ آپ نے اثناء گفتگو میں بیان کیا کہ بعض انبیاء اور اولیاء پر سکر کی حالت غالب ہوتی ہے۔ ان سے خرق عادات زیادہ صادر ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ، حضرت علیؓ اور حضرت پیران پیرؒ پر یہ حالت غالب تھی۔ اس واسطے ان حضرات سے معجزات و کرامات زیادہ سرزد ہوئے۔ جس کی باعث غلو محبت میں آکر عیسائی عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہہ کر گمراہ ہوئے۔ اہل تشیع اور بدعتی لوگ زیادہ محبت میں آکر راہِ امت چھوڑ کر گمراہی میں پڑے۔

حصہ اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد الحمد والصلوۃ خادم الطلباء محمد بن مولانا مولوی عبد القادر صاحب مرحوم لدھیانوی بیچ خدمت اہل اسلام کے عرض کرتا ہے کہ جو فتوے ہمارے خاندان کے متفرق ہیں ان کو ایک جگہ جمع کر کے لکھا جاتا ہے۔ چونکہ یہ کل فیض ہمارے والد بزرگوار کا ہے۔ اس لیے نام اس کا فتاویٰ قادریہ رکھا۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اجر آخرت ہم کو اور اس پر عمل کرنے والوں کو عطا کرے۔

آمین یارب العالمین

تحریر در تکفیر غلام احمد قادیانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد الحمد والصلوۃ اہل اسلام کو معلوم ہو کہ اکثر جاہل اور نابلد مرزا غلام احمد قادیانی ملحد کو عیسیٰ مسیح گمان کرتے ہیں اور عوام کو بہکا کر بے ایمان بناتے ہیں لہٰذا اس کے کافر اور مرتد ہونے کا حال بطورِ اختصار حیزِ تحریر میں لایا جاتا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے شہر لدھیانہ میں آکر ۱۳۰۱ ہجری میں دعویٰ کیا کہ میں مجدّد ہوں۔ عباس علی صوفی اور منشی احمد جان معہ مریدان اور مولوی محمد حسن معہ اپنے گروہ اور مولوی شاہ دین اور عبدالقادر اور مولوی نور محمد مہتمم مدرسہ حقانی وغیرہ نے اس کے دعویٰ کو تسلیم کرکے امداد پر کمر باندھی۔ (۱) منشی احمد جان نے معہ مولوی شاہ دین و عبدالقادر ایک مجمع میں جو واسطے اہتمام مدرسہ اسلامیہ کے اوپر مکان شاہزادہ صفدر جنگ صاحب کے تھا، بیان کیا کہ علی الصباح مرزا غلام احمد قادیانی صاحب اس شہر لدھیانہ میں تشریف لائیں گے۔ اور اس کی تعریف میں نہایت مبالغہ کرکے کہا کہ جو شخص اس پر ایمان لائے گا گویا وہ اوّل مسلمان ہوگا۔

مولوی عبداللہ صاحب مرحوم برادرم نے بعد کمال بردباری اور تحمل کے فرمایا اگرچہ اہل مجلس کو میرا بیان کرنا ناگوار معلوم ہوگا لیکن جو بات خدا جلّ شانہ نے اس وقت میرے دل میں ڈالی ہے، بیان کیے بغیر میری طبیعت کا اضطراب دور نہیں ہوتا۔ وہ بات یہ ہے کہ مرزا قادیانی جس کی تم تعریف بیان کررہے ہو، بے دین ہے۔ منشی احمد جان بولا کہ میں اوّل کہتا تھا کہ اس پر کوئی عالم یا صوفی حسد کرے گا۔ راقم الحروف نے مولوی عبداللہ صاحب مرحوم کو بعد برخاست ہونے جلسہ کے کہا کہ جب تک کوئی دلیل معلوم نہ ہو بلا تامّل کسی کے حق میں زبان طعن کی کھولنی مناسب نہیں۔ مولوی عبداللہ صاحب

---

(۱) بعد میں رفتہ رفتہ سب نے قادیانی کے گمراہ ہونے پر اکتفا کیا۔ صرف عبدالقادر ہی اس چاہِ ضلالت میں غرق کیا۔

نے فرمایا کہ اس وقت میں نے اپنی طبیعت کو بہت روکا لیکن آخر الامر یہ کلام جو خدا جلّ شانہٗ نے جو میرے لیے اس موقع پر سرزرد کروایا ہے، خالی اَزاِلہام نہیں۔

اس روز مولوی عبداللہ صاحب بہت پریشان خاطر رہے۔ بلکہ شام کو کھانا بھی تناول نہ کیا۔ بوقت شب دو شخصوں سے استخارہ کروایا اور آپ بھی اسی فکر میں سو گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مکان بلند پر معہ مولوی محمد صاحب و خواجہ احسن شاہ صاحب بیٹھا ہوں۔ تین آدمی دور سے دھوتی باندھے ہوئے چلے آتے معلوم ہوئے۔ جب نزدیک پہنچے تو ایک شخص جو آگے آگے آتا تھا اس نے دھوتی کو کھول کر تہبند کی طرح باندھ لیا۔ خواب ہی میں غیب سے یہ آواز آئی کہ مرزا غلام احمد قادیانی یہی ہے۔ اسی وقت خواب سے بیدار ہو گئے۔ اور دل کی پراگندگی یکلخت دور ہو گئی۔ اور یقین کلی حاصل ہوا کہ یہ شخص پیرایۂ اسلام میں لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ موافق تعبیر خواب کے دوسرے دن قادیانی معہ دو ہندوؤں کے لدھیانہ میں آیا۔ استخارہ کنندگان میں سے ایک کو معلوم ہوا کہ یہ شخص بے علم اور دوسرے شخص نے خواب میں مرزا کو اس طرح دیکھا کہ ایک عورت برہنہ تن کو اپنی گود میں لے کر اس کے بدن پر ہاتھ پھیر رہا ہے۔ جس کی تعبیر یہ ہے کہ مرزا دنیا جمع کرنے کے درپے ہے، دین کی کچھ پرواہ نہیں۔

فی الواقع ان دونوں خوابوں کی صداقت میں بھی کچھ شک نہیں۔ مرزا کو سوائے انشا پردازی کے اور کچھ نہیں آتا۔ خصوصاً علومِ دینیہ سے بالکل بے بہرہ ہے۔ ورنہ براہین احمدیہ کو قبل از تصنیف بلا تعین ضخامت کیوں فروخت کر کے مال حرام کو اپنے کھانے پینے میں صَرف کرتا۔ کیونکہ ایسی بیع شرعاً ناجائز ہے۔ پس جو لوگ اس کتاب کی تشییع میں عالم کہلا کر مثل عبدالقادر وغیرہ کے ساعی رہے ہیں، کمال درجہ کے نادان اور جاہل ہیں۔

اور قادیانی کا صرف حطامِ دنیا جمع کرنے کا مدِّ نظر ہونا بھی اسی کتاب کے فروخت کرنے سے ظاہر ہے۔ کیونکہ تین چار حصہ کتاب مذکور کے چند اجزاء میں طبع کرا کے جو فی الواقع دو تین روپیہ کی مالیت ہے، دس دس اور پچیس پچیس روپیہ بایں وعدہ لوگوں سے مرزا اور اس کے دلّال عبدالقادر نے وصول کیے ہیں کہ یہ کتاب بہت بڑی بنے گی۔ اور باقی جلدیں طبع ہو کر وقتاً فوقتاً ہر خریدار کو پہنچتی رہیں

گی۔ جب لوگوں سے روپیہ دام دے کر وصول کر چکے تو باقی کتاب کا طبع کرانا یکلخت موقوف کر دیا۔ کیونکہ اس میں کوئی صورت منافع کی نہیں۔ یعنی جس قدر مطبوع ہوگی، جن سے پہلے روپیہ حاصل کر چکے ہیں ان کو بلا قیمت دینی پڑے گی۔ لہٰذا اس کے بقیہ کو ہم آشیانۂ عنقاء کرنا مناسب سمجھ کے نئ نئ تالیفات شائع کر کے روپیہ جمع کرنا شروع کیا۔

جس روز قادیانی شہر لدھیانہ میں وارد ہوا تھا راقم الحروف اعنی محمد و مولوی عبداللہ صاحب و مولوی اسماعیل صاحب نے براہین کو دیکھا تو اس میں کلماتِ کفریہ انبار در انبار پائے۔ اور لوگوں کو قبل از دوپہر اطلاع کر دی گئی کہ یہ شخص مجدّد نہیں بلکہ زندیق اور ملحد ہے۔

بر عکس نہند نام زنگی کافور

اور گرد و نواح کے شہروں میں فتوے لکھ کر روانہ کیے گئے کہ یہ شخص مرتد ہے، اس کی کتاب کو کوئی خرید نہ کرے۔ اس موقع پر اکثر نے تکفیر کی رائے کو تسلیم نہ کیا۔ بلکہ مولوی رشید احمد گنگوہیؒ صاحب نے ہماری تحریر کی تردید میں ایک طومار لکھ کر ہمارے پاس روانہ کیا۔ اور قادیانی کو مرد صالح قرار دیا اور ایک نقل اس کی مولوی شاہ دین و مولوی عبدالقادر کے مریدوں کے پاس روانہ کی۔ چنانچہ مولوی شاہ دین نے بر سر بازار روبرو مریدان منشی احمد جان ومتبعان قادیانی یہ کہہ کر کہ مولوی رشید احمد صاحبؒ نے مولوی صاحبان کی تردید میں یہ تحریر ارسال فرمائی ہے۔ پھر اس کے اٹکل پچو معنیٰ کر کے اس کو خوب سنایا۔

مولوی عبدالعزیز صاحب نے اس تحریر کی بروز جمعہ وعظ میں خوب دھجیاں اڑائیں۔ مولوی عبداللہ صاحب کو اس تحریر کا حال سن کر نہایت فکر ہوا کہ مولوی رشید احمد صاحب نے ایسے مرتد کو مرد صالح کیسے لکھ دیا۔ جناب باری میں دعا کر کے سو گئے۔ خواب میں معلوم ہوا کہ تیسری شب کا چاند بد شکل ہو کر لٹک پڑا۔ غیب سے آواز آئی کہ رشید احمد یہی ہے۔ اسی روز سے اکثر فتوے ان کے غلط مناقض یکے بار دیگرے حیز وجود میں آنے لگے اور اس تحریر کی راقم الحروف نے یہ تردید لکھی۔ یظھر هذا من العدم.

انطباق العنوانین علی المعنونین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوۃ بمکرمی و معظمی مولوی رشید احمد صاحب دام فیضہ ! بعد سلام مسنون الاسلام معروض آنکہ نوازش نامہ آپ کا در باب تعدیل صاحب براہین احمدیہ بجواب تحریر ایں جانب پہنچا۔ چونکہ اکثر اقوال جناب کے میری سمجھ میں نہیں آئے اور نیز سکوت بحکم "الساکت عن الحق شیطان أخرس" (حق بات سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔) نہیں کر سکتا۔ لہٰذا یہ عرض ہے کہ میرے خدشات کے جوابات تحریر فرمادیں یا بموجب "انظر إلی ما قال ولا تنظر إلی من قال" (اس بات کو دیکھو جو کہنے والا کہہ رہا ہے، کہنے والے کو مت دیکھو۔) خدشات مذکورۃ الذیل کو مقالاتِ حقہ قرار دیں۔

ربنا افتح بيننا وبين قومنا بالحق وانت خير الفاتحين.

قال:

اگرچہ بعض اقوال میں در بادی الرائے خدشہ ہوتا ہے مگر تھوڑی سی تاویل سے اس کی تصحیح ممکن ہے۔ لہٰذا آپ جیسے اہل علم سے بہت تعجب ہوا کہ آپ نے ایسے امرِ متبادر معنیٰ کو دیکھ کر تکفیر وارتداد کا حکم فرمایا۔ اگر تاویل قلیل فرماکر اس کو خارج اسلام سے نہ کرتے تو کیا حرج تھا۔

اقول:

وباللہ التوفیق ! توقّف کرنا علماء کا ایسے مقام میں عوام کو گمراہی میں ڈالنا ہے۔ کیونکہ تاویل کا وہ نام تک نہیں جانتے۔ دیکھیے علماءِ اہل شرع نے اسی جہت سے منصور کو مروا ڈالا۔ ورنہ اس سے ایسا کلمہ نہیں صادر ہوا جو قابل تاویل نہ ہو۔ لہٰذا آپ جیسے اہل فضل سے تعجب ہوا کہ جو کلمات صرف کفریہ ہیں

ان کی تاویلات کے درپے ہوئے۔ بے دیدہ ودانستہ اس کو صالح مسلمان قرار دے کر عوام کو گمراہی میں ڈال دیا۔ دیکھیے صاحب طریقہ محمدیہ کیا لکھتے ہیں:

ما يدعيه بعض المتصوفة في زماننا إذا أنكر بعض أمورهم المخالف للشرع أن حرمة ذلك في العلم الظاهر وإنا أصحاب العلم الباطن وإنه حلال وإنكم تاخذون من الكتاب وإنا نأخذ من صاحبه محمد عليه الصلوة والسلام فإذا أشكل علينا مسئلة استفتيناها فإن حصل قناعة فبها وإلا راجعنا إلى الله تعاليٰ فنأخذ منه، ونحو ذلك من الترهات كله إلحاد وضلال وازدراء للشريعة الحنيفية وعدم الاعتماد عليها العياذ بالله تعاليٰ من ذلك، فالواجب عليٰ كل من سمع مثل هذه الأقاويل الباطلة الإنكار على قائله والجزم ببطلان مقاله بلا شك ولا تردد ولا توقف ولا تلبث وإلا فهو من جملتهم يحكم عليه بالزندقة.

قال:

تکفیر مسلم کی ایسا سہل امر نہیں کہ اسی طرح ذرا سی بات پر جھٹ پٹ کافر کہہ دیا جاوے۔ خیال فرماویں کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں۔ مشکوۃ شریف کی کتاب الایمان میں ہے:

ثلاث من أصل الإيمان: الكف عمن قال لا إله إلا الله ولا نكفره بذنب ولا نخرجه من الإسلام بعمل. (مشكاة المصابيح: باب الكبائر: ٥٩)

دوسری حدیث ہے کہ جو کوئی تکفیر مسلمان کی کرتا ہے تو دونوں میں سے ایک ٹھکانا لیتا ہے۔

اقول:

وباللہ التوفیق! ظاہر معنیٰ اس حدیث کے اگرچہ آپ کے کلام کے مؤید ہیں لیکن وہ معنیٰ ہرگز کسی محدّث نے مراد نہیں لیے۔ ورنہ جو کفار موحّد ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکاری ہیں

کافر نہ ہوئے اور اسی طرح جو لوگ مدّعی اسلام اولیاء اللہ کو حاضر ناضر اور قبروں کو سجدہ کرنا اپنے اعتقاد میں درست جانتے ہیں کافر نہ ہوئے۔ اور نیز جہاد خلیفۂ اوّل کا منکرین زکوٰۃ پر باتفاق صحابہ اس تعمیم کو اٹھاتا ہے۔ غرض آیات اور احادیث اسی کی تعمیم کو دور کرنے والی بکثرت ہیں۔ آپ کو یاد دلانا گویا لقمان کو حکمت سکھانا ہے۔ سو مولانا صاحب اسلام ایسی شئ ہے کہ ذرا سی بات کی بات میں انکار کرنے سے باقی نہیں رہتا۔ جو شخص پردۂ الہام اور مجدّدیت میں پیغمبروں سے بڑھ کر برملا دعویٰ کر رہا ہے اور صدہا آیاتِ قطعیّات کو اس ضمن میں پسِ پشت ڈال رہا ہے، کیونکر کافر نہ ہو۔

قال:

اور صاحب مذہب سے منقول ہے کہ ”لا تكفّر أحدا من أهل القبلة“ کہ جس کے باعث علماء نے تکفیرِ معتزلہ وغیرہ سے اجتناب کیا ہے۔ اگرچہ ہفواتِ معتزلہ آپ کو معلوم ہیں کہ کس درجہ کے ہیں۔ علیٰ ہذا شیعہ کی تکفیر میں اکثر کو تردّد ہے۔

اقول:

وباللہ التوفیق! معنیٰ اس کلام کے یہ ہیں کہ جب تک اہل قبلہ سے کوئی موجباتِ کفر ثابت نہ ہو تب تک اس کی تکفیر کرنی درست نہیں۔ خود صاحب مذہب اپنی کتاب فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

> لَا نكفر مُسلما بذنب من الذّنُوب وإن كَانَت كَبِيرَة إذا لم يستحلها. انتهيٰ بلفظه (الفقه الأكبر: ص ٤٣)

ملا علی قاریؒ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

> إن المراد بعدم تكفير أحد من أهل القبلة عند أهل السنة والجماعة أنه لا نكفر ما لم نجد شيئا من أمارات الكفر وعلاماته ولم يصدر شيئ من موجباته. انتهيٰ

اس واسطے اہل اسلام نے فرقہ ہائے اہل ہوا کو جو ضروریاتِ دین کے منکر ہیں برملا کافر کہا ہے۔ صاحب مواقف بعد نقل اقوال اہل ہوا معتزلہ، شیعہ، خوارج وغیرہ کی تکفیر اور تضلیل ان کے اہل سنت والجماعت سے بلا خلاف صاف صاف نقل کرتا ہے:

قال في المواقف ناقلا بعض المعتزلة: الناس قادرون على مثل القرآن وأحسن نظما وبلاغة ولا دلالة في القرآن على حلال وحرام وللعالم الهان: قديم ومحدث، هو المسيح الذي يحاسب الناس في الآخرة، واليهود والنصاريٰ والمجوس والزنادقة يصيرون في الآخرة ترابا لايدخلون جنة ولا نارا.

وعن بعض الشيعة: إنه كفر الصحابة بترك بيعة علي وكفر علي بترك طلب الحق. وقال بالتناسخ: لله تعالي جسم في صورة الانسان بل رجل من نور على رأسه تاج من نور، كان روح الله في آدم ثم في شيث ثم في الأنبياء والائمة حتى انتهت إلى علي وأولاده الثلاثة ثم إلى عبد الله، والائمة أنبياء وأبو طالب نبي، ففرض طاعته والجنة نعيم الدنيا والنار آلامها والدنيا لا يفني واستباحوا المحرمات وتركوا الفرائض. وعن بعض الخوارج: كفر علي بالتحكيم وابن ملجم محق في قتله.

وعن بعضهم: استبعث من المعجم كتاب يكتب في السماء وينزل عليه جملة واحدة، وعن بعض المرجئة: الإيمان هو معرفة بالله ورسله بما جاء من عند الله إجمالا لا تفصيلا. قد فرض الله الحج ولا أدري أين الكعبة ولعلّها بغير مكة، وبعث محمدا ولا أدري أهو الذي بالمدينة أم غيره، وحرم الخنزير ولا أدري أهو هذه الشاة أم غيرها، وغسان كان يحكيه عن أبي حنيفة ويعدّه من المرجئة وهو افتراء عليه.

وقال بعد ذكر الفرق الضالة عند اختتام عقائد أهل السنة والجماعة: لايكفر أحد من أهل القبلة إلا بما فيه نفي الصانع القادر العالم أو شرك أو انكاره النبوة أو انكار ما علم مجيئه عليه

الصلوة والسلام به ضرورة أو إنكار المجمع عليه كاستحلال المحرمات. وأما ما عداه فالقائل به مبتدع غير كافر. وللفقهاء في معاملتهم خلاف هو خارج عن بحثنا هذا. انتهيٰ ملخصا

اب آپ نظر غور سے فرمائیے کہ ہم ان فرقہ ہائے مذکورۃ الصدر کو صرف آپ کے مقلد ہو کر کافر نہ کہیں؟ یہ آپ ہی کا منصب ہے کہ جو اہل قبلہ قرآن کے اعجاز کا قائل نہ ہو اور دو خدا ہونے کا اور کل صحابہ کے کفر کا اور ابو طالب کی پیغمبری کا اور کتاب مجسم اپنے اوپر نازل ہونے کا اور ترکِ عبادات اور ارتکاب محرّمات کو مضر نہ سمجھنے کا قائل ہو، اس کو مسلمان قرار دینا۔ كبرت كلمة تخرج من افواههم!

قال:

کون سا قول صاحب براہین احمدیہ کا ہے جو معتزلہ اور روافض کے کسی عقیدہ کے اور قول کے برابر بھی ہو اور تاویل صحت کی قبول نہ کر سکے۔ کہ جس پر آپ نے قائل پر ارتداد کا فتویٰ دے دیا۔

اقول:

وباللہ التوفیق! "الأرض والسماء معك كما معي، خلقت لك ليلا ونهارا" وغیرہ چند اقوال اس کے اس قبیل کے ہیں کہ تاویل صحت کی اس کو ہرگز قبول نہیں کر سکتی۔ اور نیز ورقہ دوم جلد ثالث کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس شخص نے آیاتِ قطعیات سے قطعی طور پر انکار ظاہر کیا ہے۔ البتہ اگر قرامطہ کی طرح دروازہ تاویلات کا کھولا جائے جیسا کہ شارح مواقف نے نقل کیا ہے:

حيث قال تحت قول المصنف وتأويل الشرائع كقولهم: الوضوء عبارة من موالاة الإمام والتيمم هو الأخذ من الماذون عند غيبة الإمام الذي هو الحجة والصلاة عبارة عن الناطق الذي هو الرسول بدليل قوله تعالي: الصلوة تنهي عن الفحشاء والمنكر. والاحتلام عن إفشاء السر والغسل عن تجديد العهد والزكاة تزكية النفس والكعبة النبي والباب عليّ إلى غير ذلك من خرافاتهم.

انتھیٰ

توکوئی کلمہ کسی اہل ردّہ کا کفر کیا، گناہ بھی نہیں بن سکے گا۔

قال:

مولانا بلکہ اس کے معتقدین کو بھی کافر کہہ دیا اگرچہ وہ لوگ فقط تائید مذہب اسلام کے معتقد ہیں۔

اقول:

وباللہ التوفیق! ذرا غور کرنے کا مقام ہے کہ کلماتِ کفریہ نقل کرنے کے بعد ان کے قائل اور معتقدین کو کافر کہنے سے یہ مراد لینی کہ اس کو ممد اسلام سمجھتے ہیں اور اس کے ان کلمات پر اعتقاد نہیں رکھتے وہ بھی کافر ہیں، آپ جیسے باذوق سے کمال بعید ہے۔

قال:

مولانا! اس صورت میں آپ کی تکفیر سے شاید کوئی اوّلین آخرین لوگ نجات نہ پاویں۔ جب علماءِ متکلّمین تکفیر معتزلہ کی نہیں کرتے اور خلق ان کی معتقد ہے۔

اقول:

وباللہ التوفیق! تحقیق ماتقدّم سے صاف ظاہر ہے کہ علماءِ متکلّمین تکفیر فرقہائے ضالّہ کی جو ضروریاتِ دین سے منکر ہیں برابر کرتے چلے آئے ہیں اور کر رہے ہیں۔ صرف آپ کے نزدیک فرقہائے مقدمۃ الذکر سب کے سب دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہیں۔إن هذا إلا اختلاق

قال:

مولانا! علماء محققین نے ان کلماتِ کفریہ میں جو اہل فتاویٰ نے کفریہ نقل کیے ہیں، بھی تامّل در باب تکفیر کیا ہے۔

اقول:

وباللہ التوفیق! بلکہ محققین نے تکفیر کو پایۂ تحقیق تک پہنچا کر غیر محقق کو تامّل کا حکم فرمایا ہے۔ دیکھیے محقق دوانی شرح عقائد جلالی میں کیا لکھتے ہیں:

حيث قال: لايكفر أحد من أهل القبلة إلا بما علم فيه نفي الصانع القادر المختار أو شرك أو انكار النبوة أو انكار ما علم مجيء محمد ﷺ به ضرورة أو انكار أمر مجمع عليه قطعا. اه

فإن قلت: نحن نري الفقهاء يكفّرون بكلمات ليس فيها شيئ من الأمور التي عدّها المصنف من موجبات الكفر، كما ذكروا في باب الردّة أنه لو قال شخص: إني أري الله في الدنيا يكلمني شفاها كفر.

قلت: حكمهم بالردة في الكلمات مبني على أنه يفهم منه أحد الأمور المذكورة والظاهر أنّ التكفير في المسئلة المذكورة بناء على دعوي المكالمة، فإنها منصب النبوة بل أعلي مراتبها. وفيه مخالفة ما هو من ضروريات الدين، وهو أنه ﷺ خاتم النبيين عليه وعليهم أفضل صلوات المصلّين. وقس عليه البواقي من الكلمات و تأمّل فيها ليظهر لك إشعارها بأحد الأمور التي فصّلها المصنف غفر ذنوبه. انتهيٰ ملخصا

حاصل ترجمہ اس عبارت کا یہ ہے کہ اگر کوئی فقہاء پر یہ اعتراض کرے کہ بعض کلماتِ کفریہ جو فتاویٰ میں درج ہیں، کوئی وجہ کفر کی ان میں جو علماء متکلّمین نے لکھی ہیں پائی نہیں جاتی۔ جیسا کہ لکھا ہے کہ جو شخص کہے کہ میں نے خدا کو ظاہر دنیا میں دیکھا ہے اور میں نے اس سے کلام کی ہے، کافر ہو جاتا ہے۔ تو اس کا کیا جواب ہے؟

محقق دوانی اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ قصور تمھاری سمجھ کا ہے۔ دیکھو خدا تعالیٰ سے کلام کرنے کا دنیا میں روبرو ہو کر کا دعویٰ کرنا اعلیٰ درجہ پیغمبری کا دعویٰ ہے۔ جس سے آنحضرت ﷺ کا خاتم النبیین ہونا جو نص قرآن سے ثابت ہے، باطل ہوتا ہے اسی طرح بعض کلمات کا حال ہے۔

قال:

مولانا!

روي الطحاوي عن أصحابنا: لا يخرج الرجل من الإيمان إلا جهودنا أدخله فيه ثم ما يتيقن أنه ردة يحكم بها وما يشك أنه ردة لايحكم بها. اه

اقول:

وباللہ التوفیق! اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ جس کلمہ کے معانی میں تردّد پیدا ہو یعنی مفتی کو یہ معلوم نہ ہو کہ قائل کی کیا مراد ہے ایسے مقام میں فتویٰ کفر کا دینا درست نہیں۔ لیکن جو کلمہ اوپر مراد قائل کے محکم ہو، وہ ہرگز ماوّل نہیں بن سکتا۔ آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر آیت "وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين" حضرت کی شان میں محکم ہے تو قادیانی ماصدق علیہ اس آیت کا کیونکر ہو سکتا ہے۔ اگر ایسے نصوصِ قطعیہ کو بزور تاویل کلیہ ٹھہرایا جاوے تو آنحضرت ﷺ کی خاتمیت تو در کنار ہے نبوت کا ثبوت دینا اہل اسلام کو متعذر بلکہ محال ہو جاوے گا۔

قال:

سوادِ ملت کا اتفاق ترادفِ وحی والہام پر۔ صاحب قاموس وحی کا ترجمہ الہام سے کرتا ہے۔ اور بیضاوی وغیرہ نے وأوحينا إلى أم موسي کی تفسیر میں ألهمنا فرمایا ہے۔

اقول:

وباللہ التوفیق! اصل عبارت کو آپ نے نقل نہیں کیا۔ وہ یہ ہے: ”سوادِ اعظم علماء کا الہام کو مرادف وحی قرار دینے میں متفق ہیں۔“ سو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے وحی اور الہام کو باعتبار اصطلاح علماء مرادف قرار دیا ہے۔ چنانچہ خود اس نے اسی مقام میں صراحتاً لکھا ہے۔ اور کس سے سن لیا ہے کہ لفظ الہام کے کتب دینیہ میں وہی معنیٰ کرنے چاہییں کہ جو کتب لغت میں مندرج ہیں؟ جبکہ سواد الی آخرہ حالانکہ سراسر غلط ہے۔ دیکھیے امام غزالیؒ کیا فرماتے ہیں:

قال في الإحياء: ثم الواقع في القلب بغير حيلة وتعلم واجتهاد من

العبد ينقسم إلى ما لا يدري العبد أنه كيف حصل له ومن أين حصل وإلى ما يطلع معه على السبب الذي منه استفاد ذلك العلم وهو مشاهدة الملك الملقى في القلب. والأول يسمى إلهاماً والثاني وحيا يختص به الأنبياء والأول يختص به الأولياء والأصفياء. انتهيٰ ملخصا (إحياء علوم الدين: ۳/ ۱۸)

صاحب قاموس نے وحی کا ترجمہ صرف الہام سے نہیں کیا بلکہ الہام کو سلک معانی وحی میں منسلک کیا ہے۔

حيث قال: الوحي الإشارة والكتابة والمكتوب والرسالة والإلهام والكلام الملقي. اه

اگر اسی کا نام ترادف ہے تو اشارہ اور کتابت وغیرہ بھی مثل الہام کے مرادف ہوئے۔ إن هذا إلا عُجاب! بیضاوی وغیرہ کا أوحينا إلى أم موسي کی تفسیر میں ألهمنا دال اوپر ترادف کے نہیں، بلکہ اس امر پر دال ہے کہ اس مقام میں وحی اپنے معنیٰ متعارف میں مستعمل نہیں۔ دیکھیے صاحب بیضاوی وحی متعارف کو مقابل الہام کے آیت وما كان لبشر أن يكلمه الله الا وحيا کی تفسیر میں قرار دیتا ہے۔ حيث قال: المراد به إلهام والإلقاء أو الوحي المنزل به الملك. انتهيٰ

قال:

ایک عجیب بات ہے خواہ مخواہ کلام کو پھول پھل لگا کر بہ تکلف کفریہ بنائی جاوے۔

اقول:

وباللہ التوفیق! مقدماتِ مسلّمہ خصم کے نتیجہ نکالنے کا نام تو پھول پھل لگانا ہرگز نہیں ہوسکتا ورنہ دلائل الزامیہ کے قیاسات کو عقیمہ سمجھنا چاہیے۔ کما تريٰ! البتہ جو شخص اصل عبارات کو چھوڑ کر اور اس کی تائید میں نقل غیر تام لا کر غلط کو بہ تکلف صحیح بنا رہا ہے بڑی جانفشانی سے، تو یہاں نقل کو بجائے اصل پھول پھل لگا رہا ہے۔

قال:

الہام کو قطعی کہنا قطعیت اس کی کے یہ معنیٰ ہیں کہ ملہم کے نزدیک جو بہت صاف طرح الہام ہوتا ہے قطعی ہوتا ہے نہ دیگر خلق کے نزدیک خلافِ وحی۔ اھ

اقول:

وباللہ التوفیق! اصل عبارت صاحب کتاب کی یہ ہے: اگر آپ کہیں کہ الہام اولیاء کا علم قطعی کا موجب نہیں تو یہ قول آپ کا صرف ایک وسوسہ ہے۔ قبل بیان الہاماتِ مصنوعہ کے قطعیت کو ثابت کرنا اور اپنے الہامات میں فاكتب وليطبع، وليرسل في الأرض، اور إني راض منك اور فإني قد غفرت لك کا بیان کرنا صاف دال ہے اس امر پر کہ اپنے الہامات کی قطعیت بہ نسبت جمیع خلق اور جنتی ہونا اس قطعی طور پر برملا ثابت کر رہا ہے۔ بلکہ ایک مقام میں اس شخص نے اس مضمون کو تصریحًا بیان کیا ہے۔ وهو هذا:

"اور اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ جو امر بذریعہ الہامِ الٰہی کسی پر نازل ہو، وہ اس کے لیے اور ہر ایک کے لیے واجب التعمیل ہے۔" انتهى ملخصا

اب آپ کی اصلاحات پر قضیہ "كيف يصلح العطار ما أفسده الدهر" کا صادق آرہا ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ در مکتوبات دو صد و نہم جلد اول می فرمایند:

در رسالہ مبدأ و معاد چند فقرہ نوشتہ است در بیانِ فضیلت انبیاء اولی العزم صلوٰۃ اللہ تعالیٰ والتسلیمات علیہم و معنیٰ فضیلت ایشاں از بعض دیگر۔ و چوں مبنیٰ آں بر کشف والہام است کہ ظنی است ازاں نوشتن و تفرقہ نمودن در فضل نادم و مستغفر است، چہ دراں باب سخن کردن جز بدلیل قطعی جائز نیست۔ أستغفر الله وأتوب إلى الله من جميع ما كره الله قولا وفعلا. انتهى

ایضا در مکتوبات چہل و یکم:

فرق در میانِ ایں دو علوم آنست کہ در وحی قطع است و در الہام ظن، زیرا کہ وحی بتوسط ملک است و ملائکہ معصوم لہذا احتمالِ خطا در ایشاں نیست والہام اگرچہ

محل عالی دارد وآں قلب است وقلب از عالم امر است۔ اما قلب را باعقل ونفس
نحوے از تعلق متحقق است ونفس ہر چند تزکیہ مطمئنہ گشتہ است:

ہر چند کہ مطمئنہ گردد ہرگز ز صفاتِ خود نہ گردد

پس خطارا آں موطن مجال پیدا شد۔ انتہیٰ

قال:

یا أحمد یتم اسمك ولا یتم اسمي تمامی کا معنیٰ انقضاء وفنائے جان لیں تو اس تاویل میں کیا حرج ہے؟ دوسری معنیٰ لے کر کیوں تکفیر کی جائے۔ کہ خدا تعالیٰ کے نام کو ناتمام لکھا اور اپنے نام کو تمام بتایا۔ کیوں یہ معنیٰ مقرر کرتے ہو۔ علیٰ ہذا القیاس سب امور جو اپنے کہتا ہے اس کو ظلال کمالات انبیاء سمجھ کر۔۔۔۔۔اھ

اقول:

وباللہ التوفیق! دوسرے معنیٰ اس واسطے لیے جاتے ہیں کہ یہ مقام در باب مدح مُلہَم (مفعول) کی ہے نہ کہ در باب مدح مُلہِم (فاعل) اور نیز آیت:

ولیتم نعمته علیك ویهدیك صراطا مستقیما.

بر تقدیر فرضیت علاقہ اصلیت وظلیت دوسرے معنیٰ کو مؤید ہے۔ اور نیز اس شخص نے دوسرے مقام میں خود ہی معنیٰ دوسرے کیے ہیں۔ دیکھیے جلد چہارم صفحہ ۵۱۷ سطر ۱۷:

یرضي عنك ربك ویتم اسمك

خدا تجھ سے راضی ہو گا اور تیرے اسم کو پورا کرے گا۔ انتہی

اب آپ انصافاً فرماویں کہ ہم باوجود فہم وعلم کے معنیٰ مدلل ومصرح کو کس طرح پس پشت ڈال کر معنیٰ اوّل اختیار کریں۔ اگر صاحب براہین آیت "تاللہ لقد أرسلنا إلی أمم من قبلك، وما رمیت إذ رمیت ولکن اللہ رمي، وما أرسلناك إلا رحمة للعالمین، اور سورة إنا اعطیناك الکوثر فصل لربك وانحر" وغیرہ کا ترجمہ حسب واقعہ یعنی ماصدق علیہ ان آیات کا آنحضرت ﷺ

کو ٹھہراتا اور ان کے القاء اور الہام کو بطور فال و شگون نیک سمجھتا تو ظلیت کی تاویل اپنے موقع پر ہوتی۔ اس شخص نے تو ہر آیت کے ترجمہ میں بالذات اپنے آپ کو ماصدق علیہ ٹھہرایا ہے۔ اگر اس کا نام ظلیت ہے تو اگر کوئی منکر اسلام مع اعانت فبهداهم اقتده، واتبع ملة ابرهيم إلى غير ذلك من الآيات خاتم النبیین کے کمالات کو ظلالِ انبیاء ماسبق قرار دے کر انکارِ نبوت کی دلیل پیش کرے تو پھر آپ کیا جواب دے سکو گے۔

شاید اگر آپ یہ جواب دیں کہ بعض کمالات پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے اس قبیل کے ہیں کہ انبیاء ماسبق میں موجود نہیں تو پھر علی تقدیر التسلیم یہ کہہ سکتا ہے کہ اس شخص کے بعض کمالات بھی اسی قسم کے ہیں کہ وہ انبیاء ماسبق اور خاتم النبیین میں نہیں پائے جاتے۔ جیسا کہ انگریزی، فارسی، عربی، اردو زبان میں الہامات کا نازل ہونا: الأرض والسماء معك كما هو معي، وخلقت لك ليلا ونهارا إلى غير ذلك مم لم يخاطب به أحد من الأنبياء فيما علم قطعية.

قال:

مولانا! بندہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ صاحب یا دیگر سب لوگ ان کے ان مقالات کو حق تصور کریں یا ان کو ایسا اعتقاد رکھو جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔ یہ مطلب ہرگز نہیں۔

۱. ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ سب افتراء کیا ہے۔
۲. یا ان کو یہ امور بطور القاءِ شیطانی پیش آئے ہوں۔
۳. یا حدیث النفس قسم کے خطرات ہوں۔
۴. یا واقعی الہامات من اللہ تعالیٰ ہوں مگر اس میں ان کی مخیلہ اور ہوا جس کا اختلاط ہو گیا ہو۔
۵. یا اختلاط نہیں ہوا مگر ان کی تاویلات کچھ اور ہوں۔
۶. یا حق ہوں اور اس کے معنیٰ درست اور صحیح ہوں کہ جس سے کوئی امر غیر مشروع مراد نہیں۔

مگر بہر حال تکفیر کسی وجہ اور شق پر جائز نہیں۔ اگر القاءِ شیطانی ہی ہوئے تاہم اس وقت تک کوئی وجہ ارتداد اور تکفیر کی نہیں پیدا ہو سکتی۔

اقول:

وباللہ التوفیق !اگرآپ کا یہ مطلب نہیں تھا توآپ نے مولوی عبدالقادر اور شاہ دین مریدوں اپنوں کوکتاب براہین کی ترویج سے کیوں مانع نہ آئے ؟اور جوآپ نے احتمالاتِ ستہ مقالات اس کے کے بیان فرمائے ہیں اگرچہ فی حد ذاتہا محتمل ہیں، لیکن جب آپ نے اس کی ولایت سے انکار ظاہر کیا تو احتمالاتِ ثلاثہ اخیر جواقسامِ الہامات سے ہیں ہرگزاس مقام میں جاری نہیں ہوسکتے اور احتمالِ اوّل واقعی تصور کیاجاوے توصاحب مقالات کے کفرپر آیت:

{وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ} [الأنعام: ۹۳]

بوجہ اکمل دلالت کررہی ہے۔ باقی احتمالِ ثانی وثالث اگرچہ فی حد ذاتہا مؤدی بہ تفسیق وتضلیل نہیں ہیں لیکن القاءِ شیطانی وشہواتِ نفسانی کوقطعیاتِ رحمانی قرار دیناکفرِ صریح اور ارتدادِ قبیح ہے۔ بہرحال کلیہ آپ کاکہ تکفیراس کی کسی وجہ اور شق میں جائزنہیں جزئیہ کے مقام سے بھی گرپڑا۔

قال:

اور فرماناکہ دعویٰ اس کاانبیاء سے بڑھ کرہے،اس عاجزکی فہم میں نہیں آتا۔

اقول:

وباللہ التوفیق!دعویٰ الأرض والسماء معك كما هو معي کاپیغمبروں سے بڑھ کرنہیں توکوئی آیت اس مضمون کی جوکسی پیغمبرکی شان میں نازل ہوئی ہوپیش کریں۔

قال:

مولانا!کسی مسلمان کی تکفیر کرکے اپنے ایمان کوداغ لگانااور مؤاخذۂ اخروی سرپرلیناسخت نادانی وحماقت ہے۔اھ

اقول:

وباللہ التوفیق!اسی طرح جوشخص اہل قبلہ ہوکرضروریاتِ دین سے انکار ظاہر کرے یااور

کلماتِ کفریہ زبان پرلائے اس کی تضلیل و تفسیق و تکفیر سے اعراض کرکے مسلمان قرار دے کر اپنے پر بارِ جہالت وضلالت لینا سخت حماقت ہے۔ اسی جہت سے علماءِ شریعت قدیم الایام سے اسی طریقہ پر چلے آئے ہیں۔ جب کسی شخص سے کوئی کلمہ شریعت سرزد ہوا اسی وقت تکفیر و تضلیل کرکے لوگوں کو بتلا دیا کرتے ہیں، کیونکہ اس میں توقف اور سکوت میں عوام اہل اسلام کے عقائد کو سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ دیکھیے منصور کو علماءِ وقت نے باوجود غلبۂ حال کے مرواڈالا۔ اگر اسی کا نام نادانی اور حماقت ہے تو کل علماء امت بموجب فرمائے آپ کے سخت نادان واحمق ہوئے۔ اب زمانہ إعجاب كل ذي رأيٍ برأيه، لعن آخر الأمة أولها کا بموجب فرمان واجب الاذعان آنحضرت ﷺ کے آ گیا۔ أعاذنا الله منه بكرمه.

قال:

یہ بندہ جیسا اس بزرگ کو کافر نہیں کہتا ان کو مجدد ولی بھی نہیں کہہ سکتا، صالح مسلمان سمجھتا ہوں۔

اقول:

وباللہ التوفیق! جب آپ نے اپنی تحقیق ماتقدم میں اس پر مفتری ہونے کا احتمال بھی جاری کرچکے ہیں تو اب اس کو صالح مسلمان کس طرح قرار دیتے ہیں۔ اگر بہ لحاظ بعض احتمال یہ صادر فرماتے ہیں تو بلحاظ بعض آخر کافر اور مجدد اور ولی کے حکم نکالنے میں آپ کو کیا تردّد ہے۔

قال:

اور ان کے ان کلمات کو اگر کوئی پوچھے تاویل اور خود اس سے اعراض وسکوت ہے۔ فقط والسلام

اقول:

وباللہ التوفیق! جو تاویلات آپ بیان کرچکے ہیں ان پر جو خدشات میرے ذہن ناقص میں آئے عرض کرچکا ہوں۔ اگر کوئی اور تاویل آپ کے ذہن میں ہے تو اس کو تحریر فرمادیں۔ اور واضح رہے کہ مقالات اس شخص کے قابل تاویل ہیں کہ جس شخص کی دیانت میں شک نہ ہو اور دنیاداروں سے اَزبس متنفر ہو۔ البتہ ایسے شخص سے اگر کوئی کلمہ احیاناً غلبۂ حال میں خلافِ شرع صادر ہو تو اس کی تاویل کے درپے ہونا اس کو معذور سمجھ کر سکوت کرنا اہل تصوف نے اختیار کیا ہے۔ اور تقلید ان کلمات کی اہل

تصوّف کے نزدیک بھی ہرگز جائز نہیں۔

امامِ ربانی مجدد الفِ ثانی صاحب جلد اوّل مکتوبات بست و سوم میں فرماتے ہیں:

وما وقع من بعض المشائخ في السكر من مدح الكفر فمصروف عن الظاهر وإنهم معذورون وغير السكاري غير معذور في تقليدهم لا عندهم ولا عند الشرع. انتهىٰ

ایضا در مکتوبات جلد ۲ نوشتہ بودند کہ:

شیخ عبدالکریم یمنی گفتہ است کہ حق سبحانہ تعالیٰ عالم الغیب نیست۔ مخدوما! فقیر را تاب استماعِ امثال ایں سخناں ہرگز نیست بے اختیار رگِ فاروقیم در حرکت می آید و فرصت تاویل و توجیہِ آں نمی دید۔ قائل آں شیخ کبیر یمنی باشد یا شیخ اکبر شامی، کلامِ محمد عربیؐ در کار است نہ کلام محی الدین عربی و صدر الدین قونوی و عبدالرزاق کاشی۔ مارا بنص باید نہ بفص، فتوحاتِ مدنیہ از فتوحاتِ مکیہ مستغنی ساختہ است۔

حق تعالیٰ در کلامِ مجید خود را بعلم غیب خود می ستاید، نفی علم غیب کردن باو سبحانہٗ بسیار مستقبح و مستکرہ است۔ وفی الحقیقت تکذیب است مر حق سبحانہ، غیب را معنیٰ دیگر گفتن از شناعت نمی بر آرد۔

كبرت كلمة تخرج من أفواههم. فيا ليت شعرى ما حملهم على التفوه بأمثال هذه الكلمات الصريحة فى خلاف الشريعة.

منصور اگر انا الحق گوید و بسطامی سبحانی معذور اند و مغلوب در غلباتِ احوال۔ امّا ایں قسم کلام مبنی بر احوال نیست۔ تعلق بعلم دارد و مستند بتاویل است۔ عبد را نمی شاید و ہیچ تاویلے دریں مقام مقبول نیست۔

فإنّ كلام السكاریٰ يحمل ويصرف عن الظاهر لا غيره.

واگر متکلّم ایں کلام مقصود از اظہارِ ایں کلام ملامت خلق داشتہ باشد و نفرت

اینہا آن نیز مستنکرہ است و مستہجن۔ از برائے تحصیل ملامت راہ ہا بسیار است،
بچہ ضرورت کسے را تا بسر حد کفر رساند۔ انتہیٰ

پس جب اہل تصوف غیر مغلوب الحال صوفی کے کلمات پر یہ تشدّد فرما رہے ہیں تو علماءِ شرع ایسے شخص کے مقالات پر جو اہل کفر اور اہل رفض کی تعریف بسبب نفع دنیاوی اس قدر کر رہا ہے کہ ان کو اپنا مخدوم اور سید اور حضرت قرار دے رہا ہے اور جو اہل اسلام اس کی کتاب کے خریدنے سے اعراض کرتے ہیں ان کی مذمت اخبار نویسوں کی طرح اپنی کتاب میں کر رہا ہے، کیونکر تشدد نہ کریں۔ آپ کی تحقیق مقتضی اس امر کی ہے کہ امام نیچر بھی معاذاللہ صالح بلکہ اصلح مسلمان قرار دیا جاوے۔ کیونکہ ہفوات اس کی عقلی طور پر ہیں۔ یعنی وہ اس شخص کی طرح اللہ تعالیٰ پر افترا نہیں کرتا کہ میرے پر یہ کلمات اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔ بہرحال اس کو صالح مسلمان قرار دینا اور اس کی کتاب کی ترویج سے مانع نہ آنا آپ کا، گویا عوام اہل اسلام کے واسطے جو تاویل کا نام تک نہیں جانتے، آپ نے گمراہ کرنے کا سامان محقق طور پر از سرِ نو پیش کیا۔ إنا الله وانا اليه راجعون!

دیکھیے صاحب در مختار نے مطالعہ کلماتِ ابن عربیؒ سے کس قدر تہدید نقل کی ہے۔ ان شاء اللہ العزیز حضرتِ احدیت میں ہم لوگ مکفرین مصنوعی پیغمبر و دجّال اور جناب گروہِ ماوّلین میں شمار کیے جاویں گے۔ و الله أعلم وعلمه أتم! فقط والسلام

رقمہ محمد لودھیانوی و عبداللہ و اسمعیل عفی عنہم

پھر اس تحریر کو ہم تینوں ساتھ لے کر جلسہ دستار بندی مدرسہ دیوبند بتاریخ ۱۲ جمادی الاول سنہ ۱۳۰۱ ہجری میں پہنچے۔ دوسرے روز مولوی رشید احمد صاحب ملاقات کے واسطے تشریف لائے۔ بعد ازاں مولوی محمد یعقوب صاحب بھی براہِ مہمان نوازی ملنے کو آئے۔ راقم الحروف نے کچھ حال قادیانی کا بطورِ اجمال زبانی بیان کیا۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا اگر بطور ظلّیت آنحضرت ﷺ اس پر ورود الہامات کا ہوتا ہے تو اس پر کیا عجب ہے؟

میں نے کہا کہ اگر اہل کتاب یہود و نصاریٰ یہ اعتراض کریں کہ جیسا قادیانی پر بسبب ظلیت

آیات قرآنی نازل ہو رہی ہیں۔ ایسے ہی تمھارے پیشوا خود مستقل پیغمبر نہیں تھے۔ بلکہ بسبب اتباع ابراہیم علیہ السلام کے ان پر قرآن بطور الہام نازل ہوا ہو گا تو پھر آپ کیا جواب دو گے۔ مولوی صاحب نے لاجواب ہو کر یہ فرمایا کہ میں اس شخص کو اپنی تحقیق میں غیر مقلد جانتا ہوں۔ اور آپ کو اس کی تکفیر سے منع نہیں کرتا، کیونکہ آپ اس کے کل حالات سے بسبب قریب الوطن ہونے کے واقف ہیں اور نیز آپ نے اس کی کتاب براہین کی ہر چہار جلد کو دیکھ لیا ہے۔

بعد ازاں ہم نے تحریر مذکورۃ الصدر کو بتاریخ ۱۴ جمادی الاول ۱۳۰۱ ہجری جلسہ کی خدمت میں بر سر عام جس میں مولوی مظہر صاحب مرحوم وغیرہ علماء وفضلاء نامدار موجود تھے، پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو جہاں تک آتا تھا آپ کی خدمت میں لکھ کر روانہ کر دیا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ جو کچھ آپ کی تحریر پر اعتراضات وارد کیے گئے ہیں ان کو ملاحظہ فرما کر جواب سے مشرف فرمادیں۔ آپ نے فرمایا مجھ کو جہاں تک علم تھا میں نے لکھ دیا تھا زیادہ اس سے مجھ کو علم نہیں۔ مولوی عبداللہ صاحب نے دوبارہ اس تحریر کو مولوی صاحب کے ہاتھ دے کر آیت وأمّا السائل فلا تنهر پڑھ کر فرمایا کہ آپ اس کا جواب عنایت فرمادیں۔ مولوی صاحب نے تحریر کو واپس دے کر فرمایا کہ ہمارے سب کے مولانا محمد یعقوب صاحب بڑے ہیں۔ اس باب میں جو ارشاد کریں مجھ کو منظور ہے۔ مولوی عبداللہ صاحب نے کھڑے ہو کر بآواز بلند فرمایا کہ جو لوگ اس مسئلہ خاص میں اپنا دین تباہ کر رہے ہیں، اس کا وبال آپ کی گردن پر ہو گا یا ہماری گردن پر۔

بعد ازاں ہم وہاں سے روانہ ہو کر مولوی محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں پہنچے۔ فوراً مولوی رشید احمد صاحب کے بڑے صاحب زادہ نے معہ گروہ کثیر جس میں چند عالم مولوی محمود حسن مدرس مراد آباد وغیرہ داخل تھے آکر شور وغل مچایا۔ مولانا یعقوب صاحبؒ نے فرمایا سب کے سب شور مت کرو صرف ایک شخص کلام کرے۔ مولوی محمود حسن صاحب نے بیان کیا کہ یہ تینوں مولوی تین روز سے پکار رہے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کافر ہے اور جو اس کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔ میں نے کہا کہ یہ امر غلط ہے۔ فریق ثانی نے کہا اب انکار کرتے ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر کہا کہ وہ کون شخص ہے

جس سے ہم نے خوف کھا کر انکار کیا۔ ہمارا اوّل سے یہ عقیدہ ہے کہ قادیانی کافر ہے اور جو شخص اس کا ہم عقیدہ ہے وہ بھی کافر ہے۔ جس کو حوصلہ گفتگو کا ہو وہ میدان گفتگو میں آکر کسی ثالث کے مکان پر بحث کر لے۔ اس مکان پر بحث کرنے کا موقع نہیں کیونکہ یہاں یہ مثل مشہور صادق آرہی ہے۔ ایک ناک والا سات ناک کٹوں کے پاس جب پہنچا فوراً سب کے سب اول ہی بول اٹھے کہ ناکو آیا۔ یہ کلام سن کر سب خاموش ہو گئے۔ کسی نے گفتگو کرنے کا نام بھی نہیں لیا۔

پھر میں نے مولوی محمد یعقوب صاحبؒ سے عرض کیا کہ جو آپ نے کل بوقت ملاقات قادیانی کے باب میں فرمایا تھا اس کو تحریر بھی کر دو گے۔ آپ نے فرمایا میں بھی لکھ دوں گا کہ اس کے الہامات اولیاء اللہ کے الہامات سے کچھ مناسبت نہیں رکھتے۔ لیکن فی الحال بسبب کاروبار جلسہ کے مجھ کو فراغت نہیں۔ دو تین روز بعد لکھ کر روانہ کر دوں گا یا آپ میری طرف سے تحریر کر لینا۔ چنانچہ مولانا صاحب نے حسب وعدہ کے ایک فتویٰ اپنے ہاتھ سے لکھ کر ہمارے پاس ڈاک میں ارسال فرمایا جس کا مضمون یہ تھا کہ:

> ”یہ شخص میری دانست میں غیر مقلد معلوم ہوتا ہے اور اس کے الہامات اولیاء اللہ کے الہامات سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے اور نیز اس شخص نے کسی اہل اللہ کی صحبت میں رہ کر فیض باطنی حاصل نہیں کیا۔ معلوم نہیں اس کو کس روح کی اویسیت ہے۔“

اور شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوری مرحوم نے بروقت ملاقات فرمایا کہ:

> ”مجھ کو بعد استخارہ کرنے کے یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص بھینسے پر اس طور سے سوار ہے کہ منہ اس کا دم کی طرف ہے۔ جب غور سے دیکھا تو زنار اس کے گلے میں پڑا ہوا نظر آیا جس سے اس شخص کا بے دین ہونا ظاہر ہے اور یہ بھی میں یقیناً کہتا ہوں کہ جو اہل علم اس کی تکفیر میں اب متردّد ہیں، کچھ عرصہ بعد سب کافر کہیں گے۔“

قاری عبدالکریم صاحب ساکن قریہ ومن ملانا نے بھی اس کو سخت ملحد اور زندیق تحریر کیا۔

چونکہ یہ شخص غیر مقلدین کے نزدیک قطب اور غوثِ وقت تھا۔ محمد حسین لاہوری نے جو غیر مقلدین ہند کا مقتدا مشہور ہے، امداد قادیانی پر کمر باندھی اور اپنے رسالہ ماہواری میں ہماری مذمّت اور قادیانی کی تائید کرتا رہا۔ یعنی کلماتِ کفریہ کی اشاعت کو معاذاللہ اشاعۃ السنۃ قرار دیتا رہا۔

برعکس نہند نامِ زنگی کافور

لیکن اس ماہواری رسالہ کے ذریعہ سے بموجب شعر:

خمیرِ مایۂ دوکانِ شیشہ گر سنگ است　　عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

اکثر اہل علم کو کلماتِ کفریہ قادیانی کے معلوم ہوگئے۔ اور ہمارے فتویٰ کی تصدیق کی ندا ہر طرف سے آنے لگی۔ یہاں تک کہ مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری نے ایک استفتاء قادیانی کے باب میں علماءِ حرمین کی خدمت میں روانہ کیا۔ مولانا مولویؒ مرحوم نے بعد کمال تتبع براہین احمدیہ ونہایت تفتیش رسالہ جات لاہوری کے یہ جواب لکھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ باقی علماءِ حرمین نے اسی مضمون کے مطابق اپنی اپنی رائیں ظاہر کیں۔

پھر کچھ دیر بعد قادیانی نے بنا کنجر کی سرائے میں قیام کر کے بذریعہ مولوی عبدالقادر کے ہم کو صلح کا پیغام بدیں مضمون کہلا بھیجا کہ مخالفین دین محمدی ﷺ میرے پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب علماءِ اسلام تیرے پر تکفیر کا فتویٰ شائع کر رہے ہیں تو تو ہم کو اسلام کی طرف کس طرح دعوت دے رہا ہے۔

ع　　او کہ در خویشتن گم است کراہبری کند

مولوی عبداللہ صاحب نے فرمایا کہ اگر صلح کرنی منظور ہے تو اپنے کلماتِ کفریہ سے بروز جمعہ برسرِ وعظ آکر تائب ہو یا گفتگو کر کے ہم کو ساکت کرے یا ہم سے مباہلہ کرلے۔ بجائے جواب الجواب مرزا اپنے مسکن قادیان میں جاکر خواب خرگوشی اختیار کر کے سو رہا۔

بعد اس کے ایک شخص نے کانگرس کی بابت آکر یہ سوال کیا کہ کانگریس میں شامل ہونا بہتر ہے یا نیچری کی جماعت میں شامل ہونا اولیٰ ہے؟ ہم نے جواب دیا کہ نیچری کے ساتھ ملنا ہرگز درست نہیں۔ یہ شخص مرتد ہے۔ مرتد کے ساتھ علاقہ رکھنا شرعًا حرام ہے۔ اس شخص نے عیسیٰؑ کو معاذ اللہ

یوسف نجار کا بیٹا برخلاف قرآن مجید کے قرار دیا ہے۔ عبدالقادر و شاہ دین وغیرہ معتقدین قادیانیوں نے غیر مقلدین سے مل کر یہ مشہور کیا کہ مولوی صاحبان ہندوؤں سے مل گئے ہیں اور ایک فتویٰ علماء کو دھوکہ دے کر ایسا تیار کیا کہ جس کا مضمون یہ تھا کہ جو شخص ہنود کی اعانت کرے اور مسلمانوں کو ضرر دیوے، وہ شخص کافر و فاسق ہے۔ بعد ازاں مولوی عبدالعزیز کے نام منسوب کر کے طبع کرا کر شائع کیا۔

جب علماء کو دھوکہ دینا ان کا معلوم ہوا، فوراً ہر عالم نے اپنا معذرت نامہ مولوی عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں روانہ کیا کہ ہمارا فتویٰ بالکل آپ کی نسبت نہیں، ہم آپ کو مصداق اس فتویٰ کے نہیں جانتے۔ آپ کو کافر جاننے والے خود کافر ہیں۔ مولوی رشید احمد گنگوہیؒ و مولوی عبدالحق صاحبؒ مصنف تفسیر حقانی و مولوی غلام رسول صاحبؒ امرتسری بھی اس معذرت میں شامل ہیں۔ ان سب صاحبوں کے معذرت نامے رسالہ نصرت الابرار میں بطور اختصار کے درج کر کے شائع کیے گئے۔ جس شخص کو تفصیل وار حال معلوم کرنا ہو اس رسالہ کا ملاحظہ کر لے۔

اس وقت موقع پا کر مولوی شاہ دین و عبدالقادر نے غیر مقلدین سے مل کر محمود شاہ غیر مقلد کو بلوا کر ہمارے مقابلہ میں وعظ شروع کروایا۔ ہم نے فوراً جو اشتہار مولوی غلام دستگیر صاحب نے بابت چوری اور قید ہونے محمود شاہ مذکور کے سالہاسال سے شائع کیا ہوا تھا، از سرِ نَو طبع کر کے شائع کر دیا۔ اس وقت اکثر سکانِ بندہ ہٰذا نے اس کو بہتان سمجھا۔ جب کچھ دیر بعد محمود شاہ مذکور نے مولوی محمد حسن غیر مقلد لودھیانوی سے کچھ مبالغ بطور فریب کے بذریعہ منی آرڈر سہارنپور میں منگوائے۔ اور مولوی محمد حسن نے اس پر نالش کی اور اہل پولیس نے وہی مسّل جس میں اس کا قید ہونا بابت چوری کے درج تھا، برآمد کرائی۔ تب سب کہنے لگے کہ مولوی صاحبان کا اشتہار سچا تھا۔ اسی طرح محمد حسین لاہوری نے جب خیال کیا کہ علماء حرمین اور اکثر علماءِ ہند نے قادیانی کی تکفیر پر مولویان لدھیانیوں کے ساتھ جن کے میں برخلاف ہوں، اتفاق کر لیا تو اب مجھ کو بھی مناسب یہی ہے کہ قادیانی کی امداد سے دستبردار ہو کر اس کی تکفیر پر کمر باندھوں۔ اسی اثناء میں قادیانی نے اپنے عیسیٰ موعود ہونے کا دعویٰ کر کے اشتہار جاری کیے اور ان اشتہاروں میں اہل علم کا نام لے کر مخاطب کر کے لکھا کہ اگر آپ کو شک ہو تو میرے

ساتھ مباحثہ کرلو۔ اشتہاروں میں ہمارا نام بھی درج کردیا ہم نے جواب میں یہ اشتہار جاری کیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحق يعلو ولا يعليٰ عليه

چراغے راکہ ایزد بر فروزد

ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

بعد از حمد وصلوۃ جملہ اہل اسلام کو معلوم ہو کہ مرزا غلام احمد قادیانی اشتہارات اس مضمون کے شائع کر رہا ہے کہ عیسیٰ موعود میں ہوں۔ مولوی محمد، مولوی عبداللہ، مولوی عبدالعزیز وغیرہ جو میرے برخلاف ہیں میرے سے جلسۂ عام میں روبرو ایک افسر یورپین کے برمکان احسن شاہ وغیرہ ایک روز بعد عید الفطر کے گفتگو کرلیں۔ چونکہ ہم نے فتویٰ سنہ ۱۳۰۱ھ میں مرزا مذکور کو دائرہ اسلام سے خارج ہوجانے کا جاری کردیا تھا اور رسالہ نصرت الابرار اور فیوضاتِ مکی میں بحوالہ فتویٰ حرمین تحریر کرچکے ہیں کہ یہ شخص اور ہم عقیدہ اس کے اہل اسلام میں داخل نہیں اور اب بھی ہمارا یہی دعویٰ ہے کہ یہ شخص اور جو لوگ اس کے عقائد باطلہ کو حق جانتے ہیں، شرعًا کافر ہیں۔ پس مرزا قادیانی کو لازم ہے کہ اوّل سرکار سے اجازت طلب کرلے کیونکہ حکام شہر ہٰذا نے چند سال سے یہ حکم نافذ کررکھا ہے کہ کوئی شخص اجنبی اس شہر میں آکر بلا اجازتِ سرکار کوئی جلسہ مذہبی منعقد نہ کرے ورنہ سرکاری مجرم قرار دیا جاوے گا۔ بعد اجازت حاصل کرنے کے مکان شہزادہ نادر صاحب یا مکان خواجہ احسن شاہ صاحب یا کسی اور رئیس کے مکان کو واسطے گفتگو کے مقرر کرکے ہم کو مرزا صاحب اور صاحب مکان تحریری طور پر اطلاع دیں کہ ہمارے مکان پر مرزا سے آپ آکر بحث کرلیں۔

چونکہ ہمارے نزدیک جب مرزا قادیانی اسلام سے خارج ہے تو مرزا کو اول اپنا اسلام ثابت کرنا پڑے گا۔ بعد میں عیسیٰ موعود ہونے میں کلام شروع

ہوگی۔ اگر مرزا قادیانی بسبب کم لیاقتی کے تنہا مناظرہ نہ کر سکے تو اپنے متبعین کو ہمراہ لے کر میدانِ گفتگو میں آوے۔ اگر اس نہج پر بھی وہ مطمئن نہ ہو تو ان اہل علموں کو جو مرزا قادیانی کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں جانتے، ہمراہ لے کر مکانِ گفتگو پر حاضر ہو کر اپنے دلائل پیش کرے۔ چونکہ ہر ایک شخص بموجب زعم اپنے کے اپنے آپ کو حق پر جانتا ہے۔ لہٰذا واسطے تمیز حق اور باطل کے کوئی منصف مقرر کرنا امرِ ضروری ہے۔ لہٰذا پہلے مبادیٔ بحث جلسہ اولیٰ میں فریقین طے کر کے مقاصد میں بحث شروع کریں۔ اگر مرزا قادیانی کو اس بحث کرنے میں دشواری معلوم ہو تو ہم ایک طریق بحث کا جو نہایت آسان بتاتے ہیں۔ جس کو اختیار کر لیں۔ جس میں ان کا ایک حبہ بھی خرچ نہ ہو۔

وہ امر یہ ہے کہ مرزا قادیانی ہمارے ساتھ بلا خرچ مکہ معظمہ کو چلے یا سلطانِ روم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے مدّعا کو ظاہر کرے تا اہل حق کو تاجِ نصرت سے سرفرازی حاصل ہو اور مبطل کی گردن میں طوق لعنت کا نمودار ہو اور آئندہ کوئی ایسے دعاوی باطلہ کے دعویٰ کرنے میں جرأت نہ کرے۔ اگر مرزا صاحب کو مباحثہ بلا پابندیٔ شرائط کے منظور ہو تو عید یا جمعہ کے مجمع میں حاضر ہو کر مستفید ہوں۔ اور اگر امورات مذکورہ بالا سے کسی امر کی تعمیل کرنے میں پہلوتہی کریں تو ان کو لازم ہے کہ آئندہ ایسے دعاوی سے اپنا تائب ہونا ظاہر کریں۔

خلاصہ مطلب ہماری تحریراتِ قدیمہ و جدیدہ کا یہی ہے کہ یہ شخص مرتد ہے اور اہل اسلام کو ایسے شخص سے ارتباط رکھنا حرام ہے۔ جیسا ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ اسی طرح جو لوگ اس پر عقیدہ رکھتے ہیں وہ بھی کافر ہیں اور ان کے نکاح باقی نہیں رہے۔ جو چاہے ان کی عورتوں سے نکاح کر لے۔ کتب فقہ میں یہ مسائل باب مرتد میں تصریح کے ساتھ موجود ہیں۔ اگرچہ عوام کالانعام بعض مسائل کو سن کر کہتے ہیں کہ یہ مولوی ضدی ہیں۔ جب

خدا تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس مسئلہ کی صداقت ظاہر کر دیتا ہے تو پھر اسی منہ کہتے ہیں کہ ان مولویوں کا مسئلہ ٹھیک نکلا۔

دیکھو محمود شاہ کا جو ہم نے حال اشتہار میں لکھا تھا، خدا تعالیٰ نے اس کے مددگاروں کے ہاتھ سے صداقت ہمارے اشتہار کی ظاہر کی۔ اسی طرح جیسا ہم نے ۱۳۰۱ہجری میں مرزا قادیانی کو کافر اور مرتد قرار دیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس کی صداقت بھی محمد حسین لاہوری وغیرہ کی تحریرات سے ظاہر کر دی جو اس کے اوّل درجہ کے مددگار تھے۔ اور علماءِ مکہ معظّمہ نے بھی ہمارے فتویٰ کو صحیح قرار دیا۔ اب سکنائے شہر لہٰذا کو جو اس پر عقیدہ رکھتے ہیں یا کچھ ان کے دل میں اس کے کافر ہونے کا شبہ ہے مرزا قادیانی کو ہمراہ لے کر ہمارے پاس آویں اور سرکاری انتظام اگر مرزا نہ کر سکے تو اس کے مرید جو اس پر دل وجان سے فدا ہیں، اس امر کا بندوبست کر لیں۔ ورنہ سکنائے شہر سے چندہ کر لیں۔ اگر صرف لقلقہ ہی غرض ہے تو مثل برادر اپنے کے چماروں کے پیغمبر بن کر اپنا کام چلاویں۔ یعنی جیسا مرزا امام الدین قوم جاروب کش میں امام مہدی بن بیٹھا ہے تو مرزا غلام احمد چماروں کے عیسیٰ بن کر اپنا مطلب حاصل کر لیں۔

چونکہ مناظرہ کرنے میں ہر دو بحث کنندوں کا علم میں برابر ہونا امرِ ضروری ہے۔ لہٰذا کتب مروّجہ درسی میں فریقین کا امتحان لیا جاوے گا۔ اور عربی زبان میں ہر دو صاحبوں کو تحریر مع ترجمہ کرنی پڑے گی۔ تاکہ عوام کالأنعام جو مرزا کو بڑا عالم جانتے ہیں، ظاہر ہو جاوے کہ مرزا کو سوائے مرزائیت کے یعنی انشاء پردازی کے جو اس قوم کی جبلی خاصیت ہے، کچھ علمی لیاقت نہیں۔ خصوصاً علم دینی سے تو بالکل نابلد ہے۔ ورنہ اپنی کتاب براہین احمدیہ کو قبل از اتمام معرضِ بیع میں نہ لاتا، کیونکہ بیع شئ معدوم کی بدوں شرائطِ سلم جو فیما نحن فیہ میں مفقود ہیں، شرعاً ہرگز درست نہیں۔

پس جو شخص مرزا مذکور کو مجدّد یا عیسیٰ موعود اعتقاد کرتے ہیں، پرلے درجے کے نادان ہیں۔ خداتعالیٰ اس گروہ کو ورطۂ ضلالت سے نکال کر راہِ ہدایت پر لائے یا ان کے شر سے عوام کو محفوظ رکھے۔ اگر کسی طرح کا حیلہ یا بہانہ مرزا قادیانی کسی شرط کی بابت پیش کرنا چاہیں تو بالکل لغو ہے۔ کیونکہ سرکاری طور پر فیصلہ اس کا بروقت بحث ہو سکتا ہے۔ یعنی ہر دو فریق اپنے اپنے شرائط بروقت حاضری سرکار میں داخل کریں۔ جن شرائط کو سرکاری افسر منظور فرماوے وہی فریقین کو تسلیم کرنی پڑیں گی۔ بعد میں مباحثہ اس طرز سے شروع ہوگا کہ جس کی ایک ایک فرد شامل مثل سرکاری ہوگی۔ اور ایک ایک فرد فریقین کے پاس رہے گی۔ تاکہ کسی کو کمی زیادتی کی گنجائش نہ ہو۔

آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين
والصلوة والسلام على سيد المرسلين

المشتہران

مولوی محمد و مولوی عبداللہ
و مولوی عبدالعزیز سکنائے لدھیانہ عفی عنہ
مرقوم ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ

اس اشتہار کے شائع ہونے سے مرزا قادیانی مثل نمرود کے آیہ "فبهت الذي كفر" کا ماصدق علیہ ہوگیا۔ اور کل کاروائیاں اس کی هباءً منثورًا ہوگئیں۔ عالم حیرت میں آکر اپنے حواریوں کو طلب کیا۔ خصوصًا حکیم نور الدین جس کو ساٹھ سال کی عمر میں دوازدہ سالہ دختر منشی احمد جان صاحب لدھیانہ کی بذریعہ قادیانی ہاتھ لگی۔ فورًا لاہور سے فریادرسی کے واسطے طلب کیا۔ بعد مشورہ یہ امر قرار پایا کہ ان مولویوں سے ہم کسی طرح عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ جب بہ تقرریٔ ثالث ایمان میں مباحثہ شروع ہوا تو فتویٰ حرمین جس میں دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا بہ نسبت آپ کے ذکر ہے۔ تو فورًا منصف ہمارے فریق پر ارتداد کا حکم لگا کر فریق ثانی کو فتح یاب کرے گا، جس سے ہمارے کل دعاوی

پر پانی پھر جائے گا۔ پھر عیسیٰ موعود ہونے میں کسی طرح گفتگو نہیں کر سکتے، کیونکہ بے ایمان کا عیسیٰ ہونا دائرہ امکان سے خارج ہے۔

القصہ آپ نے ان مولوی صاحبان کو مخاطب کرنے میں کمال غلطی کی۔ البتہ جو اہل علم برخلاف ہر سہ مولویان آپ کو مسلمان جانتے تھے، ان کے مخاطب کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ کیونکہ ان سے صرف عیسیٰؑ کی زندگی میں بحث کرنے کا موقع ہم کو مل سکتا ہے۔ ایمان کی بحث کا نام بحکم المرء يؤخذ بإقراره وہ زبان پر نہیں لا سکتے۔ لہٰذا اب اس سے بہتر اور کوئی مشورہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان مولوی پر کوئی الزام قائم کر کے گفتگو کرنے سے اعراض ظاہر کریں۔ اگر آپ کی بحث مولوی محمد حسین لاہوری سے مقرر ہو جو آپ کے اسلام کا اقرار کر چکے ہیں، تو نہایت مناسب ہے۔ اس عاجز کو تاریخ مقررہ سے چند روز پہلے اطلاع دیں تا کہ بخوبی انتظام کیا جاوے۔

بنابریں قادیانی نے ایک اشتہار یازدہم شوال ۱۳۰۸ھ میں بنام پادریان جاری کیا۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ مسلمان ہمارے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے ہیں اس واسطے ہم پادریوں سے بحث کرنے کا اشتہار دیتے ہیں۔ سختی سے برتاؤ کا اطلاق کفر وارتداد وغیرہ جو ہمارے مذکورۃ الصدر میں ہے، مراد لیا ہے۔ اکثر عوام بلکہ خاص بھی ایسے الفاظ استعمال کرنے کو خلافِ تہذیب خیال کرتے ہیں۔ اگر بنظرِ غور خیال کریں تو ان الفاظ کا مہذب ہونا أظهر من الشمس وأبين من الأمس ہے۔ کیونکہ خنزیر کو خنزیر کہنا خلافِ تہذیب نہیں۔ البتہ جو شخص بکری کو خنزیر یا خنزیر کو بکری قرار دے تو وہ ضرور تہذیب سے خارج ہے۔ چونکہ ہمارا اشتہار مذکورہ خلافِ واقع نہیں اور واسطے خیر خواہی عوام کے قادیانی کا حال مثل کتب اسماء الرجال کے ظاہر کر دیا تا کہ عام لوگ گمراہ ہونے سے بچ رہیں۔ آمین ثم آمین

کچھ مدت بعد مولوی محمد حسین لاہوری نے اپنا ذمہ قادیانی کی امداد سے بری کرنے کے واسطے بحث شروع کر کے فتویٰ کفر کا لگا کر علماءِ ہندوستان کی مواہیر اس پر ثبت کروالیں۔ جب بوقت واپسی اس شہر لدھیانہ میں آیا تو مولوی مشتاق احمد صاحب مدرس مدرسہ سرکاری و خان صاحب بہرام خان افسر پولیس کو ہمارے پاس اس عرض سے بھیجا کہ مجھ کو مولوی صاحبان اپنے مکان یا مدرسہ یا مسجد میں بلا کر

جلسہ عام میں میرے سے مضمون ان مواہیر کا جو قادیانی کی تکفیر پر علماء سے ثبت کروکر لایا ہوں معلوم کریں۔ ہم نے جواب دیا کہ ہم اس کو ہرگز اپنے پاس بلانا نہیں چاہتے کیونکہ ہم قدیم سے وعظ میں بیان کرتے ہیں کہ ان لوگوں سے ہرگز ملاپ نہ رکھو، رشتہ داری نہ کرو۔ اب ہم مولوی محمد حسین لاہوری کو اپنے پاس کس طرح بلاویں۔ البتہ اگر غیر مقلدی سے تائب ہوکر آوے تو ہم اس کی ملاقات کرسکتے ہیں۔

خان صاحب بہرام خان نے کہا کہ پہلے مولوی محمد حسین قادیانی کا طرف دار تھا۔ اب وہ اس کے برخلاف ہوکر اس کو کافر کہنے میں آپ سے موافق ہوگیا ہے۔ اگر آپ نرمی فرماویں تو شاید غیر مقلدی سے بھی رجوع کرکے بالکل مقلد ہوجائے۔ میں نے جواب دیا کہ برخلاف ہونا اس کا ہماری نرمی سے نہیں ہوا بلکہ خدا تعالیٰ نے اس کو اس طرف سے برگشتہ کیا۔ اسی طرح جب خدا تعالیٰ کو اس کی ہدایت منظور ہوگی، غیر مقلدی سے بھی اس کو برگشتہ کردے گا۔ پھر خان صاحب موصوف نے کہا کہ اگر آپ اس کو بلانا نہیں چاہتے تو اپنے معتقدین کو اس کے پاس بھیج دیں کہ تا مضمون مواہیر کا ان کے گوش زد ہوجاوے۔ میں نے کہا اچھا آپ اس کو یہ کہہ دیں کہ باغ والی مسجد میں آکر مضمون تکفیرِ قادیانی کا آکر بیان کرے۔ ہم اپنے لوگوں کو کہہ دیں گے کہ تم لوگ بھی اس جلسہ میں جاکر قدرتِ ایزدی کا معائنہ کرو کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے فتویٰ کی صداقت اسی مولوی محمد حسین لاہوری کے ہاتھ سے کروائی جو اس کا پرلے درجہ کا مددگار تھا۔ اپنے رسالہ ماہواری میں بڑے زور شور سے اس کی تعریف لکھتا تھا اور ہمارے فتویٰ کی تردید چھاپتا تھا۔

عباس علی صوفی و مولوی شاہ دین و مولوی نور محمد وغیرہ نے بھی قادیانی کے خلاف پر اپنا عقیدہ برخلاف زمانہ ماضی کے ظاہر کیا، لیکن مولوی عبدالقادر اب تک اس فعل قبیح اور کفرِ صریح سے باز نہیں آیا۔ اگرچہ کلماتِ کفریہ اس کے بہت ایسے ہیں جن سے صراحتاً کفر ثابت ہوتا ہے۔ جیسے یوسف نجار کا عیسیٰؑ کو بیٹا قرار دینا اور جو معجزات ان کے قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں، ان کو مشرکانہ خیال بتانا اور پیغمبروں کی نانیاں دادیاں کو فاحشہ بتلانا وغیرہ وغیرہ جو بالکل کفرِ صریح ہیں۔

کوئی صاحب جواب قادیانی سے پہلوتہی کرنا ہمارا گفتگو عیسیٰ موعود میں خیال نہ کرے، کیونکہ

کہ اگر قادیانی اپنا ایمان قائم کر کے اس بارے گفتگو شروع کرتا تو فوراً اس کو جواب میں ہم یہی رسالہ پیش کرتے۔

وهي هذا:

حسبي الله ونعم الوكيل نعم المولىٰ ونعم النصير

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوۃ! محمد بن مولانا مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم لودھیانوی ہیچ خدمت اہل اسلام کے عرض کرتا ہے کہ غلام احمد قادیانی کی تکفیر بباعث کلماتِ کفریہ کے اوّل ۱۳۰۱ ہجری میں ہمارے ہی خاندان سے شروع ہوئی۔ اس وقت اکثر لوگ ہمارے مخالف رہے بعد میں رفتہ رفتہ کل اہل علم نے قادیانی کے ضالّ مضل ہونے پر اتفاق کیا۔ حتیٰ کہ علماءِ حرمین شریفین نے بھی قادیانی پر دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ تحریر کر دیا۔ جیسا کہ رسائل مولانا مولوی غلام دستگیر صاحب میں تفصیل وار موجود ہے۔ اگرچہ ان فتووں سے لوگوں کو بہت ہدایت ہوئی لیکن بعض بعض کور باطنوں کو اس آفتاب ہدایت مآب سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوا۔

تہی دستانِ قسمت راچہ سود از رہبرِ کامل کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

یعنی جو کفریات اس کے صاف صاف آیاتِ قطعیات کے مخالف ہیں، ان پر ان کے ایمان کی بنیاد ہے۔ جیسا کہ رسالہ ازالۃ الاوہام میں عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو یوسف نجار کا بیٹا لکھا ہے۔ اور جو خدا تعالیٰ جلّ شانہٗ نے ان کے معجزے مثل اِحیاءِ اموات اور مادر زاد نابینوں کو بینا کرنا، جانور مٹی سے بنا کر خدا کے حکم سے جاندار بنا دینا وغیرہ وغیرہ جن کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے۔ ان سب کو اس قادیانی نے مشرکانہ خیال لکھ کر منکرِ قرآن ہو کر اپنا کفر ظاہر کر کے زمرہ مرتدین میں داخل ہوا۔

اکثر مباحثات میں قادیانی اس امر پر زور دیتے ہیں کہ عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں اور ان کے فوت ہونے کا ثبوت آیاتِ قرآنیہ میں موجود ہے۔ اگرچہ اس کا جواب علماءِ اسلام دندان شکن اپنی اپنی تصانیفوں میں دے چکے ہیں لیکن ہماری طرف سے بھی اس امر کا جواب دینا نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس عاجز نے اس کا جواب لکھنا شروع کیا اور نام اس کا ”كشف الغطاء عن أبصار من ضل وغوي“ رکھا۔

رسالة

كشف الغطاء

عن أَبْصَارِ مَنْ ضَلّ وغوىٰ

حسبي الله ونعم الوكيل، نعم المولي ونعم الكفيل

اور ترتیب دیا گیا یہ رسالہ اوپر مقدمہ اور مقصد اور خاتمہ کے۔

مقدمہ

مقدمہ میں اصطلاحات علم اصول کی بیان کی جاتی ہیں جو واسطے استنباطِ احکام کے معلوم ہونا ان کا نہایت ضروری ہے۔

ظاہر: اس کلام کو کہتے ہیں جس کا مطلب الفاظ سے صاف صاف ظاہر ہو۔

قال في المنار: الظاهر اسم لكلام ظهر المراد به للسامع بصيغته.

نص: وہ جس کے واسطے کلام چلائی گئی ہو۔

النص: ماسيق الكلام لأجله. كذا في نور الأنوار

مثال ان دونوں کی یہ آیت ہے:

{أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا} [البقرة: ٢٧٥]

یعنی حلال کیا اللہ نے بیع کو اور حرام کیا سود کو۔

یہ آیت بیع کے حلال اور سود کے حرام ہونے پر بطور ظاہر کے دلالت کر رہی ہے۔ بیع اور سود میں جو فرق اس آیت سے شارع کو مقصود ہے اس پر دلالت اس کی بطور نص کے ہے۔ اور حکم ظاہر اور نص کا یہ ہے کہ جو ان دونوں سے ثابت ہو اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

قال في نور الأنوار: وحكمهما وجوب العمل بالذي ظهر منهما على سبيل القطع واليقين.

یعنی ان دونوں سے جو احکام ثابت ہوں وہ قطعی اور یقینی ہوتے ہیں۔

مفسر: وہ ہے جو اپنی مراد پر ایسا واضح ہو کہ کسی تاویل کی اس میں گنجائش نہ ہو۔

قال في المنار: المفسّر ما ازداد وضوحا على النصّ على وجه لا يبقى معه احتمال التأويل ببيان الشارع، وحكمه وجوب العمل به.

یعنی ظاہر اور نص اگرچہ قطعی ہیں لیکن احتمالِ تاویل کو مانع نہیں۔

یعنی اگر کوئی دلیلِ قطعی اس امر پر دلالت کرے کہ یہاں ظاہری معنیٰ حقیقی مراد نہیں بلکہ مجازی مراد ہیں تو اس وقت ظاہری معنیٰ ظاہر اور نص کے مراد نہیں لیے جاویں گے۔ اور مفسر میں ایسے احتمال کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ شارع کے بیان کرنے سے اس کی اصلی مراد معلوم ہوگئی۔ جیسا کہ آیت "وقاتلوا المشركين كافة" میں لفظ "كافة" کا واسطے بیان کرنے اس امر کے زیادہ کیا گیا ہے کہ تا احتمال اس امر کا باقی نہ رہے کہ مشرکین سے بعض مشرکین مراد ہوں، کل مشرک مراد نہ ہوں۔

اور حکم مفسّر کا یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا واجب ہے، ساتھ احتمال منسوخ ہو جانے کے۔ یعنی اس کے منسوخ کرنے کے واسطے شارع حکم لگا سکتا ہے۔

قال في نور الأنوار: وحكمه وجوب العمل به على احتمال النسخ، أي في زمان النبي ﷺ وفيما بعده، فكل القرآن محكم لا يحتمل النسخ.

محکم: اور محکم اس کا نام ہے جس کا مفہوم قابل نسخ و تبدیل نہ ہو۔

قال في المنار: المحكم ما أحكم المراد به عن احتمال النسخ والتبديل.

اور حکم اس کا یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا واجب ہے اور کسی احتمال کی اس میں گنجائش نہیں۔

قال في المنار: وحكمه وجوب العمل به من غير احتمال كقوله تعالىٰ ان الله بكل شيئ عليم.

یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ ہر شئ کو جانتا ہے۔ یہ مضمون قابل نسخ و تبدیل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ ہر شئ کا علم ہے۔

خفی: وہ ہے جس کی مراد بغیر غور کرنے کے معلوم نہ ہو۔

قال في المنار: الخفي ما خفي مراده بعارضٍ لاينال إلا بالطلب.

جیساکہ آیت السارق والسارقة فاقطعوا أيديهما کی ظاہر ہے چور کے حق میں اور خفی ہے طرّار یعنی 'کیسہ بر' کے حق میں۔ چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم اس آیت سے بلا غور کرنے کے فوراً معلوم ہوجاتا ہے، لیکن طرّار کے ہاتھ کاٹنے کا حکم اس آیت سے بعد غور کرنے کے مفہوم ہوتا ہے کہ طرّار کی چوری معمولی چوریوں سے بڑھ کے ہے، اس واسطے اس کا ہاتھ ضرور کاٹنا چاہیے۔ اور حکم اس کا یہ ہے کہ اس میں غور کرکے معلوم کرے کہ اس کے خفی ہونے کا کیا سبب ہے، تاکہ اس کی مراد معلوم ہو۔

قال في المنار: وحكمه النظر فيه ليعلم أن الخفاء لمزية أو نقصان ليظهر المراد به.

مشکل: اور مشکل اس کا نام ہے جو اپنے جیسوں میں داخل ہوکر مشتبہ ہوجاوے۔ حکم اس کا یہ ہے اس کی مراد پر حق ہونے کا اعتقاد کرنا۔ پھر متوجہ ہوکر غور اور تامل کرنا یہاں تک کہ اس کی مراد ظاہر ہوجاوے۔

قال في نور الأنوار: وأما المشكل فهو الداخل في أشكاله. وحكمه اعتقاد الحقيّة فيما هو المراد ثم الإقبال على الطّلب والتأمّل فيه إلى أن يتبيّـن المراد.

جیساکہ آیت فأتوا حرثكم أنّي شئتم میں لفظ أنّي کا مشتبہ ہوگیا۔ کیونکہ اس لفظ کے دو معنیٰ ہیں:

۱. ایک معنیٰ اس کے "من این" یعنی "کس مکان سے"۔
۲. اور دوسرے معنیٰ اس کے "کیف" یعنی "کس طرح"۔

جب غور و تامّل کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس آیت میں کیف کے معنوں میں مستعمل ہے۔ کیونکہ لفظ حرث جو زراعت کے معنوں میں ہے وہ اسی معنیٰ کو متعیّن کرتا ہے۔

مجمل: اور مجمل وہ ہے جس میں معانی کے ازدحام سے مراد اس کی ایسے مشتبہ ہوجاوے کہ اس کی عبارت میں فکر کرنے سے اشتباہ رفع نہ ہو بلکہ اجمال کرنے والے سے اس کی تفسیر معلوم کرنے

کی حاجت پڑے۔ اور حکم اس کا اس کی مراد کو برحق اعتقاد کرنا اور توقف کرنا یہاں تک کہ ظاہر ہو ساتھ بیان کرنے اجمال کنندہ کے۔

قال في نور الأنوار: أما المجمل فما ازدحمت فيه المعاني واشتبه المراد به اشتباها لا يدرك بنفس العبارة، بل بالرجوع إلى الاستفسار ثم الطلب ثم التأمّل. وحكمه اعتقاد الحقيّة فيما هو المراد والتوقف فيه إلى ان يتبين ببيان المجمل كالصلوة والزكوة.

یعنی لفظ صلوۃ وزکوۃ کا آیت أقيموا الصلوة وآتوا الزكوة میں مجمل تھا۔ کیونکہ معنیٰ صلوۃ کے لغت عرب میں دعا کے ہیں اور معلوم نہ ہوا کہ کون سی دعا یہاں مراد ہے۔ پس استفسار کرنے سے آنحضرت ﷺ نے بیان کر دیا اور اس کو ادا کر کے ہم کو معلوم کرا دیا کہ یہاں قیام، رکوع، سجود والی دعا مراد ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کے معنیٰ لغت میں پاک کرنے کے ہیں اور یہاں یہ مراد نہیں۔ بعد استفسار کرنے کے آنحضرت ﷺ نے بیان فرمادیا کہ اس کے معنیٰ چالیسواں حصہ مال کا بعد ایک سال کے ادا کرنا ہے۔

متشابہ: اور متشابہ وہ جس کی مراد کا معلوم ہونا قبل روزِ قیامت ممکن نہ ہو۔ اور حکم اس کا یہ ہے کہ اپنے اعتقاد میں جو اس سے شارع نے مراد رکھا ہے حق جاننا، قبل معلوم ہونے اس مراد کے۔ جیسا کہ حروفِ مقطعات جو سورتوں کے اوائل میں ہیں مثل الٓمٓ وغیرہ کے۔

قال في نور الأنوار: أما المتشابه فهو اسم لما انقطع رجاء معرفته المراد منه ولايرجي بدوّه أصلا، كالمقطعات في أوائل السور، مثل الٓمٓ، حٰمٓ.

ظہور کے مراتب میں محکم کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے۔ مفسّر کا درجہ نص سے اور نص کا ظاہر سے اعلیٰ ہے۔ پس محکم کا درجہ سب سے اعلیٰ اور ظاہر کا سب سے ادنیٰ ہوا۔ اور خفاء میں سب سے زیادہ خفی متشابہ ہے اور مجمل مشکل سے اور مشکل خفی سے زیادہ ہے۔ پس متشابہ کا درجہ خفا میں اعلیٰ ہوا اور خفی کا سب سے ادنیٰ۔ بروقت تعارض جس کا مرتبہ ظہور میں اعلیٰ ہوگا اس پر عمل کیا جاوے گا اور

جس کا مرتبہ خفا میں کم ہوگا وہ اس پر جس میں خفا زیادہ ہے، غالب ہوگا۔ جیسا کہ تفصیل اس کی نورالأنوار وغیرہ کتب میں موجود ہے۔

مقصد

اس میں عیسیٰ علی نبیناو علیہ الصلوۃ والسلام کی زندگی اور آخر زمانہ میں نازل ہونے کا بیان ہے۔ دلائل شرعیہ قرآن اور حدیث اور اجماع اور قیاس ہیں۔ آیاتِ قرآنیہ کا درجہ سب سے بڑھ کر ہے۔ بعد اس کے حدیث ہے، بعد ازاں اجماع ہے۔ اگر تینوں میں سے سے کوئی موجود نہ ہو تو قیاسِ مجتہد سے دلیل پکڑی جاتی ہے۔ چونکہ اس مقصد کے اثبات کے واسطے قرآن اور احادیث اور اجماع موجود ہیں، قیاسی دلائل سے ثابت کرنا ضروری نہیں۔ لہٰذا ترتیب وار دلائل ثلاثہ کو واسطے اثبات اس مقصد کے بیان کرتا ہوں۔

حسبي الله ونعم الوكيل، نعم المولىٰ ونعم النصير

قال الله تعالىٰ: {وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا} [النساء: ١٥٧]

ترجمہ اس کا بامحاورہ موضح القرآن سے معہ بعض فوائد کے نقل کیا جاتا ہے:

اور لعنت کی ہم نے اہل کتاب پر اور بسبب کہنے ان کے کے، کہ تحقیق ہم نے مار ڈالا مسیح عیسیٰ بیٹے مریم کے کو پیغمبر اللہ کا تھا۔ اور نہیں مارا اس کو اور نہ سولی دی اس کو، لیکن شبہ ڈالا گیا واسطے ان کے۔ اور تحقیق جو لوگ کہ اختلاف کیا انہوں نے بیچ اس کے، البتہ بیچ شک کے ہیں۔ اس سے نہیں واسطے ان کے ساتھ اس کے کچھ علم، مگر پیروی کرنا گمان کا۔ اور نہ مارا اس کو بہ یقین، بلکہ اٹھالیا اس کو اللہ نے طرف اپنی۔ اور ہے اللہ غالب حکمت والا۔

فائدہ

یہود کہتے ہیں کہ ہم نے مارا عیسیٰ کو۔ اللہ نے فرمایا اس کو ہرگز نہیں مارا، خدا تعالیٰ نے اس کی ایک صورت ان کو بنادی، اس کو سولی چڑھایا۔ پھر فرمایا کہ نصاریٰ بھی اوّل سے یہی کہتے ہیں کہ مسیح کو مارا نہیں، وہ زندہ ہے لیکن وہ تحقیق نہیں سمجھتے۔ کئی باتیں کہتے ہیں: بعض کہتے ہیں کہ بدن کو مارا، ان کی روح اللہ کے پاس چڑھ گئی۔ بعضے کہتے ہیں مارا تھا، پھر تین روز میں زندہ ہوکر بدن سے چڑھ گئے۔ ہر طرح وہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اس کو نہیں مارا۔ سو یہ خبر اللہ کو ہے۔ اس نے بتایا کہ اس کی صورت کو مارا اور ان کے پکڑتے وقت نصاریٰ سرک گئے تھے اور یہود ابھی نہ پہنچے تھے، اس دن کی خبر نہ اِن کو نہ اُن کو۔ تمام ہوئی عبارت موضح القرآن کی بقدرِ حاجت۔

چونکہ اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ جو لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو مقتول یا مصلوب گمان کرکے ان کا فوت ہونا قرار دیتے ہیں، بالکل غلطی پر ہیں۔ اگرچہ شروع اس آیت کا واسطے مضمون مذکورہ کے بموجب قاعدۂ اصول "نص قطعی الدلالۃ" تھا لیکن تاکیداً بار بار بیان کرنا شارع کا اس مضمون کو اور اخیر میں آپ کا اٹھا لینا جتلا کر کل احتمالات کا سلسلہ یک لخت کاٹ ڈالا۔ پس یہ آیت بموجب قاعدۂ اصول قسم مفسّر میں داخل ہوئی۔ البتہ لفظ "بل رفعہ اللہ" میں کسی قدر اجمال تھا، سو احادیث میں یہ مضمون تفصیلاً آنحضرت ﷺ نے بیان فرما کر اس کا اجمال دور کردیا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو آسمان کی طرف اٹھالیا۔ قیامت کے نزدیک آپ آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ جیسا کہ صحیح بخاری اور اس کی شرح وغیرہ سے بجنسہٖ نقل کیا جاوے گا۔

خلاصہ مطلب اس کلام کا یہ ہے کہ اس آیت سے زندہ اٹھالینا آپ کا اسی جسم عنصری کے ساتھ قطعی طور پر ثابت ہے اور اس میں کسی احتمال کی گنجائش نہیں۔ پس یہ آیت واسطے ثبوتِ مضمون مذکور کے آیت اقیموا الصلوۃ سے جو واسطے فرضیت نماز کے وارد ہے یقینی ہونے میں بدرجہا عالی

ہیں۔کیونکہ یہ آیت اصل میں مجمل تھی۔ نماز کا ثبوت اس سے قبل بیان کرنے آنحضرت ﷺ کے نہیں ہوسکتا تھا۔اور آیت "وما قتلوه. آه" واسطے مضمون مذکور کے نص اور مفسر ہے۔خود بخود یہ آیت واسطے ثبوتِ زندگی عیسیٰؑ کے کافی اور وافی ہے۔ جو شخص نماز کی فرضیت سے انکار کرے، اس پر اہل اسلام فتویٰ کفر کا دیتے ہیں۔پس جو شخص زندگی عیسیٰؑ کا منکر ہو، اس پر فتویٰ کفر کا دینا نہایت ضروری ہے۔کیونکہ یہ آیت نماز کی آیت سے یقینی ہونے میں بہت عالی مرتبہ پر ہے۔ كما مرّ غير مرة

پس جو شخص نماز کے منکر کو کافر قرار دے اور عیسیٰؑ کی زندگی کے منکر کو ایماندار اعتقاد کرے، پرلے درجے کا ضالّ اور مضلّ ہے۔جب خدا تعالیٰ نے زندگی عیسیٰ علیہ السلام کی یقینی طور پر بیان فرمائی، اب بعد میں آپ کے انتقال کا حال بیان فرمایا:

{وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا} [النساء: ١٥٩]

اور نہیں کوئی اہل کتاب میں مگر البتہ ایمان لائے گا ساتھ اس کے، پہلے موت اس کی کے اور دن قیامت کے ہوگا اس پر گواہ۔

یعنی اہل کتاب آپ کو زندہ دیکھ کر ایمان لائیں گے اور ان کے کل شبہے رفع ہو جاویں گے۔ بعد اس کے آپ انتقال فرمائیں گے۔جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے روایت کیا ہے:

والذي نفسي بيده، ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكما عدلا... واقرءوا إن شئتم: {وإن من أهل الكتاب} الآية. رواه الشيخان (صحيح البخاري: ٤/ ١٦٨)

اگرچہ آیت میں اجمالاً بیان تھا۔لیکن آنحضرت ﷺ کے بیان کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ آپ آخر میں ضرور نزول فرمائیں گے۔یعنی جیسا کہ نماز کے واسطے أقيموا الصلوة اور زکاۃ کے بارے میں وآتوا الزكوة وارد ہے، ان دونوں آیتوں میں حکم نماز اور زکوۃ کا اجمالاً مذکور ہے۔اوقات اور عددِ رکعات وغیرہ جو نماز میں ضروری ہیں، کسی ایک کا بھی ذکر نہیں۔ اسی طرح جو زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط اور اسباب شرعاً ضروری ہیں اس آیت میں ان میں سے ایک بھی مذکور نہیں۔فقط آنحضرت ﷺ

کے بیان کرنے سے سب حال معلوم ہوا۔ اسی طرح اگرچہ اس آیت میں ایمان لانا اہل کتاب کا حضرت عیسیٰؑ پر بیان ہے۔ نزول وغیرہ امور کا حال ہے، حضرت ﷺ کے بیان کرنے سے معلوم ہوا۔ پس جیسا کہ آیت أقیموا الصلوۃ وآیت وآتُوا الزکوۃ واسطے فرضیت نماز اور زکوٰۃ کے قطعیات سے ہے، ان کے انکار سے کفر لازم آتا ہے۔ اسی طرح یہ آیت بھی عیسیٰؑ کی زندگی پر قطعی طور پر دلالت کر رہی ہے۔

فان قلت: لا يستقيم هذا الاستدلال إلا أن يكون الضميران راجعين إلى عيسى عليه السلام، لكن البيضاوي زيّف هذا الاحتمال ورجح عود ضمير "موته" إلى أهل الكتاب مؤيّدًا لقراءة أبيّ ابن كعب: قبل موتهم. وتبعه مصنف المظهري حيث قال: قلت: نزول عيسى قبل يوم القيامة حق وأن يهلك في زمانه الملل كلّها إلا الإسلام حقّ ثابت بالصحاح من الأحاديث المرفوعة، لكن كونه مستفادا من هذه الآية وتأويل الآية بإرجاع الضمير الثاني إلى عيسى عليه السلام ممنوع. وكيف يصح هذا التأويل مع أن كلمة "إن من أهل الكتاب" شامل للموجودين في زمن النبيﷺ البتة، سواء كان هذا الحكم خاصّا بهم أو لا. فإنّ حقيقة الكلام للحال ولا وجه لأن يراد به فريق من أهل الكتاب يوجدون حين نزول عيسى عليه السلام. فالتأويل الصحيح هو إرجاع الضمير الثاني إلى أهل الكتاب ويؤيده قراءة أبي بن كعب. انتهىٰ قلت: قولهما باطل لكونه مخالفا لما عليه الجمهور من المحققين كصاحب المدارك والإمام الرازي وشرّاح البخاري وغيرهم. قال في المدارك: الضميران لعيسى "ليؤمننّ بعيسى قبل موت عيسى" وهم أهل الكتاب الذين في زمان نزول عيسى. روي أنه ينزل من السماء في آخر الزمان فلا يبقي أحد من أهل الكتاب إلا ليؤمننّ

به حتیٰ تكون الملة واحدة وهي ملة الإسلام. وبمثله في التفسير الكبير وغيره من التفاسير وشروح البخاري وغيرها من كتب الحديث. وتمسكهما بقراءة أبيّ ابن كعب أوهن من نسج العنكبوت، لأنّ قراءة أبيّ بن كعب ليست بمتواترة ولا متضادّة فالعمل عليهما واجب كما صرّح الأصوليّون في قوله تعالي: حتى يطهرن بقراة التشديد والتخفيف بوجوب الغسل للحائض وجواز الوطي إن قطع دمه في ما دون العشرة عملاً بقراءة التشديد وعدم وجوبه إن قطع بعد تمام العشرة عملاً بقراءة التخفيف، وهاهنا أيضا كذلك، فإنّ إيمانهم قبل موت عيسى في زمن نزوله لا يمكن إلا قبل موتهم، لأنّ ما بعد الموت لم يبق أحد مكلفا بل لم يبق أهلا للإيمان قبيل الموت وقت معاينة ملائكة العذاب كما بين في موضعه.

وأما قول صاحب المظهري: "لا وجه لأن يراد من لفظ أهل الكتاب فريق يوجدون اه" ظاهر الفساد، لأنّ الإضافة واللّام تكونان للعهد ما لم تقم القرينة على خلافه وههنا أيضا للعهد الذين يوجدون في زمن نزول عيسى ولم تقم قرينة على خلافه، بل القرائن قائمة على هذا العهد سنذكرها عن قريب إن شاء الله تعالى. ألا تري أنّ ماذكر في المدارك من لفظ الحديث: "فلا يبقيٰ أحد من أهل الكتاب اه" لا يمكن أن يراد به غير الذين يوجدون في زمان نزوله عليه السلام وكذا من لفظ الخطاب الذي هو موضوع للحاضر أريد به الّذين يوجدون في آخر الزمان قطعًا هو قوله عليه الصلاة والسلام: ليوشكنّ أن ينزل فيكم ابن مريم الحديث. وبالجملة القول بعدم كون نزول عيسى مستفادا من هذه الآية

بعد ادّعاء حقية نزوله في آخر الزمان مستدلّا بالأحاديث الصحاح كما مرّ من صاحب المظهري ليس على ما ينبغي، لأن الأحاديث كلّها وحي من الله عزوجل، لقوله تعالي: وما ينطق عن الهوى، ان هو إلا وحي يوحيٰ.

فالواجب علينا أن نعتقد أنها مطابقة للقرآن، سيما إذا ظهر لنا وجه المطابقة نفسه مع كونها مويّدة بأقوال الصحابة الذين شاهدوا الوحي وكانوا معصومين في تبليغ الشرائع كما هو فيما نحن فيه. فالتمسك بها واجب.

وعلينا أن نذكر الوجوه التي تدلّ على أن الضمير الثاني راجع إلى عيسى عليه السلام:

الوجه الأول: أنه يلزم على تقدير إرجاع الضمير الثاني إلى أهل الكتاب الانتشار في الضمائر، وهو قادح للبلاغة، فاختياره في الكلام القديم فرية بلا مرية، ولذا لم يذهب اليه أكثرهم. قال بدر الدين العيني في شرح البخاري: روي عن طريق أبى رجاء عن الحسن قال: قبل موت عيسى عليه السلام، والله إنه لحي ولكن إذا نزل آمنو به أجمعون وذهب اليه أكثر أهل العلم. انتهي

والوجه الثاني: أنّ السياق والسباق كلاهما يرجحان أنّ الضمير الثاني راجع إلى عيسى عليه السلام، لأن الكلام لما انجرّ إلى أنّ عيسى عليه السلام حيّ فمقتضي المقام أن يذكر موته، وذلك لايستقيم بإرجاع الضمير الثاني إلى عيسى عليه السلام.

والوجه الثالث: أن على هذا التقدير تكون هذه الآية دليلا آخر على منكري حياته، فإنّ إيمان أهل الكتاب لما كان منوطا بحياته

استحال أن يموت قبله.

والوجه الرابع: أنه إذا أريد من الضمير الثاني أهل الكتاب لا يكون إفادة بل إعادة، لأنّ قوله تعالي: "ليؤمننّ" دالّ على أنهم وقت الإيمان يكونون أحياء؛ لأنّ الحياة من لوازم الإيمان والشيء إذا ثبت ثبت بلوازمه، فإثبات حياتهم ثانيًا لا يكون إلا إعادة، بخلاف ما إذا أريد منه عيسى عليه السلام، فإنه حينئذ يكون إفادة قطعًا لأن مفاده هو كون عيسى عليه السلام حيّا في وقت إيمانهم به لم يكن معلوما من قبل. ومن المعلوم أنّ حمل الكلام البليغ، سيّما الكلام المعجز على الإفادة أولي، لا سيّما الإفادة التي ازداد بها إعجاز القرآن، لكونه دالّا على نزوله من السماء، لأن الموت لا يكون إلّا في الأرض، لقوله تعالي: "وفيها نعيدكم" وذلك يستلزم نزوله من السماء، يعني كما أنّ الآية السابقة دلّت على كونه مرفوعا إلى السماء كذلك هذه الآية دلّت على موته في الأرض بعد نزوله وهو من المغيبات الخارجة عن طوق البشر الدالة على إعجاز القرآن بأبلغ وجه.

والوجه الخامس: أنه يلزم على تقدير إرجاع الضمير إلى أهل الكتاب أنّ كلّ أحد منهم يؤمن بعيسى عليه السلام قبل موتهم، وهو خلاف الظاهر. والتأويل بأنّ المراد أنهم يؤمنون وقت معاينة العذاب قبيل الموت وإن لم يطّلع عليه أحد من جلسائه، لا طائل تحته؛ لأنّه لم تقم به حجة عليهم، بل لهم أن يقولوا: لو كان القرآن من كلام الله لم يتخلف، لأنه يستلزم الكذب في كلامه تعالي الله عن ذلك علوّا كبيرا، بخلاف ما إذا أريد به عيسى عليه السلام، فإنّ الآية حينئذ صريحة لنا بعد ما كانت حجّة علينا. قال العلّامة

بدرالدين العيني في شرحه للبخاري: والحكمة في نزول عيسى عليه السلام الردّ على أهل الكتاب في زعمهم الباطل أنهم قتلوه وصلبوه، فبين الله تعالى كذبهم. انتهي

خلاصہ مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ تفسیر بیضاوی اور تفسیر مظہری میں ضمیر "قبل موته" سے اہل کتاب کا فقط مراد لینا صحیح قرار دیا ہے اور اس کی تائید میں قرأت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ جو "قبل موتهم" کے لفظ کے ساتھ مروی ہے، پیش کی ہے۔ اور نیز صاحب مظہریؒ نے لفظ اہل کتاب سے آخری زمانہ کے یہود و نصاریٰ مراد لینا بے وجہ ٹھہرایا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قول ان کا بالکل بے اصل ہے۔ اسی واسطے اکثر اہل علم نے حضرت عیسیٰؑ کا مراد لینا صحیح قرار دیا ہے۔ اور قرأت ابی ابن کعب جو "قبل موتهم" کے لفظ سے مروی ہے "قبل موته" کے مخالف نہیں ہے۔ کتب اصول میں لکھا ہے کہ جہاں دو قرأتیں باہم مخالف نہ ہوں، دونوں پر عمل کرنا لازم ہے۔ جیسا کہ لفظ "يطهرن" میں دو قرأتیں تخفیف و تشدید کے ساتھ مروی ہیں۔ دونوں پر عمل کر کے علماء نے یہ حکم جاری کیا ہے کہ تخفیف کی قرأت سے وہ عورت مراد لی جاوے جس کا حیض بعد دس روز کے بند ہوا ہے۔ اس سے مجامعت کرنی شوہر کو اسی وقت درست ہے، عورت کا غسل کرنا شرط نہیں۔ اور تشدید کی قرأت سے وہ عورت مراد لی گئی ہے جو قبل گزرنے دس روز کے حیض اس کا بند ہو گیا ہو، تو ایسی عورت جب تک غسل نہ کرے اس سے مجامعت کرنی شوہر کو درست نہیں۔

اسی طرح یہاں بھی دونوں قرأتوں پر عمل ہو سکتا ہے۔ "قبل موته" زندگی عیسیٰؑ کی اور "قبل موتهم" سے اہل کتاب کا زندہ ہونا مراد لینا درست ہے۔ یعنی جب عیسیٰؑ آسمان سے آخر زمانہ میں نزول فرمائیں گے۔ جو اس وقت اہل کتاب بقید حیات ہوں گے، آپ کو زندہ دیکھ کر آپ پر ایمان لائیں گے۔ جیسا کہ احادیث صحاح سے اس امر کا برحق ہونا خود صاحب مظہری نے بڑی شدّ و مدّ سے بیان کیا ہے۔ پس اہل کتاب کا مراد لینا ضمیرِ ثانی سے بوجوہاتِ ذیل بالکل بے محل ہے۔

وجہ اول یہ ہے کہ ضمیر به سے عیسیٰؑ کا اور ضمیر "قبل موته" سے اہل کتاب مراد لینے سے

ضمیروں میں انتشار لازم آتا ہے۔ اور یہ امر اہل بلاغت کے نزدیک مذموم وقبیح ہے۔ پس کلامِ الٰہی میں ایسے احتمال کا جاری کرنا نہایت بے جا ہے۔

وجہ دوم یہ ہے کہ جب آیت کا سیاق وسباق آپ کی زندگی وانتقال کے بیان میں ہے، پس موت کا ذکر غیر کی طرف راجع کرنا خلاف عقل ونقل ہے۔

وجہ سوم یہ ہے عیسیٰؑ مراد لینے سے دوسری دلیل واسطے ردِّ منکرین حیاۃ کے قائم ہوتی ہے۔ یعنی جب تک کل اہل کتاب ان پر ایمان نہیں لائیں گے، وہ فوت نہ ہوں گے۔

وجہ چہارم یہ ہے کہ ایمان لانے والے کا زندہ ہونا لازمی امر ہے۔ کیونکہ مرنے کے بعد تو کوئی شخص مکلّف نہیں رہتا۔ پس زندہ ہونا اہل کتاب کا وقت ایمان کے، لفظِ ایمان سے جو لیؤمنن میں موجود ہے، ثابت ہوگیا۔ "قبل موتہ" کی ضمیر سے دوبارہ ثابت کرنا بے فائدہ ہے۔ البتہ عیسیٰؑ پر ایمان لانے میں آپ کا زندہ ہونا واسطے ایمان والوں کے شرط نہیں۔ یعنی جیسا اور انبیاء پر ایمان لانے میں ان کا زندہ ہونا ضروری نہیں اسی طرح آپ پر ایمان لانا بعد ممات کے بھی ہوسکتا تھا۔ چونکہ یہ واقعہ وقتِ نزولِ عیسیٰؑ زمانہ آئندہ میں بقیدِ حیات آپ کے ہونے والا تھا۔ خداتعالیٰ نے بطور پیشین گوئی کے قرآن شریف میں بیان فرمادیا اور وہ بلاارجاعِ ضمیر ثانی طرف عیسیٰ علیہ السلام نہیں بن سکتا۔

اسی واسطے جمہور کا یہی مذہب ہے کہ ضمیرِ ثانی سے مراد عیسیٰؑ ہیں، جیسا کہ گزر چکا بیان اس کا پہلے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ عیسیٰؑ جو بموجب آیت پہلی کے آسمان پر زندہ ہیں، پس انتقال کرنا آپ کا جو اس آیت دوسری سے ثابت ہوتا ہے بعد نزول کے ہوگا۔ کیونکہ مرکر دفن ہونا زمین میں بموجب فرمانے پروردگار کے "وفیھا نعیدکم "بدوں نزول کے ممکن نہیں۔ پس یہ دونوں آیتوں سے پورا واقعہ جو احادیث صحاح میں مذکور ہے، ثابت ہوا۔

وجہ پنجم یہ ہے کہ بر تقدیر مراد لینے اہل کتاب کے یہ اعتراض پڑتا ہے کہ اگر ہر اہل کتاب کا وقت مرنے کے ایمان لانا عیسیٰ علیہ السلام پر پایا جاتا تو یہ امر نہایت شہرت پکڑتا۔ اس کے جواب میں یہ کہنا کہ ہر اہل کتاب وقت مرنے کے خفیہ طور پر ایمان لاتا ہے، کسی کو اس کے ایمان کی خبر نہیں ہوتی

لاطائل اور خلافِ ظاہر ہے۔ اور بر تقدیر مراد لینے عیسیٰ علیہ السلام کے یہ آیت واسطے ردِّ منکرین حیات کے دلیل قاطع ہے۔ یعنی جب عیسیٰؑ آخری زمانہ میں اہل کتاب کو زندہ معلوم ہوں گے اس وقت ان کے سب شبہ رفع ہوجائیں گے۔ یقینی طور پر ان کو یہ امر ثابت ہوجاوے گا کہ جو حال عیسیٰؑ کا مسلمان بیان کرتے ہیں وہی ٹھیک نکلا، ہمارا کہنا سراسر جھوٹ تھا۔

فإن قلت: إنّ قوله تعالي: "إني متوفيك ورافعك إليّ" يدل على أن الرفع كان بعد موته معارضا لقوله تعالي: وماقتلوه وماصلبوه آه. وقاعدة التساقط في المعارضة مشهورة فانهدم استدلالكم بقوله تعالىٰ وماقتلوه آه.

قلت أوّلا: إن المعارضة لا تتصور في كلام الشارع،[1] لأنها دليل الجهل كما صرح به صاحب التوضيح، لكنها توجد في الأحكام بالنسبة إلينا لجهلنا بالتاريخ. ويحمل ذلك في الحقيقة على النسخ كما بين في الأصول. وما في الأخبار كما فيما نحن فيه فلا يمكن أن يوجد في كلام أحد فضلا عن كلام الشارع، لأن النسخ اللازم للمعارضة لا يتصور في الأخبار، إذ تحقق المحكي عنه في زمانه لابدّ لصدق الخبر ولا يمكن ارتفاعه بالنسخ. ولو حملنا التعارض بمعني التخالف فنقول لا تعارض، لأنّ كون التوفّي بمعني الموت أو مساويا له لم يثبت بعدد دونه خرط القتاد، بل هو مشترك بين استيفاء الحق والقبض وهما من لوازمه العامة؛ لأنّ كون الاستيفاء عامّا ظاهر. وكذا القبض لوجوده في النوم أيضًا في قوله تعالي: {اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي} [الزمر: ٤٢] الآية وفي قوله: {وَهُوَ الَّذِي

(١) واعلم أنّ في الكتاب والسنة حقيقة التعارض غير متحققة، يحمل ذلك علي النسخ؛ إذ لا تعارض بين أدلة الشرع لأنه دليل الجهل. توضيح

يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَى} [الأنعام: ٦٠] الآية فإنّ التوفّي استعمل في الآية الأولي للقبض الذي يعقبه الموت أو المنام وفي الثانية النوم خاصّة، فثبت كون التوفي عاما من الموت، وذلك ما أردناه.

ولأنّ آية القتل مفسر في إثبات الحياة كما مرّ وآية التوفي وإن كان مشتركا، لكنّ قوله تعالي: "ورافعك إليّ" وقوله وعليه السلام: ليوشكنّ أن ينزل عليكم الحديث. كما مر يشعر إلى أنّ التوفي بمعني القبض الذي لا يعقبه الموت، كما لا يخفي. وكون التوفّي محتملا لا يجدي أيضا، لأن التوفّي بسبب الاشتراك واحتمال كونه بعد نزوله مشكل. والمشكل لايعارض المفسر اللذي هو آية القتل، لأن المفسر مقدّم على المشترك بمراتب كما مرّ في المقدمة، والتعارض لا يكون إلّا في الأدلة المساوية في الدرجة كما بيّن في موضعه.

فإن قلت: احتمال كون التوفي في آخر الزمان بعد الرفع يبطله تقديم ذكره قبل الرفع.

قلت: عطف الرّفع على التوفّي لا يدلّ على كونه مؤخرا عنه في الوجود أيضا، لأن الواو ليست للترتيب كما في قوله تعالي: {وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ} [النساء: ١٦٣] الآية فإن سليمان ذكر بعطف الواو بعد عيسى في مرتبة خامسة، ومن المعلوم أن سليمان مقدم عليه بزمان كثير، ولهذا ذهب المفسرون إلى أنّ في بعض ألفاظ القرآن تقديما وتأخيرا، وعدّوا لفظ التوفّي والرفع المذكورين في هذه الآية منه كما صرّح السيوطي في الإتقان

حيث قال: "وأخرج عن قتادة في قوله إنّي متوفيك ورافعك إليّ" قال: هذا من المقدم والمؤخر إنّي رافعك إليّ ومتوفيك. انتهیٰ وبه يرتفع التدافع ويحصل الموافقة بين الآيتين. ولو فرض التعارض بينهما فليس السبيل إلا الرجوع إلى الأحاديث كما بين في الأصول. والأحاديث تنادي بأعلى نداء أنّ عيسى بن مريم عليه السلام حيّ ينزل في آخر الزمان إلى الأرض. ولنذكر نبذا منها ما يشفي العليل ويروي الغليل.

روي البخاري عن أبي هريرة قال: قال رسول االله ﷺ: والذي نفسي بيده، ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكما عدلا، فيكسر الصليب، ويقتل الخنزير، ويضع الجزية، ويفيض المال حتى لا يقبله أحد، حتى تكون السجدة الواحدة خيرا من الدنيا وما فيها. ثم يقول أبو هريرة: واقرءوا إن شئتم: {وإن من أهل الكتاب إلا ليؤمنن به قبل موته، ويوم القيامة يكون عليهم شهيدا} [النساء: ١٥٩]. (صحيح البخاري: ٤/ ١٦٨)

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ كيف أنتم إذا نزل ابن مريم فيكم، وإمامكم منكم. رواه البخاري (صحيح البخاري: ٤/ ١٦٨) قال الطيبي: أي يؤمّكم عيسى حال كونه في دينكم.

قيل ينكر عليه قوله في حديث مسلم: فيقال له: تعال صلّ لنا، فيقول: لا، إنّ بعضكم على بعض أمراء، تكرمة الله هذه الأمة. (صحيح مسلم: ١/ ١٣٧) قال ابن الجوزي: لو تقدّم عيسى عليه السلام إماما لوقع في النفس اشكالا ولقيل أتراه تقدم نائبا أو مبتدءًا شرعاً فصلّي ماموما لئلا يتدنّس وجه قوله ﷺ "لا نبي

بعدي".

وذكر في كيفية نزوله: أنه ينزل وعليه ثوبان ممصّران. رواه احمد عن أبي هريرة مرفوعا. (مسند أحمد: ١٥/ ١٥٤) والممصّر ما فيه صفرة خفيفة.

وفي كتاب الفتن لنعيم: ينزل عند القنطرة البيضاء على باب دمشق الشرقي إلى طرف الشجر، تحمله غمامة، واضعًا يديه على منكب ملكين، عليه ريطتان، مئتزر بإحديهما، مرتد بالأخرى، إذا أكبّ رأسه قطر منه كالجمان، فيأتيه اليهود فيقولون: نحن أصحابك، فيقول: كذبتم، ثم يأتيه النصارى فيقولون: نحن أصحابك، فيقول: كذبتم، بل أصحابي المهاجرون، بقية أصحاب الملحمة، فيأتي مجمع المسلمين حيث هم، فيجد خليفتهم يصلي بهم، فيتأخر للمسيح حين يراه، فيقول: يا مسيح الله، صلّ لنا، فيقول: بل أنت فصلّ لأصحابك، فقد رضي الله عنك، فإنما بعثت وزيرا، ولم أبعث أميرا. (الفتن لنعيم بن حماد: ٢/ ٥٦٧)

وعن كعب: يحاصر الدجال المؤمنين ببيت المقدس، فيصيبهم جوع شديد، حتى يأكلوا أوتار قسيهم من الجوع، فبينا هم على ذلك إذ سمعوا صوتا في الغلس، فيقولون: إن هذا لصوت رجل شبعان، قال: فينظرون فإذا بعيسى ابن مريم، قال: وتقام الصلاة، فيرجع إمام المسلمين المهدي، فيقول عيسى: تقدم، فلك أقيمت الصلاة، فيصلي بهم ذلك الرجل تلك الصلاة، قال: ثم يكون عيسى إماما بعده. (الفتن لنعيم بن حماد: ٢/ ٥٧٧)

وليس في أيّامه إمام ولا قاض ولا مفت وقد قبض الله العلم وخلي

الناس عنه فينزل وقد علم بأمر الله في السماء ما يحتاج اليه من علم هذه الشريعة ليحكم بين الناس والعمل به.

روي نعيم في كتاب الفتن في مدة إقامته وله عن أبي هريرة: يبقي بها أربعين سنة. مسند أحمد مخرجا (١٥/ ١٥٤) رواه أحمد وأبو داود بإسناد صحيح من طريق عبد الرحمن ابن آدم عن أبي هريرة مرفوعا.

ومثله عن كعب: يقيم عيسى ابن مريم عشر حجج، يبشر المؤمنين درجاتهم في الجنة. (الفتن لنعيم بن حماد: ٢/ ٥٧٨)

وعن يزيد بن حبيب: يتزوج امرأة من الأزد ليعلم الناس أنه ليس بإله وقيل يتزوج ويولد ويمكث خمسا وأربعين سنة ويدفن مع النبيﷺ في قبره وقيل يدفن في الأرض المقدسة.

ولما كان نزوله من السماء أمرا يقينيا عند أهل السنة أدخلوه في العقائد وأجمعوا على أنه ينزل لا محالة.

وفي العقائد النسفي وشرحه: ما أخبر به النبي ﷺ من أشراط الساعة من خروج الدّجال ودابة الأرض ويأجوج ومأجوج ونزول عيسى عليه السلام وطلوع الشمس من مغربها فهو حق؛ لأنها أمور ممكنة أخبر بها الصادق.

وقال حذيفة بن أسيد الغفاري: اطّلع النبي صلى الله عليه وسلم علينا ونحن نتذاكر، فقال: ما تذكرون؟ قالوا: نذكر الساعة، قال: إنّها لن تقوم حتى ترون قبلها عشر آيات، فذكر الدخان والدجال والدّابة وطلوع الشمس من مغربها ونزول عيسى ابن مريم عليه السلام ويأجوج ومأجوج وثلاثة خسوف: خسف بالمشرق، وخسف بالمغرب، وخسف بجزيرة العرب، وآخر ذلك نار تخرج من

اليمن، تطرد الناس إلى محشرهم. (صحيح مسلم: ٤/ ٢٢٢٥)
والأحديث الصحاح في هذه كثيرة جدّا، وقد روي في تفاصيلها وكيفيتها، فليطلب من كتب التفسير والسير والتواريخ. انتهي

خلاصہ مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ "إنِّي متوفيك ورافعك إليّ" دلالت کر رہی ہے کہ اٹھانا اللہ تعالیٰ کا عیسیٰؑ کو اپنی طرف بعد توفی کے جو بمعنیٰ موت کے ہے۔ پس ثابت ہوا اس آیت سے برخلاف آیت "وما قتلوه" مذکورہ بالا کہ فوت ہونا عیسیٰ علیہ السلام کا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیاتِ قرآنی میں اصل مخالفت نہیں ہے بلکہ ہماری سمجھ میں فرق ہونے سے مخالفت پیدا ہوتی ہے۔ خصوصًا جو آیات کسی امر کی خبر دے رہی ہیں، ان میں مخالفت کا ہونا ممکن نہیں کیونکہ اس سے کلامِ الٰہی میں کذب لازم آتا ہے۔ اہل علم پر لازم ہے کہ ایسے مقام میں سوچ سمجھ کر وہ تاویل کریں جو کسی احکامِ قطعی کے برخلاف نہ ہو۔ اس طرح اگر اس مقام میں بنظرِ غور خیال کیا جائے تو بالکل مخالفت کا نام تک باقی نہیں رہے گا۔ کیونکہ بنا اس مخالفت کی اس امر پر ہے کہ معنیٰ توفی کے ہر مقام میں موت کے ہیں۔ حالانکہ یہ امر غلط ہے بلکہ معنیٰ اس کے قبض اور استیفاءِ حق کے ہیں جو بغیر موت کے پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ آیت:

{اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَى إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى} [الزمر: ٤٢]

اللہ قبض کر لیتا ہے جانوں کو نزدیک موت ان کی کے اور جو نہیں موئے قبض کرتا ہے ان کو بیچ نیند ان کی کے۔ پس بند کر رکھتا ہے جس کو کہ مقرر کی ہے اوپر اس کے موت۔ اور بھیج دیتا ہے اوروں کو ایک وقت مقرر تک۔

فائدہ

اس آیت میں توفی بمعنیٰ قبض کے مستعمل ہے۔ خواہ وہ قبض موت کے واسطے ہو یا نیند کے واسطے۔ اور دوسری آیت میں توفی صرف نیند کے بارے میں مستعمل ہے:

قال الله تعالیٰ: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَى أَجَلٌ مُسَمًّى﴾ [الأنعام: ٦٠]

اور وہ جو قبض کرتا ہے تم کو بیچ رات کے اور جانتا ہے جو کماتے ہو بیچ دن کے، پھر اٹھاتا ہے تم کو بیچ اس کے، تاکہ پورا کیا جاوے وقت معین۔

فائدہ

ثابت ہوا ان دونوں آیتوں سے کہ توفیٰ کے معنیٰ موت کے نہیں بلکہ قبض کے ہیں۔ پس اس بنا پر آیت "إنّي متوفيك آه" کے معنیٰ آیت "وما قتلوه" کے بالکل موافق ہو گئے۔ یعنی "میں تجھے اپنے قبضے میں کر کے اپنی طرف اٹھالوں گا۔" اگر بالفرض دونوں آیتوں میں تعارضِ صوری قرار دیا جاوے تو اس کے واسطے احادیث کی طرف رجوع کرنا لازم آتا ہے۔ یعنی جس آیت کو حدیث تائید دے سو اس پر عمل کرنا لازم آتا ہے۔ سو اس امر پر احادیث پکار پکار کر بیان کر رہی ہیں کہ عیسیٰؑ آخری زمانہ میں نزول فرما کر انتقال فرمائیں گے۔ اس مقام پر چند احادیث بطور اختصار کے بیان کی جاتی ہیں:

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: والذي نفسي بيده، ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكما عدلا، فيكسر الصليب، ويقتل الخنزير، ويضع الجزية، ويفيض المال حتى لا يقبله أحد، حتى تكون السجدة الواحدة خيرا من الدنيا وما فيها. ثم يقول أبو هريرة: واقرءوا إن شئتم: {وإن من أهل الكتاب إلا ليؤمنن به قبل موته، ويوم القيامة يكون عليهم شهيدا} [النساء: ١٥٩]. (صحيح البخاري: ٤/ ١٦٨)

یعنی امام بخاریؒ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جو جان میری اس کے ہاتھ میں ہے! نزدیک ہے کہ نازل ہوں گے تم میں عیسیٰ بیٹے مریمؑ منصف عدل کرنے والے۔ توڑ دیں گے صلیب نصاریٰ کی اور قتل کریں گے خنزیر کو۔ اور ان کے زمانہ میں کافروں سے

جزیہ لے کر ان کو امان دینے کا حکم نہیں رہے گا بلکہ جو شخص ایمان قبول نہیں کرے گا اس کو قتل کر دیا جاوے گا یعنی کوئی کافران کے زمانہ میں رعیت بن کر زندہ نہیں رہ سکے گا۔ اور مال اس وقت بہت ہو جاوے گا یہاں تک کہ مال کو کوئی قبول نہ کرے گا۔ ایک سجدہ اس وقت میں سب جہاں سے بہتر ہو گا۔ پھر پڑھا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی سند میں یہ آیت: {وإن من أهل الكتاب} آہ یعنی اگر تم کو اس مضمون میں شک ہے تو اس آیت سے اپنے شک کو رفع کرو۔ کیونکہ اس کا مضمون بھی اسی حدیث کے موافق ہے۔

اور حدیث میں وارد ہے کہ جب عیسیٰؑ نزول فرماویں گے نماز میں امام تمھارے میں سے ہو گا۔ یعنی عیسیٰؑ مقتدی بن کر نماز ادا کریں گے تا کہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ یہ اپنی نئی شریعت جاری کریں گے اور نزول آپ کا دمشق میں ہو گا۔ قوم یہود آپ کے پاس آکر کہیں گے کہ ہم آپ کے اصحاب ہیں۔ آپ فرمائیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔ اور اسی طرح نصاریٰ کو کہا جاوے گا۔ فرماویں گے کہ اصحاب میرے وہ ہیں جو مہاجرین ملحمہ سے باقی رہے۔ پس پاویں گے ان کے خلیفہ کو جوان کو نماز پڑھارہا ہو گا۔ آپ کو دیکھ کر وہ پیچھے ہو جاوے گا۔ آپ فرمائیں گے کہ تو ہی نماز پڑھا، تحقیق خدا تعالیٰ تیرے سے راضی ہے۔ مجھ کو خدا تعالیٰ نے وزیر کر کے بھیجا ہے نہ امیر کر کے۔

اور ٹھہرنا آپ کا بعد زمین پر بقیدِ حیات چالیس برس تک روایت کیا گیا ہے۔ اور نکاح کریں گے تاکہ معلوم ہو لوگوں کو کہ یہ خدا نہیں ہیں اور اولاد بھی ہو گی اور دفن کیے جائیں گے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں۔ یہ سب عینی شرح بخاری میں مذکور ہے۔

چونکہ نزول عیسیٰؑ کا آسمان سے یقیناً ثابت ہے، اسی واسطے کتب عقائد میں درج کیا گیا ہے۔ تاکہ ہر شخص اپنے عقیدے میں اس امر کو یقینی خیال کر کے ایمان لائے کہ عیسیٰؑ آخری زمانہ میں آسمان سے نزول فرماویں گے۔ عقائد نسفی میں جو بڑی معتبر کتاب عقائد کی ہے، لکھا ہے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی نشانیاں بیان کی ہیں: دجال کا آنا اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اور طلوع آفتاب

کا مغرب کی طرف سے، سب حق ہے۔ کیونکہ مخبرِ صادق صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کی خبر دی ہے۔

حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم آئے اور ہم باتیں کر رہے تھے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کیا باتیں کرتے ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم قیامت کے آنے کا ذکر کر رہے ہیں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا قیامت ہرگز نہیں آوے گی جب تک دس نشانیاں نہیں ہو لیں گی۔ پھر ذکر کیا دجال اور دابۃ الارض اور طلوع آفتاب کا مغرب سے اور نزول فرمانا عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اور یاجوج ماجوج کا آنا اور تین خسوف: ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں اور تیسرا جزیرۂ عرب میں اور نشانیوں کے بعد آگ نکلے گی یمن سے، ہانکے گی لوگوں کو میدانِ محشر کی طرف۔

اس بیان میں احادیث صحیحہ کثرت سے ہیں۔ بڑی بڑی کتابوں میں یہ امور تفصیل وار بیان ہیں۔ پس جب بموجب تحقیق بالا حیات اور نزول آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا آیات اور احادیث اور اجماع سے ثابت ہوا، منکران امور کا بیشک کافر ہوگا۔

خاتمہ

غرض ہماری اس تحریر سے یہ نہیں کہ قادیانی مسئلہ مذکورہ کے منکر ہونے کے باعث ہی کافر ہے بلکہ غرض ہماری تحقیقِ حق ہے کہ اگر قادیانی میں اور کوئی وجہ ارتداد کی نہ ہوتی تو بھی اس مسئلہ کے انکار سے اس پر کفر عائد ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کا مرتد ہونا اور کئی وجوہ سے ثابت ہے۔ چند وجوہ بطور اختصار بیان کی جاتی ہیں:

۱. ضمیمہ انجام آتھم کے صفحہ ۷ پر اس مرتد نے لکھا ہے: تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار تھیں۔

۲. اور ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۰۴ میں لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے باپ یوسف کے ساتھ نجاری کا کام کیا کرتے رہے ہیں۔ یہ سب کفر ہے۔ خدا تعالیٰ کلامِ پاک میں بیان فرماتا ہے کہ ہم نے عیسیٰؑ کو بلا باپ پیدا کیا۔ یہ مرتد ان کا باپ یوسف نجار بیان کرتا ہے۔

۳. اور جو معجزے قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بیان فرمائے ہیں، ان کو ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۱۰۲ میں اس نے لکھا کہ وہ شعبدہ بازی کی قسم سے ہیں اور دراصل

بے سود اور عوام کو فریفتہ کرنے والے تھے۔ اس کلام کے کفر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ خداتعالیٰ نے وہ معجزات برخلافِ عادت واسطے ایمان لانے لوگوں کے عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر کیے۔ ان کو یہ مرتد عمل مسمریزم اور بے سود بتاتا ہے۔

۴. ازالۃ الاوہام کے صفحات ۱۲۸، ۱۲۹ میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ سورۃ الزلزال کے معنیٰ نہیں سمجھے۔

۵. توضیح مرام میں اس نے لکھا ہے کہ جبریل علیہ السلام کبھی زمین پر نہیں آئے، نہ آتے ہیں۔ ملخصاً صفحہ ٦٨، ۷۰، ۸۵

٦. لکھتا ہے: انبیاء علیہم السلام جھوٹے ہوتے ہیں۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ٦٢٨، ٦٢٩

۷. حضرت محمد ﷺ کی وحی بھی غلط نکلی۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ٦٢٩، ٦٨٨

۸. حضرت رسول اکرم ﷺ کو ابن مریمؑ اور دجّال، یاجوج ماجوج، دابۃ الارض کی خبر نہیں دی۔ ازالۃ الاوہام ص ٦٩١

۹. براہین احمدیہ خدا کا کلام ہے۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۳۳

۱۰. قرآن شریف میں جو معجزے ہیں وہ مسمریزم ہیں۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۸۷ تا ۵۳۷

۱۱. قرآن شریف میں "إنا أنزلناه قريبا من القاديان" موجود ہے۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ۷٦، ۷۷

۱۲. مکہ، مدینہ، قادیان تین شہروں کا نام قرآن شریف میں اعزاز کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ۷٦، ۷۷

۱۳. حضرت رسول اکرم ﷺ خاتم النبیین والمرسلین نہیں ہیں۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ۴۲۱

۱۴. قیامت نہیں ہوگی، تقدیر کوئی چیز نہیں۔ صفحہ دوم ٹائٹل پیج ازالۃ الاوہام

۱۵. آفتاب مغرب سے نہیں نکلے گا۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۱۵

۱٦. عذاب قبر نہیں ہے۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ۴۱۵

۱۷. تناسخ صحیح ہے۔ صفحہ ۸۴ ست بچن

ایسے ایسے کلمات بے شمار ہیں جن کا کفر ہونا علماءِ اسلام پر کیا بلکہ عام عوام پر بھی ظاہر ہے۔
اور جو شخص اعتراض کرے کہ قادیانی اہل قبلہ ہے اس کو کافر کہنا درست نہیں اور نیز جس شخص میں ایک کم سو وجہ کفر کی ہوں اور ایک اسلام کی ہو، اس کو کافر قرار دینا شرعاً منع ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل قبلہ کو کافر کہنا اس وقت تک درست نہیں جب تک اس میں کوئی وجہ کفر کی یقینی موجود نہ ہو۔ مثلاً اگر کوئی رافضی نماز روزہ کا پابند ہو کر اصل پیغمبری حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق گمان کرے تو اس کے کفر میں کس کو کلام ہے۔

اور سو وجہ کفر کے مسئلہ کے یہ معنیٰ ہیں کہ اگر کسی شخص نے ایسا کلمہ کہا کہ جس کے ایک کم سو معنیٰ کفر کی طرف عائد ہوتے ہیں اور بموجب ایک معنیٰ کے وہ لفظ کفر کا نہیں تو ایسی صورت میں مفتی کو لازم ہے کہ بلا تحقیق اس پر کفر کا فتویٰ جاری نہ کرے۔ جیسا کہ ایک شخص کو کسی نے نماز کے واسطے تاکیداً کہا، اس نے نماز سے انکار کیا تو انکار اس کا نماز کو برا جان کر، یا نماز کے فرض ہونے کا منکر ہو کر، یا نماز کا پڑھنا اس کے نزدیک حقیر لوگوں کا کام ہے وغیرہ وغیرہ مرجع کفر کی ہے تو بے شک وہ شخص کافر ہے۔ اگر غرض اس کی اس انکار سے صرف یہی ہے کہ میں نماز کو تیرے کہے سے نہیں ادا کروں گا تو اس صورت میں یہ انکار کفر نہیں ہے۔ ایسی صورتوں میں مفتی کو لازم ہے کہ بلا تحقیق کفر کا فتویٰ نہ دے اور جو امر یقیناً کفر کا کسی میں پایا جاوے جیسا کہ بتوں کو سجدہ کرنا، پیغمبروں کی اہانت کرنا، اس کے کافر ہونے میں کسی کو کلام نہیں، اگرچہ نماز روزہ کا پابند ہو۔ ملا علی قاریؒ نے ان دونوں امروں کو شرح فقہ اکبر میں وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ پہلے فتویٰ میں جو مولانا مولوی رشید احمد صاحب کے جواب میں لکھا گیا ہے اس میں ملا علی قاریؒ کی عبارت درج ہے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس فرقہ کو ہدایت پر لاوے ورنہ ان کے شر سے عوام اہل اسلام کو بچاوے۔ وما توفيقي إلا بالله. آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وأصحابه أجمعين.

نیچری فرقہ کا حکم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال

کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سید احمد خان نیچری نے جوایک جماعت ایسو سی ایشن قائم کی ہے اور لوگوں کو بذریعہ اعلان مطبوعہ اگست ۱۸۸۸ء میں یوں ترغیب دے رہا ہے کہ میری جماعت میں بڑے بڑے ہندو ذی وجاہت مثل راجہ بنارس وغیرہ جو کانگریس کے برخلاف ہیں، شامل ہیں۔ ہر شخص جو شامل ہووے پانچ پانچ روپیہ چندہ ماہواری میرے نام علی گڑھ یا بنارس میں راجہ صاحب کے نام روانہ کیاکرے وغیرہ وغیرہ اور اس کی مدد کے واسطے جابجا ایسو سی ایشنیں، انجمن اسلامیہ کے نام سے لوگوں نے شہروں میں قائم کی ہیں۔ جو شخص ان کے ساتھ اتفاق کرنے سے خلاف معلوم ہوتا ہے اس کے ساتھ طرح طرح کا فساد اور فتنہ برپا کرکے اس کو جبراً ملانا چاہتے ہیں۔ آیا ایسی جماعتیں مسلمانوں کو شامل ہونا اور ان کی مدد کرنا شرعًا درست ہے یا نہیں؟ اور نیچری لوگ بدخواہ اسلام ہیں یانہیں؟

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! اس شخص کی اعانت کرنی اور اس سے علاقہ اور رابطہ پیدا کرنا ہرگز درست نہیں۔ اصل میں یہ شخص شاگرد مولوی نذیر حسین وہابی بنگالی دہلوی غیر مقلد کا ہے اور بنیاد اس فرقہ کی محمد عبدالوہاب نجدی سے شروع ہوئی ہے۔ تخمیناً کچھ اوپر سو برس کا عرصہ ہوا کہ متبعین محمد عبدالوہاب نے سلطان سے باغی ہو کر مکہ معظمہ و مدینہ مطہرہ پر بھی قبضہ کر لیا اور اکثر علماءِ اسلام کو قتل کرڈالا۔ آخر لشکر ظفر پیکرِ سلطانی نے ۱۲۳۶ ہجری میں فتح پاکر ان کے شہروں کو برباد اور

تاراج کیا۔ یہ سب ردالمحتار معروف بشامی شرح در مختار میں مذکور ہے۔ اب تک یہ حال ہے کہ جس شخص میں کوئی علامت وہابیت کی حکامِ حرمین شریفین پاتے ہیں فوراً اس کو گرفتار کر لیتے ہیں۔ مولوی نذیر حسین مذکور جب حج کو گئے، اسی وجہ سے حکامِ حرمین نے ان کو قید کر دیا۔[1] آخر ش بہزار سفارش ومنّت تائب ہو کر رہا ہوئے۔ چونکہ اس ملک کے وہابی یعنی جو غیر مقلد اور کبھی موحّد اور گاہے محمدی اور اہل حدیث کے نام سے اپنے آپ کو نامزد کرتے ہیں، مولوی نذیر حسین کے مقلد اور تابعدار ہیں۔ پس ان کو نیچری کی جو ہم سبق ان کا ہے، ضرور بالضرور مدد کرنی پڑی۔

اور عقائد اس کے بالکل شریعت کے برخلاف ہیں۔ اس نے اپنی تفسیر میں روزہ، رمضان، حج بیت اللہ کی فرضیت سے انکار ظاہر کیا اور وجودِ ملائکہ خصوصًا صاحب وحی جبرائیلؑ جن کے ذریعہ سے کل کتب سماویہ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں، نہیں مانتا اور دوزخ بہشت کا صاف منکر ہے۔ قبلہ رُو ہو کر نماز پڑھنے کو بت پرستی کہتا ہے اور سود کا لینا دینا درست جانتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ جن کی تفصیل جواہر مضیہ فی رد نیچریہ مصنفہ مولانا مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری مطبوعہ ۱۳۰۴ ہجری میں جس پر علماءِ لاہور وغیرہ کی مواہیر ثبت ہیں، موجود ہے۔

اور نیز یہ شخص معجزاتِ انبیاء علیہم السلام اور کراماتِ اولیاءِ عظام کا سخت منکر ہے۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کی طرح بیٹا یوسف نجار کا معاذ اللہ بتاتا ہے۔ حالانکہ خدا جلّ جلالہٗ نے مدلل طور پر پایۂ ثبوت پر پہنچا دیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو بلا باپ پیدا کیا ہے۔

قال الله تعالي: {إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ} [آل عمران: ٥٩]

یعنی تحقیق مثال عیسیٰ کے نزدیک خدا کی مانند مثال آدم کی ہے۔ پیدا کیا اس کو مٹی سے پھر کہا اس کو ہو! پس ہو گیا۔

فائدہ

نصاریٰ اس بات پر حضرت سے بہت جھگڑے کہ عیسیٰ علیہ السلام بندہ نہیں خدا کا بیٹا ہے۔

---

(۱) اسی واسطے غیر مقلد خصوصًا محمد حسین لاہوری حرمین شریفین کے لوگوں کی مذمت اور اہانت کرتا ہے۔ خدا ان کو ہدایت عطا کرے۔

آخر کہنے لگے کہ اگر وہ خدا کا بیٹا نہیں تو تم بتاؤ کہ کس کا بیٹا ہے؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ آدم علیہ السلام کا نہ ماں نہ باپ۔ عیسیٰ علیہ السلام کے باپ نہیں تو کیا عجب ہے! غرض یہ شخص بسبب تکذیب آیاتِ قرآنی کے مرتد ہو کر ملعون ابدی ہوا۔

قال الله تعالي: { كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (٨٦) أُولَئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (٨٧) خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ } [آل عمران: ٨٦ - ٨٨]

یعنی کیونکر ہدایت کرے خدا اس قوم کو کہ کافر ہوئے پیچھے ایمان لانے کے اور گواہی دی یہ کہ رسول ﷺ سچ ہے اور آئیں ان کی پاس دلیلیں اور اللہ نہیں ہدایت کرتا قوم ظالموں کو۔ یہ لوگ سزا ان کی یہ ہے کہ اوپر ان کے لعنت اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی، سب کی۔ ہمیشہ رہیں گے بیچ اس کے۔ نہ ہلکا کیا جاوے گا ان سے عذاب اور نہ ڈھیل دیے جاویں گے۔

اب بنظرِ انصاف خیال کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ ابدالآباد ملعون قرار دے تو اس سے خط وکتابت تعظیمانہ الفاظ سے اور اس کو امورِ دنیاوی میں پیشوا قرار دینا ہرگز درست نہیں۔ دیکھو ہنود، یہود، نصرانی، مجوس وغیرہ کافروں کا نکاح آپس میں موجب دین ان کے جو درست ہے، شرعًا بھی اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔

قال في الهداية: إذا تزوج الكافر بغير شهود وذلك في دينهم جائز ثم أسلما أقِرّا عليه. انتهي

لیکن جو شخص مثل نیچریوں کے اپنے دین سے مرتد ہو جائے۔ تو اس کا کسی عورت مسلمہ کافرہ مرتدہ سے نکاح درست نہیں۔ پس اولاد ان کی ہرگز ثابت نسب نہ ہوگی۔

قال في الهداية: لا يجوز أن يتزوج المرتد مسلمة ولا كافرة ومرتدة

وكذا لا يتزوج المرتدةَ مسلمٌ ولا كافر. انتهي ملخصًا

یعنی مرتد مرد کا کسی عورت سے اور مرتدہ عورت کا کسی مرد سے شرعًا نکاح درست نہیں۔

غرض بلاقبولِ اسلام مرتد اسلامی عملداری میں بودوباش نہیں کرسکتا۔ بخلاف کافر کے۔

قال في الهداية: توضع الجزية على أهل الكتاب وعبدة الأوثان ولا توضع على المرتدين، لا يقبل منهم إلّا الإسلام. انتهي

یعنی اہل کتاب اور ہنود وغیرہ جزیہ قبول کر کے بلاقبولِ اسلام رعایا ہوکر اسلامی عمل داریوں میں رہ سکتے ہیں۔ لیکن مرتد جزیہ قبول کر کے بلاقبولِ اسلام رعیت ہوکر نہیں رہ سکتا۔ مفسدہ پردازی دین اسلام میں قتل سے بڑھ کر ہے۔

قال الله تعالي: {وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ} [البقرة: ١٩١]

اگر کسی کو دوسرے کے خیالات کی نسبت کچھ کلام ہو، تقریرًا یا تحریرًا تسلی حاصل ہو سکتی ہے۔ یا حکام کے ذریعہ سے اپنی دادرسی چاہے، لیکن صرف سینہ زوری اور فتنہ پردازی پر قائم ہوکر امن خلائق میں خلل انداز ہونا شرعًا اور قانونًا سخت منع ہے۔

خلاصہ اس جواب کا یہ ہے کہ نیچریوں کی جماعت میں داخل ہونا اور ان کی مدد کرنی اور ان کی شاخیں شہر بہ شہر قائم کرنی اور فساد برپا کر کے لوگوں کو دھمکا کر نیچری بنانا اور نیچری کو اپنا مقتداء دینی یا دنیاوی امور میں ٹھہرانا ہرگز ہرگز درست نہیں۔ جو فتویٰ نیچریوں نے علماء کو دھوکا دے کر یا خود تیار کر کے نیشنل کانگریس کا حرام یا کفر ہونا ان سے ثابت کرتے ہیں، انہیں پر عائد ہوتے ہیں۔ کیونکہ نیچریوں کی ایسوسی ایشن میں بڑے بڑے متعصّب ہندو مثل راجہ بنارس جو کمال دشمن اہل اسلام کا ہے، داخل ہیں۔ پس اگر نیشنل کانگریس بسبب شمولیت ہنود کے بالفرض ممنوع قرار دی جائے تو جماعت نیچری کی جو ہنود متعصبین اور مرتدین وغیرہ سے فراہم کی جاتی ہے، بطریق اولیٰ مآلِ کار اور انجام اس کا مضر اسلام سمجھ کر کفر قرار دینا بحکم "المرء يؤخذ بإقراره" ان کو پڑا۔

پس اے بھائیو! دیدہ دانستہ اپنے آپ کو قعرِ ضلالت میں نہ ڈالو اور اپنے اسلام کو ہاتھ سے نہ دو۔

قال الله تعاليٰ: {وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ

وَالْعُدْوَانِ} [المائدة: ٢]

خدا تعالیٰ فرماتا ہے: مدد کرو او پر نیکی اور پرہیز گاری کے اور نہ مدد کرو او پر گناہ اور ظلم کے۔

وما علينا إلا البلاغ

آخر دعوانا ان الحمد الله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله محمد صلي الله عليه وسلم وأصحابه واتباعه اجمعين.

خادم الطلباء محمد عفی عنہ لودھیانوی

یہ خلاصہ اس تقریر کا ہے جو میں نے روز جمعہ روبرو تخمیناً ایک ہزار آدمی جن میں وکلاء ضلع بھی موجود تھے، (سائل) علی متوطن بمبئی کے سوالات کے جواب میں بیان کیا تھا۔ مولوی محمد صاحب اخویم مفتیِ لدھیانہ نے میری تقریر کو لباسِ فاخرانہ پہنا کر یہ استفتاء تحریر فرمایا۔

جزاه الله عني وعن سائر المسلمين خير الجزاء في دار الفناء والبقاء وهو خير المحسنين. صلي الله على خير خلقه محمد ﷺ وأصحابه أجمعين.

عبد العزیز عفی عنہ لودھیانوی

کل اجوبہ صحیح طور پر اُخوَي (میرے چھوٹے بھائی) صاحب مد ظلہ نے تحریر فرمادیں۔ اور تحریراتِ سید احمد خان سے صاف ظاہر ہے کہ منکر کتب سماویہ کا صریح طور پر ہے۔ اس کے کافر و مرتد ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔

قال الله تعالي: {إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا} [النساء: ١٣٧]

نیچری اور ہم عقیدہ اس کا دونوں کافر اور مرتد ہیں اور ان کا کوئی عمل مقبول نہیں۔

قال الله تعالي: {وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي

الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ} [المائدة: ٥]

جمیع انجمن ہائے اہل اسلام پر لازم ہے کہ اس نیچری کے کلمات اور اخبارات کا معاملات دینی ودنیاوی میں ہرگز اعتبار نہ کریں۔

قال الله تعالي: {وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا} [النساء: ١٤١]

در مختار میں لکھا ہے (کہ جس کا فتویٰ ملک عرب وعجم خصوصًا حرمین شریفین میں جاری ہے):

ويبطل من المرتدّ اتفاقا ما يعتمد الملة وهي خمس: النكاح والذبيحة والصيد والشهادة والارث. (الدر المختار: ص ٣٤٨)

اس مسکین کے خیال میں ایک اور امر ضروری ہے۔ اگرچہ متعلق فتویٰ کے نہیں ہے۔ وہ یہ ہے چونکہ خدا تعالیٰ کے فضل اور کرم سے سرکار دولت مدار ہمارے دینی امور میں حارج نہیں، اس امر کا شکریہ ادا کرکے حاکم وقت سے اس امر کی التجا کرنی چاہیے کہ ایک ایک قاضی و مفتی شہروں میں اور ایک ایک نائب ان کا قصبات میں مقرر کیے جاویں اور جمیع مقدماتِ دیوانی اہل اسلام کے سپرد ان کے کیے جاویں۔ امید قوی کرتا ہوں کہ اراکین نیشنل کانگرس بھی اس امر پر اتفاق کریں گے، کیونکہ ان کو فوائد عام خلائق کے مدِّ نظر ہیں اور قانون مجریہ حال کے یہ امر مخالف نہیں۔

صلي الله على خير خلقه محمد ﷺ واله وأصحابه اجمعين

الراقم

عبداللہ لودھیانوی عفی عنہ

اگر ہندو مسلمان باہم شرکت بیع و شراء اور تجارت میں کرلیویں، اس طرح کہ کوئی نقصان دین میں یا خلاف شروع معاملہ کرنا اور سود اور بیع فاسد کا قصہ پیش نہ آوے، جائز ہے اور مباح ہے۔ مگر سید احمد سے تعلق رکھنا نہیں چاہیے۔ اگرچہ وہ خیر خواہی قومی کا نام لیتا ہے یا واقع میں خیر خواہ ہو مگر اس کی شرکت مآلِ کار اسلام و مسلمان کو سم قاتل ہے۔ ایسا میٹھا زہر پلاتا ہے کہ آدمی ہرگز نہیں بچتا۔ پس اس کے شریک مت ہونا اور ہنود سے شرکت معاملہ کرلینا۔

اور اگر ہنود کی شرکت سے اور معاملہ سے بھی کوئی خلافِ شروع امر لازم آتا ہو یا مسلمانوں کی

ذلّت یا اہانت یا ترقی ہنود ہوتی ہو، وہ کام بھی حرام ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا اسی طرح پر ہے اور بس۔ فقط

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

نیچری لوگ شریعت کی رو سے مرتد ہیں۔ معاملہ دنیاوی ان کے ساتھ کرنا شرعًا مسلمانوں کو حرام ہے۔ مدد کرنی ان کی کسی امر میں ہرگز جائز نہیں بلکہ مددگاران کا بھی ان میں شرعًا گنا جاتا ہے۔

قال الله تعالي: {وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ} [المائدة: ٥١]

یعنی جو کوئی محبت کرے گا تم میں سے ساتھ ان کے، پس تحقیق وہ انہیں میں سے ہے۔

اور ہنود سے معاملہ دنیاوی کرنا بشرط حفاظت دین اپنے کے منع نہیں۔ فقط

اسماعیل عفی عنہ لودھیانوی

لا شكّ في صحة الأجوبة

عبدالواحد لودھیانوی

یہ سب تحریر میری نظر سے گذری۔ اس میں کچھ شک وشبہ نہیں کہ نیچریوں سے ارتباط واختلاط موجب مضرّتِ دین ہے اور ہنود سے معاملہ بیع وشراء یا اور معاملہ دنیا کا رکھنا بشرط عدمِ نقصانِ دین موافق جواب مذکور کے جائز ہے۔ فقط

ناصر الاسلام محمد شفیع رامپوری

یہ تمام تحریر جناب مولوی صاحبان کی بموجب شریعت احمدیؐ نہایت مدلل ہے۔

نظام الدین عفی عنہ لودھیانوی

حسب الفہم جوابات کو دریافت کیا۔ بہت صحیح اور عمدہ موافق قرآن اور حدیث کے پائے۔

بندہ رکن الدین عفی عنہ سکنہ لدھیانہ

کل اجوبہ کو بخوبی نظر غور سے دیکھا، صحیح پایا۔

بندہ محمد اسحاق لودھیانوی

خلاصہ انتظام المساجد
باخراج اہل الفتن والمفاسد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص کسی مذہب کا مذاہب اربعہ سے مقلد ہو کر تقلید کو شرک و حرام جان کر ترک کرے اور ائمہ دین خصوصًا امام اعظم کو موردان آیات کا قرار دے جو کفار کے حق میں وارد ہیں اور سیدنا امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو بسبب بیس تراویح کے بدعتی کہے اور استقرار خدا جلّ جلالہٗ کا عرش پر ثابت کرے اور مطلقہ ثلاثہ کو بدوں حلالہ کرنے کے واسطے شوہرِ اوّل کے جوازِ نکاح کا فتویٰ دے اور واسطے جوازِ مواکلت و مشاربت اہل کتاب کے یہ سند افترائی گزارے کہ جو قروط بآمیزش چربی خنزیر تیار کیے ہوئے اہل کتاب کے یمن سے آیا کرتے تھے، معاذاللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کھایا کرتے تھے۔ جیسا مولوی عطا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوشیار پوری نے رسالہ اظہار الحق میں لکھا ہے اور اس رسالہ پر مواہیر مولوی نذیر حسین اور مولوی محمد حسین لاہوری وغیرہ کی ثبت ہو کر لاہور میں چھپ کر پادریانِ لدھیانہ کے پاس آیا اور اخبار نور افشاں میں دیر تک چھپتا رہا۔ آیا ایسا شخص زمرہ اہل حق سے خارج ہے یا نہیں اور ایسے شخص کو بایں نیت کہ اس کے آنے سے عوام اہل اسلام کے عقائد بگڑ جاتے ہیں، مساجد سے اخراج کرنے والا وعید آیت: "{وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَا} [البقرة: ١١٤]" میں داخل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّھم أرنا الحقّ حقاً والباطل باطلاً! ایسا شخص زمرۂ اہل حق سے خارج ہے کیونکہ تقلید

ائمہ دین کی جمیع ممالک اہل اسلام بمعہ حرمین شرفین واولیاء کرام وسلاطین عظام میں اور قدیم الزمان سے جاری ہے اور منکرین پر تعزیر لگائی جاتی ہے اور ان لوگوں کے حق ہونے پر آیات اوراحادیث ناطق ہیں۔ یعنی وراثت زمین بطور غلبہ اور امن اور اقامت جہاد وغیرہ جو امّت محمدیہ ﷺ کے حق میں شارع سے منصوص ہیں، سب ان میں موجود ہیں۔

قال الله تعالى: {وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا} [النور: ٥٥]

فرمایا اللہ جلّ جلالہ نے: وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے کہ ایمان لائے تم میں سے اور کام کیے اچھے، البتہ خلیفہ کرے گا ان کو بیچ زمین کے جیسا خلیفہ کیا تھا ان لوگوں کو کہ پہلے ان سے تھے۔ اور البتہ ثابت کرے گا واسطے ان کے دین ان کا جو پسند ہے واسطے ان کے۔ اور البتہ بدل دے گا ان کو پیچھے ڈر ان کے کے امن۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے واسطے حقیت سنّت وجماعت وابطالِ مذہب رفض انہیں آیات کو تحفہ اثناعشریہ میں دلیل پکڑا ہے۔

قال رسول الله ﷺ: الجهاد ماض مذ بعثني الله إلى أن يقاتل آخر هذه الأمّة الدجال. (سنن أبي داود: ٣/ ١٨)

یعنی فرمایا رسول خدا ﷺ نے کہ جہاد ہمیشہ قائم رہے گا جب سے پیغمبری عطا ہوئی ہے مجھ کو یہاں تک کہ مار ڈالے گا آخر اس امّت کا دجال کو۔

فائدہ

پس اگر تقلید امامانِ دین کی مرضیاتِ حق سے نہ ہوتی تو ہرگز ممالک اہل اسلام میں بموجب قولہ تعالیٰ: وليمكنن لهم دينهم جو آیت مذکورہ بالا میں خدا جلّ شانہٗ بطور دین جاری نہ ہونے دیتا، اسی

طرح مردود ہے۔ امامانِ دین خصوصًا حضرت عمرؓ کو بدعتی کہنے والا جن کی شان میں آیات واحادیث وارد ہیں بلکہ چودہ آیات حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق نازل ہوئیں اور حضرت ﷺ نے ان کے حق میں فرمایا:

عن ابن عمر قال: قال رسول ﷺ: إن الله جعل الحق على لسان عمر وقلبه. (سنن الترمذي: ٦/ ٥٨)

یعنی مقرر اللہ نے پیدا کیا حق بات عمر کی زبان اور دن پر۔

اور اسی طرح عرش پر مستقر جاننے والا خدا جلّ شانہ کو مردود ہے۔

قال الرّازي تحت قوله تعالى: ثم استویٰ على العرش: إنّ القول بأنّه تعالى مستقرّ على العرش أو جالس على العرش أو بجهة فوق وطرف علو باطل مردود بوجوه عقلية ونقلية.

اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے عقد الجید میں لکھا ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کو بدوں حلالہ کے درست کہنے والے عالم کو روسیاہ کر کے نکال دینا لازم ہے۔

وهذه عبارته: فقيه يفتي بمذهب سعيد بن المسيب ويزوّج للزوج الأوّل بقيت مطلقة بثلاث تطليقات كما كانت، ويسوّد وجهه ويبعد. انتهي

چونکہ تقلید شخصی کے وجوب اور عدمِ وجوب میں اگرچہ بعض مقدّمین کو کلام ہے، لیکن مستحسن ہونے اس کے میں کسی اہل حق کو کلام نہیں۔

كيف وقد قال الله تعالى: {وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ} [لقمان: ١٥] ولا شك أن الأيمة الأربعة من المنيبين إلى الله.

پس تقلید کو حرام اور مقلدین کو مشرک کہنے والا شرعًا کافر بلکہ مرتد ہوا۔

لأن تحريم ما أحل الله وإكفار المسلم كفر والكفر بعد الإسلام ارتداد، ولذا قال في التفسير النيسابوري: أجمع العلماء لو أنّ مسلما

ذبح ذبيحة وقصد بذبيحته التقرّب إلى غير الله صار مرتدا.

اور افتراء مندرجہ استفتاء درباب اکلِ قروط مذکور آنحضرت ﷺ پر کفرِ صریح اور ارتدادِ قبیح ہے۔

وذكر صاحب تحفة الأخلاء بما حاصله: قتل السابّ والمفتري حدّا وإن ظهر التوبة منه ولا يقبل عذره بالجهل؛ لأنّ معرفة ذات الله وصفاته وما يتعلق بالأنبياء فرض عين، ولهٰذا أفتي فقهاء الأندلس بقتل ابن حاتم باستخفافه بحقّ. يعني ويجب على العلماء إنكاره وبيان كفره. لا يجوز التّهاونُ عنها. إذا سمعت هٰذا فلا شكّ بأنّ إخراجهم من المساجد من الواجبات المهمّة.

خلاصہ مطلب اس کلام کا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر افتراء کرنے والا مرتد ہے اور حکامِ اہل اسلام کو لازم ہے کہ اس کو قتل کریں۔ اور عذر داری اس کی بایں وجہ کہ مجھ کو اس کا علم نہیں تھا، شرعًا قابل پذیرائی نہیں بلکہ بعد توبہ کے بھی اس کو مارنا لازم ہے۔ یعنی اگرچہ توبہ کرنے سے مسلمان ہوجاتا ہے، لیکن ایسے شخص کے واسطے شرعًا یہی سزا ہے کہ اس کو حکامِ اہل اسلام قتل کرڈالیں۔ یعنی جیسے حدِ زنا توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتی اسی طرح یہ حد بھی تائب ہونے سے دور نہیں ہوتی اور علماء اور مفتیانِ وقت پر لازم ہے کہ بہ مجرّد مسموع ہونے ایسے امر کے اس کے کفر اور ارتداد کے فتوے دینے میں تردّد نہ کریں ورنہ زمرہ مرتدین میں یہ بھی داخل ہوں گے کیونکہ صیانت انبیاء کی طعن اور نقص سے ہر فرد مکلف پر ہر لحظہ ضروریاتِ دین سے ہے۔

اسی واسطے علماءِ شہر اندلس نے ابن حاتم کو جوذی علم اور ہم جلیس مفتی وقت کا تھا، بہ مجرّد اطلاق کرنے لفظ یتیم کے آنحضرت ﷺ پر حکامِ وقت سے قتل کرواڈالا۔ اور عوام اہل اسلام پر لازم ہے کہ بہ مجرد وقوع ایسے مفسدہ کے مدّعی اور گواہ ہوکر حکام سے سزایابی اس کی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں اور اس کے نزدیک جانے سے لوگوں کو باز رکھیں۔ یعنی ملاقات اور صحبت اس کی کو زہر قاتل سے بدتر تصوّر کریں ورنہ بموجب آیت: {وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ} [المائدة: ٥١] اور آیت {تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ... الي قوله: مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ} [المائدة: ٨٠،

۸۱] الآية" زمرہ مرتدین میں داخل ہوگا۔

اور آیت {وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ} [البقرة: ١١٤] الآية جو سوال میں درج ہے، اس سے یہ مراد نہیں کہ کسی کو مسجد سے نکالنا درست نہیں۔ دیکھو خود پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ پیاز وغیرہ بودار چیز کھانے والا ہماری مسجد میں نہ آوے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجذومہ عورت کو طوافِ کعبہ سے بسبب ایذاء کے منع کر دیا۔ یہ دونوں مسئلے مشکوۃ شریف اور موطا امام محمد میں موجود ہیں۔ اور تفسیر عزیزی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے ایک واعظ کو جو ناسخ منسوخ کا علم نہیں رکھتا تھا، مسجد سے نکال دیا۔ اور کتاب اشباہ ونظائر میں ہے کہ جو شخص لوگوں کو زبان سے ایذا پہنچاوے اس کو مسجد سے نکال دینا چاہیے۔ پس جبکہ روکنا مسجد سے بہ سبب بوئے پیاز اور طواف سے بہ سبب علّت جذام اور نکالنا واعظ کا بہ سبب عدمِ امتیازِ ناسخ ومنسوخ اور زبانی ایذا دینے والے کا نکالنا شرعًا درست ہوا تو غیر مقلدوں کو جو جامع امور مذکورہ کے ہیں، نکالنا بطریق اولیٰ درست ہوا۔ اور نیز بہ سبب لحقوق اس مرضِ باطنی کے جو جذام سے بڑھ کر ہے اور مساجد میں ان کے آنے سے فتنہ اور فساد برپا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

قال الله تعالي: {وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ} [المائدة: ٦٤]

یعنی خدا تعالیٰ جلّ شانہٗ اپنی کلام پاک میں فرماتا ہے کہ اللہ نہیں دوست رکھتا فساد کرنے والوں کو۔

پس اس فرقہ فسادی کا مساجد سے نکالنا بموجب آیات اور احادیث اور روایاتِ فقہیہ کے درست ہوا۔

محمد لودھیانوی

وطی سے پہلے طلاق کی صورت میں مہر کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ قبل وطی کرنے اور خلوت کے وہ عورت خانۂ شوہر سے چلی گئی وہ عورت مستحق کل مہر لینے

کی ہے یا نہیں؟

جواب

اللّٰهم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! بلا وطی اور خلوتِ صحیحہ کے کل مہر ذمّہ شوہر کے واجب نہیں ہوتا۔ البتہ اگر ایسی صورت میں طلاق دی جاوے تو نصف مہر کا دعویٰ کر سکتی ہے جیسا کہ در مختار میں لکھا ہے:

ویجب نصفه بطلاق قبل وطي أو خلوة. (الدر المختار: ص ۱۸۸)

یعنی واجب ہوتا ہے نصف مہر اگر طلاق قبل وطی یا خلوۃ کے شوہر نے زوجہ کو دی ہو۔ والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

خادم الطلباء محمد بن مولانا مولوی عبد القادر صاحب مرحوم لودھیانوی

تین طلاق کی عدت کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو تین طلاق دے دے تو اس شخص کا پھر دعویٰ اپنی زوجہ پر باقی رہتا ہے یا نہیں؟ اور اس عورت کو نان نفقہ شوہر سے ملنا چاہیے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! بعد تین طلاق دینے کے شوہر کا دعویٰ بالکل ساقط ہو جاتا ہے بعد گزرنے عدّت کے عورت کو اختیار ہے، سوائے شوہر اوّل کے جس سے چاہے نکاح کرے۔ اور ایامِ عدّت کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے۔

قال في الدر المختار: وتجب النفقة لمطلقة الرجعي والبائن. (الدر

المختار: ص ٢٦٣) والله أعلم وعلمه أتم

الراقم

خادم الطلباء محمد لودھیانوی

شوہرِ ثانی کے طلاق دینے کے بعد شوہرِ اول سے نکاح کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دے دیں۔ بعد دو ماہ کے اس عورت نے کسی اور شخص سے نکاح کر لیا۔ اس عرصہ میں اس کو تین حیض آچکے تھے۔ شوہرِ ثانی نے وطی کر کے اس کو طلاق دے دی اور عدت بھی گذر گئی۔ آیا اب اس عورت کا شوہرِ اوّل سے نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! شوہرِ اوّل پر وہ عورت شرعاً جائز ہے کیونکہ مطلقہ کی عدت تین حیض ہیں، مہینوں کی قید اس میں نہیں۔ پس جب اس عورت نے بعد تین حیض گذرنے کے نکاح دوسرے شخص سے کر لیا اور اس نے بعد وطی کرنے کے طلاق دے دی اور عدت بھی گذر گئی، اب یہ عورت شوہرِ اوّل کو بالکل حلال ہے۔ كذا في كتب الفقه والله أعلم وعلمه أتم

الراقم

محمد لودھیانوی

شرط لگا کر طلاق دینے کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو

اس شرط پر طلاق دی کہ سوائے موضع راہوں وکریام وکھماچوں جس جگہ چاہے نکاح کرے، مگر مقامات مذکورہ میں نکاح نہ کرے۔ آیا شرعًا یہ شرط باطل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! شرطِ مذکور باطل ہے۔ یعنی طلاق اس عورت پر پڑگئی اور جو شرط اس کے شوہر نے لگائی ہے وہ باطل ہے۔ جیسا کہ در مختار میں لکھا ہے:

وما يصحّ ولا يبطل بالشرط الفاسد القرض...إلى قوله والطلاق والخلع. انتهي (الدر المختار: ص ٤٤٥) وفي الشامي كطلقتك على أن لا تتزوّجي غيري. اه (رد المحتار: ٥/ ٢٥٠)

یعنی طلاق میں اگر کوئی شرط لگاوے کہ نکاح تو کسی سے نہ کرنا۔ تو یہ شرط باطل ہے اور طلاق صحیح ہے۔ یعنی جن تین مقامات سے شوہر نے منع کیا تھا، اگر ان مقامات جاکر نکاح کرے تب بھی درست ہے، شرعًا منع نہیں۔ واللہ أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

طلاق کے بارے میں بیوی اور شوہر کے اختلاف کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے اپنے شوہر پر دعویٰ طلاق کا کیا اور شوہر نے انکار ظاہر کیا۔ جانبین سے بالمقابل شہادت عدالت میں پیش ہوئی۔ آیا اس صورت میں گواہانِ مدّعیہ سے طلاق ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! بشہادتِ مدّعیہ طلاق شرعًا ثابت ہوسکتی ہے۔

صرف مدّعیہ کے گواہوں کا اعتبار ہے۔ مدّعیٰ علیہ یعنی شوہر کو یہ رتبہ نہیں کہ اپنی طرف سے شہادت پیش کر کے طلاق سے بریّت ظاہر کرے۔ اگر مدّعیہ کے پاس شہادت طلاق کی کافی نہ ہوتی تو مدّعیٰ علیہ یعنی شوہر اپنے انکار پر عدالت میں حلف کرتا تو ضرور طلاق سے بری ہو جاتا۔

قال في الدر المختار: ويسأل القاضي المدّعي عليه بعد صحة الدعويٰ فإن أقرّ أو أنكر فبرهن المدّعي يقضي عليه وإلّا حلفه، ولو اصطلحا أنّ المدعي لو حلف فالخصم ضامن وحلف لم يضمن واليمين لا تردّ على المدّعى. انتهي (الدر المختار: ص ۵۱۲) والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد بن مولانا مولوی عبد القادر صاحب مرحوم لودھیانوی

دورانِ عدت نکاح کو حلال سمجھنے والے کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص نے عدت کے اندر نکاح کر لیا اور اس کے حرام ہونے کا اس کو علم نہیں تھا۔ اس واسطے اس کو حلال جان کر اس کا مرتکب ہوا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ نکاح شرعاً حرام ہے۔ آیا ایسے شخص کا جو اس نکاح میں معاون تھے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! چونکہ نکاح عدّت کے اندر حرامِ قطعی ہے اور حرام قطعی کے حلال جاننے سے کفر عائد ہوتا ہے۔

في الفقه الأكبر: ولا يكفّر مسلما بذنب من الذنوب وإن كانت كبيرة، ما لم يستحلها. انتهي

قال العليّ القاريّ في شرحه: أي ليكن إذا لم يعتقد حليتها؛ لأنّ من أحل معصية قد ثبتت حرمتها بدليل قطعي فهو كافر. انتهي

جہل یعنی اس کی حرمت کا علم نہ ہونا اگرچہ بعض کے نزدیک عذر ہے لیکن اکثر کے نزدیک جہل عذر نہیں۔

قال القاري أيضا: ولا يعذّر بالجهل وهذا عند عامّة العلماء خلافا للبعض. انتهي

لہٰذا احتیاط اس میں ہے کہ جو لوگ اس امر میں شامل تھے سب کے سب اپنا اپنا نکاح دوبارہ کراویں۔ اور اس امر سے برسرِ اعلان توبہ کریں اور حسب مقدور ہر شخص بعد نکاح کے مساکین کو کھانا کھلاوے۔ اوّل سب سے قاضی اپنا نکاح دوبارہ کرواوے اور سب سے زیادہ جرم قاضی کا ہے کیونکہ یہ مسئلہ قاضیوں کو اکثر معلوم ہوتا ہے۔ اس کا عذر پکڑنا کہ میں جانتا نہیں تھا کہ عدت میں نکاح حرام ہوتا ہے، بالکل مقبول نہیں۔ والله أعلم وعلمه أتمّ

خادم الطلباء محمد

دورانِ عدت نکاح فاسد ہے یا باطل؟

سوال

باسمہٖ سبحانہ

ما قول العلماء الحقانية والفضلاء الربانية أن النكاح في العدة فاسد أو باطل؟ بينوا توجروا. فقط

جواب

اللّٰهُمّ أرنا الحقّ حقاً والباطل باطلاً! النكاح المذكور فاسد. والفرق بين الفاسد والباطل ثابت، لا كما زعم بعض أبناء زماننا، فإنّ النسب يثبت بالنكاح الفاسد بخلاف الباطل كما هو مصرح في الفقه. والحدّ يسقط في الفاسد عنده، فلا يحدّ. فاحفظه فإنّه من مزلّة الأقدام. والله أعلم وعلمه أتمّ

محمد لودھیانوی

شوہر نے کہا میں نے اپنی عورت کو تین برس سے طلاق دی ہوئی ہے

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص نے کہا کہ میں نے اپنی عورت کو تین برس سے طلاق دی ہوئی ہے۔ اگر یہ بیان اس کا واقعی نہ ہو تو اس عورت کا شرعًا کیا حکم ہے؟ بينوا توجروا! فقط

جواب

اللّهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! اس عورت پر فی الحال طلاق پڑ گئی۔ یعنی اگر پہلے سے طلاق دینا اس کا کذب قرار دیا جاوے تو عورت اس بیان کرنے کے وقت سے شرعًا مطلقہ قرار دی جائے گی۔ جیسا کہ در مختار میں لکھا ہے:

لو قال أنت طالق أمس ونكحا قبل أمس يقع الآن، لأنّ الإنشاء في الماضي إنشاء في الحال. انتهي ملخصا (الدر المختار: ۳/ ۲٦٦)
والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

ایک مسجد چھوڑ کر دوسری جگہ تعمیر کر لینا

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ اگر اہل مسجد بسبب کسی وجہ کے دوسری جگہ میں مسجد تعمیر کر لیں اور مسجدِ اوّل کو بالکل چھوڑ دیں یعنی اس میں نمازی نماز پڑھنی ترک کر دیں اور اس کا اسباب نو تعمیر شدہ مسجد میں خرچ کریں، شرعًا درست ہے یا نہیں؟

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! **ایک مسجد چھوڑ کر بسبب تنگی وغیرہ کے مسجد کے عوض میں دوسری جگہ فراخ مقام میں تعمیر کر لینا شرعًا درست ہے۔**

لما قال في ردّ المحتار ناقلا عن جامع الفتاوي: لهم تحويل المسجد إلى مكان آخر إن تركوه بحيث لا يصلي فيه، ولهم بيع مسجد عتيق لم يعرف بانيه وصرف ثمنه إلى مسجد آخر. انتهي (رد المحتار: (٤/ ٣٥٧) والله أعلم وعلمه أتمّ

خادم الطلباء

محمد لودھیانوی

مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ایک عورت سے زنا کرتا رہا۔ بعدہٗ اس نے اس کی دخترِ نابالغہ سے نکاح کر لیا۔ کچھ دیر بعد اس عورت کو جو اس دختر کی والدہ تھی اسی شخص سے زنا کا حمل ہو گیا۔ آیا اس شخص کا نکاح اس کی دختر سے جو کیا تھا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں تو اس شخص کا نکاح اس دختر کی والدہ سے جو اس سے حاملہ ہے شرعًا درست ہے یا نہیں؟ اس شخص نے اس دختر سے وطی نہیں کی اور نہ وہ اب تک حدِّ بلوغ کو پہنچی ہے۔ بينوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! **نکاح کرنا اس شخص کا اس عورت کی دختر سے شرعًا درست نہیں کیونکہ وہ دختر محرّمات سے ہے۔**

قال في الدر المختار: وحرم أصل مزنيته وفروعها. انتهي ملخصاً

(الدر المختار: ص ۱۸۰)

یعنی حرام ہے نکاح کرنا مزنیہ کی مادر سے اور مزنیہ کی دختر سے۔

وفيه أيضا: وهو عقد يفيد ملك المتعة من امرأةٍ لم يمنع من نكاحها مانعٌ شرعي فخرج الذكر والمحارم. انتهيٰ ملخصاً (الدر المختار: ص ۱۷۷)

یعنی نکاح وہ عقد ہے جس سے فائدہ اٹھانا عورت سے درست ہو۔ پس جو عورتیں شرعًا حرام ہیں مثل دخترِ مزنیہ وغیرہ کے، نکاح ان سے نہیں ہوسکتا۔ جب وہ نکاح درست نہیں ہوا تو اس شخص کو اس عورت سے جو اس کی منکوحہ کی مادر ہے اور اس کے زنا سے وہ حاملہ ہے، نکاح کرنا شرعًا درست ہے۔ جو حمل زنا سے ہو اس کے واسطے عدت ضروری نہیں، نکاح درست ہے۔ البتہ اگر زنا کرنے والے کا حمل ہے تو اس کو بعد نکاح کے وطی کرنی بھی درست ہے۔ اور اگر کسی اور شخص نے اس حاملہ سے نکاح کرلیا تو نکاح درست ہے لیکن جب تک حمل اس کا باہر نہ آوے وطی اس سے نہ کرے۔

قال في الدر المختار وشرحه: فلا عدّة لزنا بل يجوز تزوج المزنيّ بها وإن كا نت حاملا لكن يمنع عن الوطء حتى تضع. انتهي (الدر المختار: ص ۲۴۵) والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

بالغہ کے نکاح میں ولی ضروری نہیں

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بیوہ نے اپنی دختر کا نکاح کرا دیا اور اس دختر کو اس اثنا میں حیض آچکا تھا۔ بعد میں اس کے چچا نے دعویٰ کیا کہ اس کا ولی میں ہوں۔ میری موجودگی میں والدہ کو اس کے نکاح کر دینے کا اختیار نہیں ہے۔ اس واسطے اس کا نکاح شرعًا نہیں

ہوا؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰھُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! نکاحِ مذکور شرعًا درست ہے کیونکہ مسمات مذکورہ بسبب حیض آنے کے شرعًا بالغہ ہوگئی اور بالغہ کے واسطے شرعًا ولی کا ہونا ضرور نہیں، وہ خود مختار ہے۔ جب اس کی والدہ نے نکاح کرادیا اور اس کے گھر آباد رہی اور اس نکاح سے انکار نہیں کیا جس سے رضامندی اس کی واسطے نکاح کے ثابت ہوگئی۔ کذا في کتب الفقه والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

شیعہ سنی کے مابین نکاح کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مابین شیعہ و سنی کے نکاح درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰھُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! چونکہ اس ملک ہند کے کل اہل رفض سبّیہ ہیں یعنی اصحاب ثلاثہ و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کو بدی سے یاد کرتے ہیں اور یہ امر موجب کفر ہے دو وجہ سے:

وجہ اوّل: یہ ہے کہ سبِّ اصحاب حرامِ قطعی ہے اور حرامِ قطعی کو جو حلال سمجھے وہ شرعًا کافر ہے۔ چونکہ یہ لوگ سبِّ اصحابِ کبار کو حلال بلکہ عبادت جان کر اس کا ارتکاب کرتے ہیں۔ پس ان کے کفر میں کیا شک ہے۔

وجہ دوسری: یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بزرگی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکی قرآن شریف میں صراحتً بیان ہے۔ اور یہ لوگ ان کی بزرگی سے بالکل انکاری ہیں۔ اور جو شخص قرآن

شریف کی نصوصِ قطعیہ سے منکر ہو وہ سب علماء کے نزدیک کافر ہے۔ لہٰذا مابین سنی اور رافضی کے نکاح نہیں ہوسکتا کیونکہ نکاح کے واسطے ایمان دار ہونا زوجین کا یا زوجہ کا کتابیہ ہونا شرط ہے۔ بدوں اس کے نکاح درست نہیں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے فتاویٰ عزیزی میں لکھا ہے کہ نکاح مابین شیعہ و سنی کے مذہب حنفی میں درست نہیں۔ عبارت ان کی بجنسہٖ نقل کی جاتی ہے:

نکاح کردن درمیانِ مردِ سنی وزنِ شیعہ مبنی بر تکفیر وعدمِ تکفیرِ ایں فرقہ است۔ در مذہب حنفی موجب روایاتِ مفتٰی بہ حکم فرقہ شیعہ حکم مرتد است۔ چنانچہ در فتاویٰ عالمگیری مرقوم است۔ پس نکاح کردن از زن کہ دریں فرقہ باشد درست نیست۔ واللہ أعلم وعلمہ أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

رضاعت کی مدت گزرنے کے بعد بچے کو دودھ پلانا معتبر نہیں

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے لڑکا پیدا ہوا۔ بعد تین سال کے لڑکی پیدا ہوئی اور والد پسر مذکور کا قبل ولادت لڑکی کے انتقال کرگیا اور لڑکی بھی ایک ماہ زندہ رہ کر انتقال کرگئی۔ بعد وفات لڑکی مذکور کے اس کی والدہ چھ ماہ حیات رہ کر انتقال کرگئی اور لڑکا ایامِ ولادت سے تا وفاتِ والدہ تک بدستور شیر پیتا رہا۔ بعد والدہ پسر مذکور کے اس کی جدہ یعنی نانی نے جو کہ عرصہ سے بیوہ تھی اپنی چھاتی سے لگایا اور پسر مذکور کو بعرصہ دراز شیر پلایا۔ اب پسر مذکور کا دخترِ خالہ پسر مذکور سے نکاح عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! نکاح اس کا دخترِ خالہ سے درست ہے اور شیر پینا

اس پسر کا اپنی نانی سے نکاح کو مانع نہیں کیونکہ اس وقت عمر پسر مذکور کی تین سال سے زائد تھی اور دودھ پینے سے رضاعت شرعی تب ثابت ہوتی ہے اگر اڑھائی سال کے اندر ہو۔ جیسا کہ در مختار میں لکھا ہے:

هو مصّ من ثدي آدمية في وقت مخصوص هو حولان ونصف عنده. انتهي (الدر المختار: ص ۲۰۲) والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

طلاق قبل الوطی میں عدت نہیں

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی ہشت سالہ کا نکاح ایک شخص سے ہوا اور اس شخص نے اس منکوحہ سے وطی نہیں کی اور نہ وہ اس کے پاس ایک مکان علیحدہ میں رہی۔ بعد اس کے شوہر نے طلاق دے دی۔ آیا اس مطلقہ کا نکاح دوسرے شخص سے کرنے میں عدت ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! مطلقہ مذکورہ پر عدت شرعًا نہیں ہے۔ كما قال في الدر المختار: وسبب وجوبها عقد النكاح المتأكد بالتسليم وماجري مجراه. انتهيٰ (الدر المختار: ۳/ ۵۰۴) والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

ایجاب وقبول میں غلطی کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص نے اپنی لڑکی کا

رشتہ بطریق ایجاب وقبولِ شرعی کے اس طور کیا کہ میں نے اس شخص کے فرزند کو اپنی لڑکی دے دی۔ اس شخص نے کہا کہ میں نے اپنے فرزند کے واسطے تیری دختر قبول کی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس شخص کا کوئی فرزند نہیں۔ اب شرعًا اس کا کیا حکم ہے؟ یعنی شرعًا یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو اس شخص کی دختر کا نکاح دوسرے شخص سے شرعًا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! **ایجاب وقبول مذکورۃ الصدر سے نکاح منعقد نہیں ہوا۔**

قال في الدرالمختار: غلط وكيلها بالنكاح في اسم أبيها بغير حضورها لم يصح. وفي الشامي: ما ذكره في المرأة يجري مثله في الرجل إن كان الزوج حاضرا مشارا إليه جاز ولو غائبا فلا، ما لم يذكر اسمه واسم أبيه وجده. (الدر المختار ورد المحتار: ٣/ ٢٦) انتهي ملخصاً

یعنی اگر عورت یا مرد کے نام ساتھ غلطی سے اس کے والد کا نام نہیں لیا۔ بلکہ کسی دوسرے کا نام لے لیا تو ایسی صورت میں نکاح شرعًا نہیں ہوتا۔ پس دختر مذکورۃ الصدر کا نکاح اور شخص سے کرنا شرعًا درست ہے۔ واللہ أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

ایجاب وقبول سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی دخترِ نابالغہ کا شرع جواب کر دیا۔ یعنی ایجاب وقبول شرعی طور پر مابین فریقین کے واقع ہوا۔ اب شادی عرفی کی تاریخ

مقررہ پر والد دختر نے شوہرِ اوّل سے انکار کرکے اس کے خورد برادر کے ساتھ نکاح کردیا۔ آیا یہ نکاحِ ثانی شرعًا درست ہے یا نہیں؟ پس جو شخص اس نکاح کا مددگار رہا اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! نکاحِ ثانی شرعًا درست نہیں، کیونکہ ایجاب قبول جب شوہرِ اوّل کے ساتھ ہوچکا ہے وہی اس کا شرعًا شوہر ہوگیا۔ شادی عرفی کے وقت دوبارہ ایجاب قبول ہونا ضرور نہیں۔

قال في الدر المختار: وينعقد بإيجاب وقبول. (الدر المختار: ص ۱۷۷) انتهي

یعنی ایجاب قبول کے ساتھ نکاح ہوجاتا ہے۔

اور جو لوگ نکاحِ ثانی میں مددگار تھے۔ اگر ان کو علم تھا کہ شوہرِ اوّل سے شرع جواب ہوچکا تھا۔ باوجود اس علم کے دوسری جگہ خوش ہوکر نکاح کردیا تو ان سب لوگوں کا نکاح فسخ ہوگیا کیونکہ نکاح پر نکاح غیر سے کرنا حرامِ قطعی ہے۔ حرام کو حلال جاننا کفر ہے۔

قال في العقائد بما حاصله: استحلال المعصية القطعية صغيرة كانت أو كبيرة كفر. والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

غیر کفو میں نکاح کرانے کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی سوتیلی دخترِ نابالغہ کا نکاح غیر کفو سے کردیا۔ اب وہ دختر بالغہ ہوکر دعویٰ کرتی ہے کہ میرا نکاح جو میرے سوتیلے والد نے کرایا تھا، نہیں ہوا۔ کیونکہ اس کو شرعًا میرا نکاح کرانے کی ولایت نہیں تھی۔ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! نکاحِ مذکور نہیں ہوا۔ کیونکہ سوتیلا باپ شرعًا ولی نہیں ہوجاتا اور نیز سوائے باپ دادا کے اور کسی ولی کو بھی غیر کفو میں نکاح کرانے کا اختیار نہیں اور نیز اگر کوئی ولی سوائے باپ دادا کے کفو میں نکاح کراوے تب بھی نابالغہ کو بعد بلوغ کے اختیار فسخ کرادینے نکاح کا شرعاً ہے۔ جیسا کہ درمختار میں لکھا ہے:

لزم النكاح ولو بغبن فاحش أو بغير كفو ان كان الولي أبا أو جدا وإن كان المزوّج غيرهما لا يصح من غير كفو أو بغبن فاحش أصلا. وإن كان من كفو وبمهر المثل صح. ولهما اختيار الفسخ بالبلوغ أو العلم بالنكاح. (الدر المختار: ص ١٨٤) والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

زندگی میں تقسیم کیے ہوئے مال کی وراثت نہیں

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فوت ہوگیا اور بروقت تندرستی کے اپنی دختر کو کچھ مال دے دیا تھا اور کچھ اپنے بھائی کو دے گیا تھا۔ بعد مرنے اس کے اس کا برادر زادہ بحیثیت متبنّٰی ووراثت شرعیہ کے دختر پر بابت مالِ مذکور دعویٰ کرتا ہے۔ آیا شرعًا یہ دعویٰ درست ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا! فقط

جواب

اللّهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! جو متوفّی نے اپنی جائیداد بروقت تندرستی اپنی کے

دے دی ہو اس پر دعویٰ کسی کا نہیں ہوسکتا۔ اگر بالغرض قبل فوت ہونے کے نہ دے جاتا تو اس پر وارثوں کا دعویٰ ہوسکتا تھا۔ برادرزادہ بموجودگی برادر شرعًا ورثاء میں داخل نہیں۔ اور متبنّٰی کرنا شرعًا بالکل درست نہیں۔ خدا تعالیٰ نے متبنّٰی کے منع کرنے کے واسطے قرآن شریف میں یہ آیت نازل فرمائی:

{مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ} [الأحزاب: ٤٠] الآية

والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

وراثت کی تقسیم کا مسئلہ

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فوت ہوگیا۔ بعد اس کے ایک ہمشیرہ پدری اور ایک چچازاد بھائی باقی رہے۔ شرعًا ترکہ متوفی کا کس طرح پر تقسیم ہونا چاہیے؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! ترکہ متوفی مذکور کا شرعًا دونوں کو نصف نصف ملے گا۔ یعنی کل مال متوفی سے اول قرضہ ادا کر کے باقی ماندہ میں سے نصف ہمشیرہ پدری اور باقی دوسرا نصف چچازاد بھائی کو شرعًا ملے گا۔ کذا في السراجي. والله أعلم وعلمه أتمّ. فقط

الراقم

محمد لودھیانوی

ماموں کی زوجہ کی وراثت کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مسماۃ خوتنون نے

انتقال کیا۔ اس کا ایک مکان تھا جس میں اس کے رضاعی بھائی کی اولاد سکونت پذیر اور قابض ہے۔ اس مکان کا ایک شخص مسمّی حسینی نے دعویٰ عدالت میں دائر کیا کہ یہ مکان میرے ماموں کی زوجہ کا ہے۔ یعنی متوفی مذکورہ میرے ماموں کی زوجہ تھی، اس واسطے وہ مکان مجھ کو ملنا چاہیے۔ آیا یہ دعویٰ مدّعی مذکور کا شرعًا قابل سماعت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! چونکہ مدّعی شرعًا متوفیہ مذکورہ کے ورثاء میں سے نہیں یعنی کسی طرح کی قرابت جس سے شرعًا وارث ہو سکے متوفیہ مذکور سے نہیں رکھتا۔ لہٰذا دعویٰ مدعی شرعًا ہرگز لائق سماعت نہیں۔ کذا یفهم من کتب الفقه. والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

حقیقی بھائی کی موجودگی میں علّاتی بھائی وارث نہیں

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ وراثت برادرِ حقیقی میں جو ماں باپ ایک سے ہے، اس بھائی پر جو ایک باپ سے ہے لیکن والدہ اس کی اور ہے، فوقیت رکھتا ہے یا نہیں؟ یعنی بہ موجودگیِ برادرِ حقیقی، غیر حقیقی کو جو دوسری والدہ سے ہے، ورثہ شرعًا پہنچتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! برادرِ حقیقی کے ہوتے برادرِ غیر حقیقی کو جو دوسری والدہ سے ہے شرعًا ورثہ نہیں ملتا۔

قال في السراجي: ثم يرجحون بقوّة القرابة أعنى به أنّ ذا قرابتين

أولي من ذي قرابة واحدة، لقوله عليه السلام: إنّ أعيان بني الأمّ يتوارثون دون بني العلّات، كالأخ لأب وأم أولي من الخ لأب. انتهي ملخصاً

خلاصہ ترجمہ اس عبارت کا یہ ہے کہ برادر حقیقی کے ہوتے برادر علاتی کو ورثہ نہیں ملتا۔ واللہ أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

وراثت کی تقسیم کا طریقہ کار

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فوت ہوگیا۔ اس کی دو زوجہ اور ایک بھائی باقی رہا۔ شرعًا اس کا مال کس طرح تقسیم ہونا چاہیے؟ اور ایک زوجہ کا زیور مندرجہ نکاح نامہ سے زائد ہے۔ ایسی صورت میں زیادتی کو اصل مال متروکہ میں شامل کرنا چاہیے یا اس عورت کے مال میں شمار کرنا لازمی ہے؟ بينوا توجروا! فقط

جواب

اللّهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! صورتِ مذکورہ میں بعد ادائیگی مہر و وصیت و قرضہ وغیرہ چوتھائی مال کے دونوں عورتوں کو اور باقی تین حصے بھائی کو شرعًا ملنے چاہئیں۔ اور جو زیور زائد مندرجہ نکاح نامہ سے جس عورت کا موجود ہے وہ اسی کا مال ہے، اس کو ترکہ میں داخل کرنا نہ چاہیے۔ فقہ کی کتاب مسمی "کافی" میں لکھا ہے: "القبض دليل الملك "یعنی جو چیز جس کے قبضہ میں ہے وہ چیز اس کی ہے، جب تک کوئی دلیل شرعی اس کے برخلاف نہ پائی جاوے۔ کتاب جامع الفصولین میں لکھا ہے:

ذو اليد لشئ المستعمل المتصرف فيه الدالّ على أن له ملكه هو أحقّ بالدعوى.

یعنی جو چیز کے ہاتھ میں ہے اور اس کے استعمال میں آتی ہے۔ اس کی ملک پر دال ہے وہی

شخص اس پر دعویٰ کرنے کا زیادہ حقدار ہے۔ صرف اس گمان سے کہ یہ زیادہ زیور شوہر نے اپنا بناکر کر بطور امانت یا عاریۃً اپنی زوجہ کے سپرد کیا ہوگا، دعویٰ کرنا وارث کا بالکل باطل ہے۔ جیسا کہ کتاب خزانۃ العلوم میں لکھا ہے: "الدعوي بالظن والسماع لايقبل." غرض بلا دلیل مالِ غیر پر دعویٰ شرعاً قائم نہیں ہوسکتا۔ واللہ أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

ضاد اور ظا میں فرق کرنا واجب ہے

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ضاد اور ظا میں فرق کرنا واجب ہے یا نہیں۔ اگر ضاد کی جگہ ظا یا ذال پڑھا جاوے تو نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ بينوا توجروا. فقط

جواب

اللهمّ أرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وأرنا والباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه! فرق کرنا ضاد اور ظا میں واجب ہے اور فرق نہ کرنے سے نماز نہیں۔

قال في القنية: أما إذا قرأ مكان الذال ظاءً أو مكان الضاد ظاءً أو على القلب تفسد صلوته. عليه أكثر الائمة. انتهي

وذكر صاحب العيني شارح البخاري تحت قوله تعالي: وماهو على الغيب بضنين. بعد بيان أن عند بعض القراء بالضاد وعندالبعض بالظاء ناقلا عن النسفي حيث قال: وقال النسفي في تفسيره: وإتقان الفصل بين الضاد والظاء واجب ومعرفته لا بدّ للقاري فإن أكثر العجم لايفرق بين الحرفين. انتهي مافي العيني

(عمدة القاري: ١٩/ ٢٨١)

اور جو بعض روایات میں مکان ضاد کے ظاء پڑھنے سے نماز درست لکھی ہے وہ بعض متأخرین کا مذہب ہے۔ لیکن وہ بھی علی الاطلاق نہیں بلکہ اس مقام میں درست ہے جہاں ظا سے معنیٰ میں خرابی نہ پڑے ورنہ نماز بالاتفاق فاسد ہوجائے گی۔ اس امر میں ذال اور ظاء برابر ہیں۔

قال صاحب الكبيري شارح القنية نا قلا عن قاضي خان: قرأ والعاديات ظبحاً بالظاء مكان الضاد تفسد، إذ ليس له معني مفيد وبالدال المهملة مكان الضاد المعجمة تفسد؛ للبعد الفاحش في معناهما، غير المغظوب والمغذوب بالظاء المعجمة والذال المعجمة تفسد، إذ ليس له معني، ولا ولا الظالين بالظاء المعجمة أو الدال المعجمة لا تفسد بوجود لفظيهما في القرآن وقرب المعني. انتهي مختصرا (فتاوى قاضيخان: ١/ ٦٩)

خلاصة المرام أنّ أكثر الائمة ذهبوا في صورة تبديل الضاد ظاءً أو دالا إلى فساد الصلوة. وأما المتأخرون فقالوا: إن كان بعد التبديل له معني قريب يصح، وإلّا تفسد عندهم أيضا.

فحصل بكلامهم أيضا أن الظاء المعجمة لا تقوم مقام الضاد مطلقا بل إذا كان له معنى مناسب، والدال المهملة كذلك لا تقوم مقام الضاد، إلا إذا كان له معني مناسب فاحفظه. والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

قبرستان میں مسجد بنانا

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو مسجد قبرستان میں ایسی زمین

پر تعمیر کی گئی ہو جو قبروں سے خالی تھی لیکن گرداگرد اس کے قبریں ہوں اور اس مسجد کی چار دیواری موجود ہو تو ایسی مسجد میں نماز پڑھنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰھُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! قبروں کے اندر نماز کا ادا کرنا فقہاء نے مکروہ تحریر کیا ہے۔ لیکن اگر کوئی مکان نماز کے واسطے تیار کیا گیا ہو اور اس میں کوئی قبر نہ ہو تو ایسے مکان میں نماز کا ادا کرنا 'لا باس' میں داخل ہے۔ نماز مکروہ نہیں ہوتی۔

قال في الشامي: إذا كان في المقبرة موضع أعدّ لصلوة وليس فيه قبر ولا نجاسة لا بأس كما في الخانية وفي القهستهاني: لا تكره الصلاة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه بحيث لو صلي صلاة الخاشعين وقع بصره عليه. انتهي (الدر المختار ورد المحتار: ١/ ٣٨٠)

قال القسطلاني: أمّا من اتخذ مسجدا في جوار صالح وقصد التبرك بالقرب منه لا لتعظيم له ولا للتوجه اليه فلا يدخل في الوعيد المذكور. انتهي والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

استاد کو ایذا پہنچانا

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص شاگرد ہو کر استاد کو ایذا دے تو آیا وہ شخص عاق ہوتا ہے یا نہیں؟ اور جو والدین کے ایذا دینے سے عقوق ہوتا ہے، عاق استاد کا اس سے شرعاً کم ہے یا زیادہ؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّھم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! حقوق استاد کے شاگرد پر والدین کے حقوق سے زیادہ ہیں۔ جیسا کہ عین العلم میں لکھا ہے:

قال: حق المعلّم زائد على حقهما.

یعنی حق استاد کا والدین کے حق سے زیادہ ہے۔

اس کی شرح میں لکھا ہے کہ فرمایا آنحضرت ﷺ نے: بہتر بابوں کا وہ شخص ہے جو علم سکھاوے اور نیز عین العلم میں ہے کہ نہ ڈھوکے دروازہ استاد کا۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے حق میں اس مضمون کا حکم آیت میں وارد ہے۔

حيث قال: {وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ} [الحجرات: ٥] انتهى

جامع التفاسیر میں لکھا ہے کہ فرمایا حضرت علیؓ نے: "أنا عبد من علّمني حرفا" میں غلام ہوں اس کا جس نے تعلیم کیا مجھ کو ایک حرف۔ اور استاد کے نافرمان کو جنت کی بو نہیں پہنچے گی۔

اور بارانِ انواع میں مولوی عبداللہ صاحب نے لکھا ہے کہ ماں باپ کے عاق کی توبہ درست اور جو استاد کا عاق ہو اس کا قاضی اور مفتی اور حاکم ہونا درست نہیں اور کوئی عبادت اس کی قبول نہیں ہوتی اور اس کو آخر عمر میں محتاجگی لائق ہوتی ہے اور بدوں رضامندی استاد کے اس کی توبہ اور ایمان قبول نہیں۔ ابیات انواع کے یہ ہیں:

ماں پیو دا حق فرض ہے مسعودی فرماء
اس غالب استاد خزانی تحفۃ الفقہاء

ہک لفظ پچھے کوئی پاس کسے تے اس ہوندا استاد
ایہہ وچ خلاصی حضرت کہیا منکر دیں فساد

ماپیو دا کوئی عاق ہبہ تس کراہت طاعت
توبہ اس قبول ہے اندر خبر نجات

جے عاق ہو وے استاد دا اقتدا ایہہ مذکور
رب الہا خالقا کر توں حق ظہور

عاق قضا نہ حاکمی نہ فتولے سلطان
حج زکوۃ صلوۃ نہ کلمہ صدقہ نہ رمضان

تس آخر عمر فقیری آوے برکت علم نہ کجھ
ایمان توبہ رد کہن ہک وچ کتاباں بجھ

ماں پیو کسی سدیندا ایہی جو ایہ نقل کریئ
ایتھے نقل نہ پہننے پہنے جے استاد سدیئ

حکایت مشہور ہے کہ ایک خاکروب جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے گذرتا تو آپ اس وقت کھڑے ہو جاتے۔ حاضرین نے سبب دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرا استاد ہے اس امر کا کہ کتا جب لات اٹھا کر پیشاب کرتا ہے اس وقت بالغ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

الراقم

محمد لودھیانوی

شاہ عبداللہ در صاحب نے موضع القرآن کے فوائد میں بیان کیا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے حق استاد کا نہ فرمایا ماں باپ کا بیان کیا۔ اس واسطے کہ استاد کا حق رسول کے حق میں آگیا، کہ نائب رسول ہے۔انتهي بما حاصله

اور احادیث میں وارد ہے کہ "العلماء ورثة الأنبياء" لہٰذا ضرور حقوقِ استادی انبیاء کے حقوق میں شمار ہیں۔ ایذا دینے والا نبیوں کا ملعونِ ابدی ہوتا ہے۔ چنانچہ آیات میں جابجا مذکور ہے۔ حکم ایذا دینے والے کا بغیر موجب شرعی کے استادوں کو، متفرع اس پر ہے لائق امامت واستفتا و دیگر احسانات دینی و دنیاوی کے شرعاً کب ہوگا۔ اگر حکومت اسلام ہو تو سخت سزایاب ہو۔ اب مسلمانوں کو

اس قدر لازم ہے کہ ایسے شخص سے کنارہ کشی کریں۔ فقط

الراقم

اسماعیل عفی عنہ

بیٹوں، بیٹی اور زوجہ میں تقسیم وراثت

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فوت ہو گیا۔ بعد اس کے دو پسر اور ایک دختر اور ایک زوجہ باقی رہی۔ شرعًا ترکہ اس کا کس طرح تقسیم ہونا چاہیے؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! اول اس کے مال سے دین اور مہر ادا کیا جاوے۔ بعد ازاں کل مابقی مال کو چالیس حصہ کیا جاوے۔ اس میں سے پانچ حصے زوجہ کو اور سات حصے دختر کو اور چودہ چودہ ہر دو پسران کو حصے دیے جائیں۔ كذا في السراجي. والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

ذبح کرتے وقت عقدہ سینے کی طرف رہ جانے کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر ذبح کرتے وقت عقدہ یعنی کنڈی سینے کی طرف رہ جاوے تو اس ذبیحہ کا گوشت درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! یہ مسئلہ اگرچہ اختلافی ہے لیکن اکثر علماءِ محققین کے نزدیک گوشت مذکورہ حرام نہیں۔

قال العيني في شرح الهداية: سئل الإمام الرستغني سئل عمن ذبح شاة فبقيت عقدة الحلقوم مما يلي الصدر أتؤكل أم لا؟ قال: هذا قول العوام من الناس، وليس هذا بمعتبر، ويجوز أكلها سواء كانت بقيت العقدة مما تلي الرأس أو مما يلي الصدر.

وأما المعتبر عندنا قطع أكثر الأوداج، وهذا صحيح لأنه لا اعتبار بكون العقدة من فوق أو من تحت. ألا ترى إلى قول محمد بن الحسن - رَحِمَهُ اللَّهُ - في " الجامع الصغير ": لا بأس بالذبح في الحلق كله، أسفل الحلق أو وسطه أو أعلاه. فإذا ذبح في الأعلى لا بد أن يبقي العقدة من تحت، ولم يلتفت إلى العقدة لا في كلام الله سبحانه وتعالى، ولا في كلام رسوله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بل الذكاة بين اللبة، واللحيين بالحديث. انتهي (البناية شرح الهداية: ١١/ ٥٥٠)

وفي الشامي: ومثله في المسح عن البزازية وبه جزم صاحب الدرر لكن جزم في النقاية والمواهب بأنه لا بد أن تكون العقدة بما يلي الرأس، إليه مال الزيلعي وقال: ماقال الرستغني مشكل فانه لم بوجد فيه قطع الحلقوم ولا المريئ وأصحابنا وإن اشترطوا قطع الاكثر فلا بد من قطع أحدهما عند الكل وإذا لم يبق شيئ من العقدة بما يلي الراس لم يحصل قطع واحد منهما فلا يؤكل بالإجماع. آه (الدر المختار ورد المحتار: ٦/ ٢٩٥)

ورده محشيه الشلبي والحموي، وقال المقدسي: قوله لم يحصل قطع واحد منهما ممنوع، بل خلاف الواقع؛ لأن المراد بقطعه ما

فصلهما عن الرأس أو عن الاتصال باللبة. انتهي
وقال الرملي: لا يلزم منه عدم قطع المريئ إذ يمكن أن يقطع العقدة وأصل اللسان وينزل على المريئ فيقطعه فحصل قطع الثلاثة. انتهي
أقول: والتحرير للمقام ان يقال ان كان بالذبيح فوق العقده فحصل قطع ثلاثة من العروق، فالحق ما قاله شراح الهداية تبعا للرستغني، وإلا فالحق خلافه إذ لم يو جد شرط الحل باتفاق أهل المذهب، ويظهر ذلك بالمشاهدة أو سؤال أهل الخبرة. فاغتنم هذا المقال ودع عنك الجدال. انتهي مافي الشامي (الدر المختار ورد المحتار: ٦/ ٢٩٥)

حاصل اس عبارت کا ہے کہ اس مسئلہ میں علماء مختلف ہیں۔ صاحب شامی نے آخر میں بطور محاکمہ کے یہ لکھا ہے کہ اگر وقت ذبح کرنے کے عقدہ یعنی کھنڈی سینہ کی طرف رہے اور سوائے حلقوم کے باقی تینوں رگیں کٹ جاویں تو درست، ورنہ کھانا اُس کا حلال نہ ہوگا۔ واللہ أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

شعائرِ اسلام کا مذاق اڑانے والے کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا حکم ہے اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بوقت وعظ نصیحت یہ کہتا ہے کہ مسلمانی کتنی لمبی چوڑی ہے اور کیا چیز ہے اور میں رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو نہیں جانتا کہ کون تھا۔ جو کوئی مجھ کو شراب و بھنگ و چرس ونشے وزنا وغیرہ سے منع کرے، میں تو اُس کو سُور کھلاؤں گا اور خود بھی کھاؤں گا۔ اور بعض اشخاص اس شخص کے معاون ہوں۔ تو اب بموجب شریعت وہ اور اُس کے معاون کون ہوئے اور اُن کی کیا سزا

اور تعزیر؟ اور اُن سے ملنا برتنا کیسا ہے؟ اس کا جواب مفصل معہ سزا تحریر فرمادیں کیونکہ پیشی مقدمہ ۲۸ ہے۔

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! ایسے شخص کے مرتد ہونے میں شک نہیں کیونکہ انکار کرنا حضرت کا جو بانی مبانی شریعت اسلام کے ہیں، اشد کفر ہے۔ اور جو شخص اُس کی اعانت کرتے ہیں اور اس کو اچھا جانتے ہیں وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ ان مرتدوں سے اپنے آپ کو بچاویں اور ان کے ساتھ معاملہ نہ کریں دینی ہو یا دنیاوی۔ اسی واسطے شارعؑ نے ایسے لوگوں سے سوائے اسلام قبول کرنے کے اور کوئی طریق توبہ قبول کرنے کا حکم صادر نہیں فرمایا۔ یعنی کافروں کو رعیت بنا کر حاکم اہلِ اسلام حکومت اسلامی میں رکھ سکتا ہے اور مرتد کو بدوں قبول کرنے اسلام کے رہائی کسی طرح نہیں دے سکتا۔

قال في الهداية: توضع الجزية عليٰ أهل الكتاب وعبدة الاوثان ولا توضع عليٰ مرتدين ولايقبل منهم إلا الإسلام. انتهي والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

نماز جمعہ کے بعد ظہر ادا کرنا

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ظہر کا ادا کرنا بعد جمعہ کے لازم ہے یا نہیں اور تراویح میں بیس رکعت ہیں یا آٹھ؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! **اس ملک ہند میں بسبب نہ پائے جانے حکومت اسلام کے جمعہ امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک فرض نہیں ہوتا۔ اسی واسطے ظہر کا پڑھنا لازم ہوگا۔ اور تراویح چاروں اماموں کے نزدیک بیس رکعتیں ہیں۔ جو شخص ظہر بعد جمعہ کے ادا کرنے سے مانع ہو اور تراویح کو آٹھ رکعتیں قرار دے وہ شخص لامذہب ہے۔ ایسے شخص کو جماعت میں امام نہ ہونے دے۔ یہ دونوں مسئلے کتب فقہ میں مثل عینی فتح القدیر وغیرہ میں بسط کے ساتھ موجود ہیں۔** واللہ أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

نکاح میں ولی کون ہوگا؟

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی دختر کا شرع جواب دے کر فوت ہوگیا۔ اب وہ لڑکی چودہ سال کی ہے اور اس کا ایک بھائی سولہ برس کا ہے اور دو عم ہیں اور والدہ ہے۔ اب اس کے نکاح کے واسطے شرعاً ولی کس کو قرار دیا جاوے؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! **اگر ایجاب وقبول جانبین سے بروقت شرع جواب پوری طور پر وقوع میں آیا ہو تو نکاح اسی وقت کا قائم ہے اور نکاح کرنے کی اور ولایت کسی کی درکار نہیں۔ اگر ایجاب قبول وقوع میں نہیں آیا، پس اگر وہ دختر متوفی کی اس وقت بالغہ ہے۔ تب بھی ولایت کی حاجت نہیں، خود وہی مختار ہے اور اگر بالغہ نہیں تو بھائی اس کا اگر بالغ اور عاقل ہے تو اس کو نکاح کروا دینے کی شرعاً ولایت ہے اور اگر وہ بالغ وعاقل نہیں تو اس کے ہر دو عموں کو ولی قرار دیا جاوے۔**

قال في الدر المختار: وينعقد بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر

والولي في النكاح العصبة بنفسه على ترتيب الارث والحجب بشرط حريته وتكليف وهو أي الولي شرط صحة نكاح صغيرة ومجنونة فينفذ نكاح مكلفة بلا رضاء. انتهي ملتقطا من مواضع شتيٰ. (الدر المختار ورد المحتار: ۳/ ۷۶) والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

خادم الطلباء محمد لودھیانوی

ضاد کو بصورتِ ظا ادا کرنے کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عامی ولا الضالین کے ضاد کو ارادۃً بصورتِ ظاء ادا کرتا ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ بینوا بالدلائل الفقهية. جزاكم الله ربّ البرية

جواب

اللّهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی ہرگز درست نہیں۔

في الشامي بما حاصله: وإن لم يمكن التميز منهما الا بمشقة كالظاء مع الضاد المعجمتين والصادمع السين المهملتين قال أكثرهم لا تفسد. وفي الخزانة: إلا أنه تعمد ذلك تفسد وإن جري على لسانه ولايعرف التميز لا تفسد، وهو المختار. وفي البزازية: وهو أعدل الاقاويل وهو المختار. انتهي (الدر المختار ورد المحتار: ۱/ ۶۳۱)

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح جزری میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ علماءِ مصر سے یہی مسئلہ دریافت کیا گیا۔ انہوں نے فتویٰ کفر کا دیا اور لکھا کہ آیت: "وجوه يومئذ ناضرة إلى ربها ناظرة" میں ناضرہ کے معنیٰ بھی ناظرۃ ہوجاویں گے۔ والله أعلم وعلمه أتم

الراقم

خادم الطلباء محمد لودھیانوی

حالت صحت میں تقسیم کیے ہوئے مال کی وراثت نہیں ہے

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے در حالت صحت قبل از وفات دو سال اپنی جائیداد کو مابین ورثاء کے حسب رضا مندی ان کی تقسیم کر دیا۔ اور اس شخص نے ان کو وصیت کی کہ میری وفات کے بعد اسی تقسیم پر رہنا۔ تنازع فساد برپا نہ کرنا۔ چنانچہ بعد انتقال اس کے عرصہ انیس سال سے اسی تقسیم کے بموجب سب ورثاء برضاء ورغبت قابض ہیں۔ لیکن اب بعض ورثاء موجودہ کی اولاد کا ایسا منشاء بیان کیا جاتا ہے کہ اس تقسیم کو وصیت ناجائز میں داخل کر کے فسخ کرایا جاوے اور از سرِ نو تقسیم جائیداد کی کرائی جائے۔ آیا شرعًا ایسا ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! اگر شخص متوفی نے کل جائیداد تقسیم کر کے ورثاء کا قبضہ اپنی صحت میں کرا دیا تو یہ تقسیم قبیلہ وصیت سے نہیں۔ پس بعد میں کوئی وارث فسخ نہیں کرا سکتا۔ اگر یہ تقسیم بطور وصیت کے کی تھی کہ میرے انتقال کے بعد اس اس طور پر مابین اپنے تقسیم کر لینا اور بعد میں ورثاء بموجب وصیت کے برضاء ورغبت عمل در آمد کر کے قابض ہو گئے تو البتہ یہی تقسیم داخل وصیت ہے۔ لیکن یہ وصیت شرعًا ناجائز نہیں کیونکہ جو وصیت وارثوں کو کی جاوے اور وارث اس پر رضا مند ہو جاویں تو وہ شرعًا صحیح ہے۔

کما قال في الدر المختار: ولا لوارثه إلا بإجازة ورثته. انتهي ملخصاً (الدر المختار: ص ۷۳۳)

جب تقسیم مذکورہ شرعًا صحیح ہو گئی تو اس کو اولاد بعض وارث کی کیا بلکہ خود وارث اس کو فسخ کرا نہیں سکتے۔ کذا في كتب الفقه. والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

خادم الطلباء محمد لودھیانوی

دخول بغیر انزال سے غسل کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص نے اپنی عورت سے دخول کیا اور بغیر انزال ہونے کے اپنے عضوِ مخصوص کو فرج عورت سے نکال لیا تو ایسی صورت میں دونوں پر غسل شرعاً واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! صورت مذکورہ میں غسل مرد عورت دونوں پر شرعاً واجب ہے۔

قال في الهداية: والمعاني الموجبة للغسل إنزال المني إلى قوله والتقاء الختانين من غير إنزال. لقوله عليه الصلوة والسلام: إذا التقي الختانان وغابت الحشفة وجب الغسل انزل أو لم ينزل. انتهي (الهداية: ١/ ١٩)

وفي الكفاية عن المبسوط: إذا التقي الختانان وغابت الحشفة وجب الغسل أنزل أو لم ينزل. وهو قول المهاجرين كعمر وعلى وابن مسعود رضي الله عنهم، وأما الأنصار كأبيّ بن كعب وحذيفة وزيد بن ثابت رضي الله عنهم قالوا: لا يجب الاغتسال بالإكسال ما لم ينزل، وبه أخذ سليمان الأعمش بظاهر قوله عليه السلام: إنما الماء من الماء. (صحيح مسلم: ١/ ٢٦٩)

ولنا أن النبي عليه الصلوة والسلام قال: إذا التقي الختانان وجب

الغسل أنزل أو لم ينزل. (مسند أحمد: ٤٣/ ١٥١)
والأصح أن عمر رضي الله عنه لم يسوغ الأنصار هذا الاجتهاد حتى قال لزيد: أي عدوّ نفسه ما هذه الفتوي التي ظهرت عنك؟ فقال: سمعت عمومتي من الأنصار يقولون كذلك. فجمعهم عمر رضي الله عنه فسألهم فقالوا: كنا نفعل على عهد رسول الله ﷺ ولا نغتسل، فقال: أو كان يعلم رسول الله ﷺ فقالوا لا، فقال ليس بشيء، وبعث إلى عائشة رضي الله عنها فسألها فقالت: فعلت ذلك مع رسول الله ﷺ واغتسلنا. فقال عمر لزيد: لئن عدت إلى هذا لأدّبتك. انتهي

خلاصہ مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ اس مسئلہ کا تذکرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت میں ہوا تھا۔ حضرت عمر رضِی اللہ عنہ نے غسل کا واجب ہونا ثابت کرکے سب کو اسی پر عمل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا جو اس کے خلاف فتویٰ دے گا اس کی میں گوشمالی کردوں گا، یعنی اس کو دُرّے لگاؤں گا۔ و الله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

خادم الطلباء محمد لودھیانوی

خلافت صدیق کا انکار کرنے والے کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو کوئی خلافت خلیفہ اول کی برحق قرار نہ دے اور کہے کہ حق خلافت کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تھا۔ خلیفہ اول نے زبردستی سے یہ عہدہ لے کر ترکہ دبالیا۔ سنت و جماعت کے پاس اس باب میں سوائے اجماع کے کوئی دلیل نہیں اور اس اجماع کو باطل اور ناحق قرار دیتا ہے۔ ایسا شخص شرعًا کافر ہے یا ضال؟ بينوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰھم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! ایسے شخص کے گمراہ ہونے میں شک نہیں۔ بلکہ خوف کفر کا ہے کیونکہ اجماع خلیفہ اول کی خلافت پر قطعی الثبوت ہے اور ایسے اجماع کا منکر شرعًا کافر ہے۔ جیسا کہ کتب اصول مثل تلویح وغیرہ میں موجود ہے اور نیز ثبوتِ خلافت خلفاء اربعہ کا قرآن سے بھی علماءِ اہل سنت نے مثل آفتاب کے ثابت کر دیا ہے۔

شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے تحفہ اثنا عشریہ میں لکھا ہے کہ جس طرح پر خلفاء ثلاثہ کی خلافت واقع ہوئی ہے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی یہی طریقہ پسندیدہ اور حق تھا اور اس امر پر دلائل آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی اور اجماعِ امت اور اقوالِ عترت موجود ہیں۔ جیسا کہ کتاب ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء میں ہزاروں دلائل قرآن اور حدیث اور اجماع اور اقوالِ عترت مدلل طور سے موجود ہیں۔ میں اس میں سے بطور مختصر کچھ نقل کرتا ہوں۔

قال الله تعالي: {وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ} [النور: ٥٥]

حاصل ترجمہ اس آیت کا یہ ہے کہ ایک جماعت کو ان میں سے زمین پر مسلط کرے گا جیسا کہ پہلے لوگوں کو زمین پر خلیفہ کیا تھا۔ مثل حضرت داؤد علیہ السلام کے، جیسا کہ ان کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

{يَادَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ} [ص: ٢٦]

اور نیز وعدہ فرمایا کہ دین ان کا جو پسندیدہ پروردگار کا ہے زمیں میں اس کو مکان دے گا۔ یعنی خدا تعالیٰ ان کے دین کو رائج اور شائع کرے گا۔ اور یہ بھی وعدہ فرمایا کہ جیسا کہ تم کو اب کافروں کا ڈر اور خوف ہے اس کو بدل کر امن عطا فرمائے گا۔ غور کرنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اگر خلافت

خلفاءِ ثلاثہ کی ظلم اور باطل معاذ اللہ قرار دی جاوے تو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ معاذ اللہ کذب ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ خلافت موعودہ اور کسی زمانے میں پائی نہیں گئی۔ پس انکار خلافتِ خلفاء کا حقیقت میں انکار قرآن کا ہے اور کلامِ الٰہی کو کاذب قرار دینا ہے۔ نعوذ باللہ منہ! اور اس آیت مذکورہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تعریف میں بیان کیا ہے۔

هكذا نقل في منهج البلاغة الذي هو من مشاهير كتب أهل التشيع.

قال الله تعالي: {قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَى قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا} [الفتح: ١٦]

اس آیت سے مراد وہ قبائل اعراب ہیں جنہوں نے سفر حدیبیہ میں حضرت کا ساتھ نہیں دیا۔ مثل قبیلہ اسلم وجہینہ وغیرہ۔ اور ان سے جہاد بموجب اجماع مؤرخین دو فریق حضرت کی حیاتی میں نہیں ہوا بلکہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں ہوا۔ پس اس آیت سے حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا حق ہونا قطعی طور سے ثابت ہوا کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں اطاعت کرنے والوں کو وعدہ اجر کا کیا اور اعراض کرنے والوں کو عذاب الیم کا مستحق قرار دیا، اگر خلیفہ اول کی خلافت حق نہ ہوتی تو ان کی اطاعت معاذ اللہ بموجب عذاب ہوتی نہ موجب اجر۔

قال الله تعالي: {يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ} [المائدة: ٥٤]

اس آیت میں ان لوگوں کی تعریف ہے جو کمالاتِ مذکورہ سے موصوف ہوں۔ جو غایت درجہ کے کمالات میں اول خدا تعالیٰ کا قرب جو لفظ "یحبهم ویحبونهم" میں مذکور ہے۔ دوسرا معاملہ ان کا ساتھ مومنوں کے۔ تیسرا معاملہ ان کا ساتھ کافروں کے۔ چوتھا معاملہ ان کا ساتھ منافقوں کے اور

ضعیف ایمان والوں کے۔ اور ظاہر ہے کہ امام کا معاملہ یا خدا سے ہے یا خلقت سے۔ اور خلقت یا مومن ہے یا کافر یا منافق یا ضعیف الایمان۔ جب ان معاملوں میں امام پسندیدۂ خدا ہو۔ تو اس کا امام برحق ہونا ثابت ہوا۔ اس واسطے خدا تعالیٰ نے آخر ان اوصاف کے فرمایا:

{ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ} [المائدة: ٥٤]

اور جہاد بالاجماع خلیفہ اور اس کے تابعداروں نے مرتدین سے کیا ہے۔ کیونکہ حضرت کے آخر وقت میں تین گروہ مرتد ہو گئے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے جہاد کیا۔ یہ تینوں آیات مذکورۃ الصدر حقیقت خلافت و امامتِ خلفاء ثلاثہ کی ایسی طور سے ثابت کرتی ہیں کہ کسی غیر کا احتمال بالکل باقی نہیں رہتا۔ البتہ جن کو خدا تعالیٰ نے گمراہ کیا ہے ان کو احتمالاتِ باطلہ کا خیال آتا ہے۔ تمام ہوا ترجمہ کلام مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کا بطور کمال اختصار کے۔ واللہ أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

خادم الطلباء محمد لودھیانوی

بیٹے کی بیوی کا وراثت میں حصہ نہیں

سوال

باسمہ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فوت ہو گیا۔ اس کی زوجہ والد شوہر سے بطور ترکہ حصہ طلب کرتی ہے۔ آیا شرعاً زوجۂ مذکور کو مال والد شوہر سے جو اس نے خود پیدا کیا ہے یا جدی جائیداد اس کی ملک میں ہے ورثہ مل سکتا ہے یا نہیں؟

جواب

اللّٰھم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! زوجہ مذکورۃ الصدر کو والد متوفی کے مال سے شرعاً کچھ نہیں مل سکتا کیونکہ زوجۂ پسر ورثا میں داخل نہیں۔ البتہ جو جائیداد شوہر کی شرعاً ثابت ہو اس میں سے زوجہ کو بعد منہا کرنے مہر کے چوتھا حصہ شرعاً مل سکتا ہے۔ کذا في السراجي. والله أعلم وعلمه أتمّ

امام مسجد مقرر کرنے اور معزول کرنے کا اختیار کس کو ہے؟

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے ایک مسجد تعمیر کی اور اس کی موجودگی میں امام اہل محلہ نے مقرر کیا اور بانی مسجد نے نمازیانِ محلہ کو کاروبارِ مسجد کا مختار بنایا۔ اب بعد مرنے عورت مذکورہ کے غیر شرع لوگ جو قوم بانی مسجد کے کہلاتے ہیں، ارادہ کرتے ہیں کہ امام قدیم کو معزول کر کے اور امام حرام خور کو مقرر کریں۔ آیا یہ معزول کرنا شرعًا ان کے اختیار میں ہے یا نہیں؟

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! امام قدیم کا معزول کرنا ان کے اختیار میں نہیں رہا کہ نمازیانِ محلہ کا اختیار امام کے مقرر کرنے کے بارے میں بانیٔ مسجد سے بھی شرعًا فوقیت رکھتا ہے۔ بشرطیکہ جس امام کو نمازیانِ مسجد مقرر کرنا چاہتے ہوں افضل اور اصلح ہو اس شخص سے جس کو بانی مسجد امام بنانا چاہتا ہو۔

قال في الدر المختار: والباني للمسجد أولي من القوم منصب الإمام والمؤذن إلا إذا عين القوم أصلح ممن عينه الباني. انتهيٰ (الدر المختار: ص ٣٧٩) واللّٰه أعلم وعلمه أتمّ

رسالہ

تعداد رکعات تراویح

سوال

باسمہٖ سبحانہ

ما قول العلماء الربانية والفضلاءالحقانية في أن قيام رمضان الذي يعبرون عنه بالتراويح مرويّ عن النبي ﷺ أم لا؟ وعلى الأوّل فكمية ركعاته مرويّ أم لا؟ بينوا توجروا! فقط

جواب

اللّهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! اعلم أنّ قيام رمضان وصلاة التهجّد كلاهما مرويّان عن النبي ﷺ والفرق بينهما أنّ صلاة التهجد كانت في النصف الاخير من الليل ولم يكن بجماعة في المسجد معهوداً بخلاف قيام رمضان، فإنه ثابت منه ﷺ من أوّل الليل بجماعة في المسجد لما رواه الترمذي عن أبي ذر قال: صمنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم يصل بنا، حتى بقي سبع من الشهر، فقام بنا حتى ذهب ثلث الليل، ثم لم يقم بنا في السادسة، وقام بنا في الخامسة، حتى ذهب شطر الليل. الحديث (سنن الترمذي: ٢/ ١٦١)

وكذا عدد الركعات مرويّ عن النبي ﷺ لحديث ابن عباس: إنّ النبيﷺ صلي عشرين ركعة سوي الوتر. رواه ابن أبي شيبة في مصنفه والطبراني في مجعمه والبيهقي في سننه. (مصنف ابن أبي شيبة: ٢/ ١٦٤)

لا يقال: إنه ضعيف فلا يستقيم حجة؛ لأنا نقول: إنّ تعيين

عشرين ركعة في زمان عمر رضى الله عنه مع عمل سائر الصحابة عليه دليل قاطع في كونه توقيفيا ومسموعا من الشارع، لأنّه من باب التشريع ومثله داخل في المرفوع كما بين في موضعه. هذا خلاصة ما ذكر شيخ الإسلام في شرح البخاري حيث قال:

ثابت شدہ در حدیث صحیح در قیامِ رمضان از عائشہ رضی اللہ عنہا کہ جہد مے کرد در رمضان آں قدر کہ نمی کرد در غیر رمضان ودر عشر آخر آں قدر کہ نمی کرد در غیر عشر۔ ودر مسلم از انس آمدہ بود کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیام می کرہ در رمضان، پس آمدم پس استادم بہ پہلوی آں حضرت وآمد مردے پس وے نیز ایستاد، تاآنکہ جماعت شدیم۔ پس معلوم کرد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ ماپس ایستادم گشت کہ سبک می گذارد نماز، پستر در آمد منزلِ خود را، پس گذارد نمازے کہ نمی گذارد آنرا نزدِ ما۔ الحدیث

وایں ظاہر در آنست کہ قیامِ رمضان زائد بود بر معتادِ تہجد وبروں می گذارد۔ وحدیث ابی ذر در سنن ابوداؤد وترمذی ونسائی کہ روزہ داشتم باآں حضرت رمضان راپس قیام نکرد باما، تاآنکہ باقی ماند ہفت شب از ماہ۔ پس قیام کرد تاآنکہ گذشت ثلث شب، پستر قیام نکرد باما در ششم شب باقی۔ پستر قیام کرد بما در پنجم باقی تاآنکہ گذشت نصف شب۔ پس گفتیم یارسول اللہ! اگر باقی شب ہم نفل کنانے مارا بہتر باشد۔ فرمود کسے کہ قیام کند باامام تاآنکہ برگردد نوشتہ می شود قیامِ تمام شب او۔ پستر قیام نکرد بما تاآنکہ باقی ماند شب از ماہ پس نماز گذارد باما در سوم شب باقی وخواند اہل خود راوزنانِ خود را، پس قیام کرد باما تاآنکہ ترسیدیم فلاح را۔

یعنی سحور را دلالت دارد بر اشتہارِ امرِ قیامِ رمضان بجماعت وثبوت عمل آنحضرت ؐ بداں در اول شب وآخر شب بجماعت قصداً بخلاف تہجد کہ جز در نصف آخر ثابت نشدہ وجماعت دراں وگذاردنِ آں میانِ مردم در مسجد معہود نگشتہ وچوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد گذاردنِ چند شب عذر ذکر فرمودند لاجرم

گذاردنِ آں بدیں وجہ سنت تقدیری بود یعنی اگر خوف نمی بود مواظبت می کرد۔

وبدانکہ عدد رکعات دریں قیام کہ قرار یافت چہ بود؟ در موطا از یزید بن رومان آمدہ کہ قیام می کردند مردم در زمان عمر بست وسہ رکعت۔ وبیہقی در معرفت از سائب بن یزید آوردہ کہ قیام می کردیم در زمانِ عمر بہ بست رکعت ووتر۔ نووی در خلاصہ گفتہ اسنادِ آں صحیح است ومالک در موطا نیز از سائب مانندِ آں ذکر کردہ ومحمد بن نظر از طریق عطا آوردہ: دریافتم ایشاں را در رمضان کہ نماز می کردہذا بست رکعت وسہ رکعت وتر۔ وروایت موطا از سائب مانند آں ذکر کردہ ومحمد بن نظر از طریق عطا آورد دریافتم ایشاں را در رمضان کہ نماز می کردند بست رکعت وسہ رکعت وتر در روایت موطا از سائب بیازدہ رکعت نسبت کردہ اند آں را بوہم ونزد اختلاف در طریق سائب رجوع باید کرد بطریق دیگر۔ وثابت شد از طریق رومان وعطاء بست رکعت۔ پس اعتماد براں بالقطع احتمال دارد کہ یازدہ در اول امر بود۔ چنانچہ مشعر است بداں لفظ روایت کہ امر کرد عمر، ابی بن کعب وتمیم داری را کہ قیام کنند در رمضان ہزدہ رکعت الحدیث۔ بعد ازاں قرار یافت امر بر بست رکعت سوای وتر۔ وازاں حضرت ﷺ نیز روایت ابن عباس در رمضان بست رکعت آمدہ سوائے وتر در مصنف ابن ابی شیبہ ومعجم طبرانی وسنن بیہقی۔ ولیکن گفتہ اند کہ ضعیف است بسبب ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان۔

وظاہر آنست کہ تقدیر رکعاتِ قیامِ رمضان در زمانِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے توقیف وسماع ازاں حضرت رسالت بعمل نیامدہ چنانچہ گفتہ اند کہ اَمثال ایں چیزہا حکم مرفوع دارد غالبا از ابن عباس یا از طریق دیگر حدیث رسیدہ کہ تغیر داد امیر المومنین یازدہ رکعت بہ بست وسہ رکعت با وتر وسکوت کردند سائر صحابہ وعمل کردند بداں، گویا واقع شد اجماع براں۔ ومارا عمل اصحاب حجت است ہمچوں مرفوع خصوصًا کہ با جماع باشد۔ انتھی ملخّصا

إن فرض أنّ التراويح وكميتها لم يرويا عن النبي ﷺ بل هما حدثا بأمر عمر رضي الله تعالي عنه فلنا أن نثبت الأمرين بالقرآن بهذا الوجه:

قال الله تعالي: {وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ} [الحشر: ٧]

وقال عليه الصلوة والسلام: لا أدري مابقائي فيكم فاقتدوا باللذين من بعدي أبي بكر وعمر. رواه الترمذي عن حذيفة (سنن الترمذي: ٥/ ٦١٠)

وليكن هذا آخر تحريرنا والحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله والصحابة والأئمة أجمعين إلى يوم الدين.

حكم شد الرحال لزيارة قبر النبي صلي الله عليه وسلم

سوال

باسمہ سبحانہ

ما قول العلماء والفضلاء فيمن قال: إنّ شدّ الرّحال لزيارة قبر النبي ﷺ لا يجوز، لقوله عليه الصلوة والسلام: لا تشدّ الرحال إلا إلى ثلثة مساجد. (صحيح البخاري: ٢/ ٦٠) بينوا توجروا!

جواب

اللّهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! قول ذلك الشخص مردود ولعلّ مقصوده كان ترويج قول ابن تيمية الذي هو إمام الفرقة الضالة التي سميت في ديار الهند بغير المقلدين، فإنه ذهب إلى منع زيارة قبر النبي كما نقل القسطلاني، وردّ مذ هبه بأكمل وجه حيث قال: وقد بطل بما مرّ من التقدير بلا تشد الرحال إلى مسجد للصلوٰة فيه بحديث أبي سعيد المروي في مسند احمد باسناد حسن مرفوعا لا ينبغي للمطيّ أن تُشدّ رحاله إلى مسجد تبتغي فيه الصلوٰة غير المسجد الحرام والأقصي ومسجدي هذا. وقول ابن تيمية حيث منع من زيارة قبر النبي ﷺ هو من أبشع المسائل المنقولة عنه. انتهي ملخصا (إرشاد الساري لشرح صحيح

البخاري: ۲/ ۳٤٤) والله أعلم وعلمه أتمّ

دور دراز شہروں میں چاند نظر آنے کی خبر کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

چہ می فرمایند علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ اگر خبر رؤیت ہلال از بلدانِ بعیدہ بذریعہ خطوط یا بزبانی آئندہ، کاں چناں معلوم شود کہ در فلاں فلاں شہر بروز فلاں روزہ داشتہ اند بمقتضائے ایں عمل کردن لازم است یا نہ؟ بينوا توجروا! فقط

جواب

اللّهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! اگر خبر مذکورہ بدرجہ تحقیق رسد بمقتضائے آں عمل کردن لازم است۔ بلکہ دریں خبر شہادت ہم شرط نیست۔

لما في الدر المختار: لو استفاض الخبر في البلدة الأخري لزمهم على الصحيح من المذهب مجتبي وغيره. انتهي (الدر المختار: ص ١٤٥)

وفي الدر المختار: وفي الذخيرة قال شمس الائمة الحلواني: الصحيح من مذهب أصحابنا أنّ الخبر إذا استفاض وتحقق فيما بين أهل البلدة الاخريٰ يلزمهم حكم هذه البلدة ومثله في الشرنبلالية عن المغني. (الدر المختار ورد المحتار: ٢/ ٣٩٠)

قلت: ووجه الاستدراك أنّ هذه الاستفاضة ليست فيها شهادة على قضاء قاض دالا على شهادة لكن لما كانت بمنزلة الخبر المتواتر وقد ثبت بها أنّ أهل تلك البلدة صاموا يوم كذا لزم العمل بها؛ لأنّ البلدة لا تخلو عن حكم شرعي عادة فلا بدّ من أن يكون صومهم مبنيا على حكم حاكمهم الشرعي، فكانت تلك الاستفاضة بمعني نقل الحكم المذكور وهو أقوي من الشهادة بأنّ

أهل تلك البلدة رأوا الهلال وصاموا لأنها لا تفيد اليقين، فلذا لم تقبل إلا إذا كانت على الحكم أو على شهادة غيرهم لتكون شهادة معتبرة، وإلا فهي مجرّد اخبار، بخلاف الاستفاضة فإنّها تفيد اليقين فلا ينافي ما قبله. هذا ماظهر لي، تأمّل. انتهي

باید دانست اگرچہ از خطوط شہادت ثابت نمی شود لیکن استفاضہ جزو تحقیق آن بذریعہ خطوط دریں زمان بسبب ڈاک از خبرہائے زبانی در اعتبار و تحقّق فوقیت تمام جستہ بلکہ در معاملات دور دراز خبر زبانی اعتبار ندارد یعنی تاوقتیکہ تحریری سند نمی باشد اعتبار نمی کنند، پس آناں کہ خبر خطوط را دریں باب از پایۂ اعتبار ساقط گمان کردہ اند بلکہ می گویند کہ خط را در احکام شرعیہ اعتبارے نیست، بے خبر اند از کتب قوم۔

قال في الدر المختار: بخلاف كتاب الامان في دار الحرب حيث لا يحتاج إلى بينة، لأنه لس بمعلوم. وفي الاشباه: لا يعمل بالخط إلا في مسألة كتاب الامان ويلحق به البراءات ودفتر بيّاع وصرّاف وسمسار، وجوّزه محمد لراو وقاض وشاهد إن تيقن به، قيل: وبه يفتى. انتهي (الدر المختار: ٥/ ٤٣٥)

وفي رد المحتار: وكذا منشور القاضي والوالي وعامة الأوامر السلطانية مع جريان العرف والعادة بقبول ذلك بمجرد كتابته، وإمكان تزويرها على السلطان لا يدفع ذلك، لأنه وإن وقع فهو أمر نادر، فلما يقع وهو أندر من إمكان تزوير الشهود. انتهي (رد المحتار: ٥/ ٤٣٥) والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

اجنبی عورت کے جنازہ کی چارپائی اٹھانا

سوال

باسمہٖ سبحانہ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اندریں مسئلہ کہ تابوت یا چارپائی یا جنازۂ زنِ مردہ اجنبی یا شوہر را برداشتن جائز است یا نیست؟ درمیانِ برداشتن ولی وشوہر واجنبی چہ قدر فرق است؟ بينوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهم أرنا الحقّ حقاً والباطل باطلاً! برداشتن جنازہ ہر شخص را درست است محرم وغیر محرم شوہر واجنبی دریں امر برابر اند، زیرانکہ فقہاء دریں امر جنازۂ زن را از جنازۂ مرد جدانہ ساختہ اند۔

قال في الشامي: تداولها الناس بالحلّ على أيديهم. انتهي (الدر المختار ورد المحتار: ۲/ ۲۳۱)

قال في المستخلص: لأنّ حملها عبادة فينبغي أن يتبادر إليه كل واحد. كذا في الكفاية.

یعنی برداشتن جنازہ عبادت است ہر شخص را دریں امر مبادرت باید کرد، محرم وغیر محرم دریں امر برابر اند۔ زیرانکہ آنحضرت ﷺ وقت دفن کردن ام کلثوم دخترِ خود ابوطلحہ را فرمود کہ نعش او در قبر فرو بردہ بہ نہد۔

روي البخاري عن أنس بن مالك قال: شهدنا دفن بنت رسول الله ﷺ جالس فرأيت عينيه تدمعان وقال: هل فيكم من أحد من لم يقارف الليلة؟ فقال أبو طلحة انا! قال: انزل في قبرها، قال: فنزل في قبرها. (صحيح البخاري: ۲/ ۹۱)

گفت انس حاضر شدیم دفن ام کلثوم دختر پیغمبر ﷺ حالانکہ آنحضرت ﷺ نشستہ بودند بر لب قبر پس دیدم دو چشم او را کہ اشک می ریخت۔ پس گفت آیا در شما از کسے است کہ جماع نکردہ باشد امشب؟ پس گفت ابوطلحہ منم کہ جماع نکردہ ام۔

فرمود پس فرو در آمد اَبو طلحہ در قبر او۔ گفت انس پس فرود آمد ابو طلحہ در قبرِ او۔

و دریں دلالت است بر آنکہ در نیایند قبر را مگر مرداں، اگرچہ میت زن باشد، زیرا نکہ تجویز نکرد آنحضرت ﷺ درآمدن زناں را دریں ہنگام۔ انتہی مع ترجمہ شیخ الاسلام واللہ أعلم وعلمه أتم

الراقم

محمد لودھیانوی

رسالہ فیوض محمدیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذي أغلب أهل الحق على من ألبس الباطل بالحق والصلاة على النبي الذي اختص بفصل الخطاب والسلام على الرسول الذي اختير من بين الأحباب وعلى آله وأصحابه الذين خربوا بنيان الكفر والبدعة والائمة الذين أسسوا قواعد الإسلام والشريعة وجميع المسلمين، إلا المبتدعين الذين خسروا في الدنيا والآخرة وعموا عن درك الدولة القاهرة. إياكم والبدعة الخبيثة وعليكم بالسنة السنية.

اما بعد! فالتمس مني بعض خلّاني وخلص إخواني أن أدوّن رسالة على طريق السنة الجزيلة مزيلة لمفاسد أهل البدعة الرذيلة، فلم أر النجاح إلا بإنجاح مأمولهم وإسعاف مسئولهم وسمتيها بالفيوض المحمّدية ردا للمفاسد الردية، فها أنا أشرع في المقصود مستفيضا بذي الفيض والجود.

ورتبته على خمسة فيوض: الفيض الأول في الصدقة والفيض الثاني في الدعاء للأموات والفيض الثالث في وصول الثواب للميت والفيض الرابع في البدعة والفيض الخامس في بيان ما أهلّ به لغير الله.

الفيض الأول في الصدقة:

الصدقة ثابتة بالآيات والأحاديث. قال الله تعالي: {وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ} [سبأ: ٣٩] الآية. قال النبي ﷺ إذا مات الانسان

انقطع عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية الحديث. (صحيح مسلم: ٣/ ١٢٥٥)

إلا أنّ التعيين الذي اخترعه أهل البدعة اليوم الثالث أو العاشر وغير ذلك لم يوجد في الكتب المعتبرة له أمر، فضلا أن يكون في الأحاديث أثر، بل الروايات الفقهية تأبي عنه كل الإباء. أما قرع سمعك أنهم يكرهون تعيين سورة من السور للصلاة بل يكرهون إدامة الأوساط والطوال والصغار في أوقاتها مع ورود السنة بقراءتها. وأيضا تشخيص هذه الأيّام عادة الهنود. فكيف وقال النبي صلي الله عليه وسلم من تشبّه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داود: ٤/ ٤٤)

فرواية "مجموع الروايات" بعد تصحيح نقلها مردودة على صاحبها. وما قيل: "إن الصدقة كلي طبعي، فلا وجود لها إلا بوجود الأفراد، والصدقة المعينة والمشخصة بالزمان والمكان فرد له،" مدفوع بوجهين: الأول أنّ الزمان والمكان ليسا من المشخّصات، ولا يرد أن ينعدم الأشخاص بتعاقب الآنات وتبدّل المكانات. الثاني أنّ تعيين زمان دون زمان مع كونه زيادة ترجيح بلا مرجح بل ترجيح للمرجوح. تأمّل فإنّه دقيق

فالقول بجوازه مخالف للمعقول والمنقول وبعد جنايا في زوايا. والاستدلال بالأحاديث الواردة في فضائل الايام للجمعة والعيدين وشهر الصيام ليس بشيء إذ الكلام في التعيين لا التفضيل وأين هذا من ذلك، على أنّ التعيين فيها من الشارع وفي تلك المسئلة من عندكم، على أنّ التعيين حكم شرعي مخالف

للقياس فيقصر على موارده.

ترجمہ

سب تعریف اللہ کو جس نے غالب کیا اہل حق کو اور پر اہل ضلال کے۔ درود و سلام ہو اوپر رسولِ خدا کے جو مختص ہیں ساتھ جدا کردینے حق کو باطل سے اور وہ پیغمبرِ خدا پر جو اختیار کیے گئے دوستوں میں سے اور اوپر آل اور اصحاب کے جنھوں نے اکھاڑ دی بنیاد اہل کفر اور بدعتوں کی اور اوپر امامانِ دین کے جنھوں نے قواعدِ اسلام کی بنیاد ڈالی اور سب مسلمانوں پر، سوائے اہل بدعت کے جنھوں نے دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھایا اور نابینے ہوگئے دولت دین کے پہچاننے سے۔ بچاؤ اپنے آپ کو بدعت سے اور لازم پکڑو سنت کو ہر گاہ۔

خواہش کی میرے بعض دوستوں نے اس کی کہ ایک رسالہ موافق سنت کے تحریر کیا جاوے تاکہ بدعت کی بخوبی تردید ہو جاوے۔ پس میں نے اس امر کو قبول کر کے یہ رسالہ مسمی بفیوض محمدیہ تحریر کیا۔ میں اس رسالہ کو ساتھ توفیق ایزدی کے شروع کرتا ہوں۔ مرتب کیا میں نے اس کو اوپر پانچ فیضوں کے۔ فیض اول صدقہ میں، فیض ثانی دعاءِ اموات میں، فیض سوم میت کو ثواب پہنچانے میں، فیض چہارم بدعت میں، فیض پنجم بیچ بیان اس جانور کے جو غیر خدا کے واسطے ذبح کیا جاوے۔

فیض اول صدقہ میں:

صدقہ ثابت ہے آیات اور احادیث سے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو مال نیک کام میں خرچ کرو گے اس کا عوض خدا تعالیٰ تم کو دے گا۔ فرمایا آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جب آدمی انتقال کر جاتا ہے اس کا عمل بھی منقطع ہو جاتا ہے مگر جو شخص مثلاً مسجد تعمیر کر کے یا علم دین پڑھا کر یا اولاد نیک چھوڑ کر انتقال کر گیا ہو تو اس کو بعد وفات کے بھی ثواب پہنچتا ہے۔ لیکن مقرر کرنا تیسرے اور دسویں دن وغیرہ کا

کتب معتبرہ سے ثابت نہیں بلکہ روایاتِ فقہیہ اس کے خلاف پر ہیں۔

دیکھو مقرر کرنا ایک سورت کا نماز کے واسطے علماء نے مکروہ لکھا ہے اور نیز مقرر کرنا ان ایام کا ہنود کی عادات سے ہے۔ پس کس طرح درست ہووے۔ حالانکہ حضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص جن لوگوں کے ساتھ مشابہت کرے گا قیامت میں انہی کے ساتھ مبعوث ہوگا۔ پس جو لوگ واسطے تعیین ان ایام کے کتاب مجموع الروایات کو سند پکڑتے ہیں، بالکل پاگل ہیں۔ اور جو کلی قرار دے کر اس کو اس کی جزئی بنا کر استدلال پکڑتے ہیں، بالکل نادان ہیں۔ کیونکہ جزئی ہونے میں ہر وقت برابر ہے، کسی وقت معیّن کو دوسرے وقت پر ترجیح دینی بلا دلیل ہے۔ پس جائز قرار دینا بالکل عقل اور نقل کے مخالف ہے۔

اور جو لوگ ان احادیث کو جو فضائل جمعہ اور عیدین اور ماہِ رمضان میں وارد ہیں، دلیل پکڑتے ہیں لائق اعتبار نہیں کیونکہ کلام تعیین میں ہے نہ فضیلت میں اور نیز تعیین ان میں خود شریعت نے کر دی ہے، ہم نے اپنے پاس سے نہیں کی ہے۔

الفيض الثاني في الدعاء:

الدعاء مؤثر عند الأيمة خلافا للمعتزلة، قال الله تعالي: {ادْعُوا رَبَّكُمْ} [الأعراف: ٥٥] الآية. قال رسول الله صلعم: الدعاء مخّ العبادة. (سنن الترمذي: ٥/ ٣١٦)

إلا أنّ تخصيصه قبل أكل الطعام، فلم يثبت بعد. أما التمسك بحديث أبي هريره يوم غزوة تبوك حيث دعا النبي صلى الله عليه وسلم على فضل أزواد الصحابة سخيف جدا، إذ منطوق الحديث: دعا النبي صلى الله عليه وسلم للزيادة لا لإيصال الثواب، ولا أظنّك شاكّا في كونه معجزة. فتنبه ولا تكن من

الخاسرين.

وأما قراءة القرآن على الطعام فلم يثبت مطلقا، والقياس على الدعاء مع عدم ثبوته قبل الأكل مع الفارق؛ لجوازه للجنب والنفساء بخلافها وعدم جواز الصلوٰة إلا بها. ونقل عن بعض المحققين في تعليقاتهم على "عين العلم" أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ما انتظر إداما قط، يعني أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم لم ينتظر للإدام بعد حضور الطعام، بل كان يشرع في الأكل بالتسمية بعد حضوره. وقراءة القرآن بعدها قبله عند حضوره زيادة على السنة. والزيادة نسخ كما بين في موضعه. فقراءة القرآن عليه نسخ لسنته صلى الله عليه وسلم والعمل الرافع للسنة مكروه فالقراءة عليه مكروه. وفي فتاوي البزازية: كره قراءة القرآن عند اتخاذ الطعام. نقله في الصغيري والكبيري. فالقول بعدم كراهة قراءة القرآن على الطعام مخالف للرواية والدراية.

ترجمہ

فیض ثانی دعا میں ہے: دعا تاثیر کرتی ہے اہل سنت والجماعت کے نزدیک۔ البتہ فرقہ معتزلہ دعا کو موثر نہیں جانتے۔ خدا جلّ شانہٗ فرماتا ہے: دعا مانگو رب اپنے سے۔ فرمایا رسول خدا ﷺ نے دعا مغز عبادت کا ہے۔

لیکن کھانے سے پہلے خاص کر مقرر کرنا دعا کا ثابت نہیں اور حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دلیل پکڑنا جو آنحضرت ﷺ نے اصحابوں کے کھجوروں وغیرہ پر جو بہ سبب زاد کم ہوجانے زاد کے دعا فرمائی تھی، بالکل پاگل پن ہے۔ کیونکہ اس میں دعا واسطے زیادہ ہوجانے زاد کے تھی نہ کہ واسطے ایصال ثواب کے اور نیز وہ معجزہ تھا۔ اور اس پر قرآن کا پڑھنا طعام پر جس کو ختم کہتے ہیں، بالکل ثابت نہیں۔ اور دعا پر قیاس کرنا قرآن کا مع الفارق ہے کیونکہ دعا

جنبی اور حائضہ کو بھی درست ہے۔ قرآن پڑھنا ان کو درست نہیں۔

اور عین العلم کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ حضرت ﷺ نے بعد حاضر ہونے طعام کے نان خورش کا کبھی انتظار نہیں کیا بلکہ بسم اللہ کہہ کر کھانا شروع کر دیتے تھے۔ اور قرآن مجید کا پڑھنا بعد بسم اللہ کے قبل کھانے کے زیادتی ہے سنّتِ نبوی پر اور زیادتی نسخ ہے جیسا کہ علم اصولِ فقہ میں مذکور ہے۔ پس پڑھنا قرآن مجید کا بطور ختم سنّت کا منسوخ کرنا ہے اور جو چیز سنّت کو منسوخ کرے وہ مکروہ ہوتی ہے۔ پس قرآن شریف کا پڑھنا طعام پر مکروہ ہوا۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے: مکروہ ہے پڑھنا قرآن مجید کا طعام پر۔ پس جو شخص اس فعل کو جائز جانتا ہے قول اس کا روایت اور درایت دونوں کے خلاف ہے۔

الفيض الثالث في وصول الثواب:

اختلف الأيمّة والأكثرون على وصوله، والكتب مشحونة بذكره. يعني أنّ ثواب الدعاء وقراءة القرآن يصل إلى الميت على وجه السنة السنية إذا كان الكل منفردا وأما الجمع فبدعة؛ إذ لم يثبت من السلف. والقياس على جواز كل واحد ممنوع لأن حكم المجموع قد يكون غير الأفراد. كقولنا: كل رجل يشبعه هذا الرغيف. فاحفظه فإنه يعصمك عن شكوك المفسدين وترهات المبتدعين.

لا يقال: إنّ التسمية آية من آيات القران وسُنّية قراءتها بالاتفاق، فلِمَ لا يجوز أن تزاد عليها سورة أخري؟ لأنّا نقول بعد تسليم كونها آية أنها نسخ كما مرّ، وأيضا القياس مع الفارق، لجوازها للجنب والنفساء، بخلاف باقي الآيات.

وذكر العلامة في التلويح بما حاصله أنّ كتابة التسمية قبل كل سورة للتبرك، ومن جوّز كتاتبها مع الفاتحة قبل كل سورة للتبرك يعدّ زنديقا إذ لم ينقل من السلف.

وبالجملة الجمع بين العبادات إن كان ماثورا من السلف كان جائزا وإلّا فبدعة. أما دريت أنّ الجماع مع الزوجة وقراءة القرآن وإطعام المساكين عند حضورك والصيام كل واحد واحد جائز مع أنّ الجمع حرام.

ترجمہ

فیض ثالث ثواب کے پہنچنے میں: ثواب میت کو اکثر اماموں کی نزدیک پہنچتا ہے۔ یعنی دعا کا کرنا اور قرآن کا پڑھ کر بخشنا ثابت ہے لیکن طعام اور قرآن دونوں کو جمع کر کے ثواب پہنچانا ثابت نہیں۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ بسم اللہ ایک آیت ہے قرآن مجید کی اور اس کا سنت ہونا طعام میں ثابت ہے۔ پس کیوں نہیں جائز کہ اس پر اور کوئی سورت زیادہ کی جاوے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فقط بسم اللہ کا پڑھنا مسنون ہے۔ اس پر زیادہ کرنے سے نسخ لازم آتی ہے۔ اور نیز بسم اللہ کا پڑھنا ناپاک کو درست ہے، باقی قرآن شریف کا پڑھنا درست نہیں۔ علامہ نے تلویح میں کہا ہے کہ لکھنا بسم اللہ کا پہلے ہر سورت کے واسطے تبرک کے ہے اور جو شخص اس پر قیاس کر کے بسملہ کے ساتھ سورہ فاتحہ کو بھی ہر سورہ کے پہلے لکھنا تبرک کے واسطے درست کہے، اس کو زندیق یعنی بے دین کہا جاوے گا کیونکہ یہ متقدمین سے منقول نہیں۔

حاصل کلام کا یہ ہے کہ جو جمع کرنا عبادات کا متقدمین سے منقول ہے وہ جائز ہے ورنہ بدعت ہے۔ آیا نہیں خیال کرتا تو کہ جماع کرنا اپنی زوجہ سے اور تلاوتِ قرآن کے اور مسکینوں کو اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلانا اور روزہ رکھنا ہر ایک جداگانہ عبادت ہے حالانکہ جمع کرنا ان کا درست نہیں۔

الفيض الرابع في البدعة:

اعلم أنّ مذهب أهل التحقيق عدم انقسام البدعة إلى الحسنة، فكل ما أحدث في أمر الدّين بعد القرون الثلاثة بدعة. قال

رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار. (السنن الكبرى للنسائي: ٢/ ٣٠٨)
وعندالبعض انقسامها، قالوا إن ارتفع بها سنة أو واجب أو فرض فسيّئة وإلّا فحسنة، فقراءة القرآن على الطعام بدعة رؤيته اتفاقا لأنه يميت السنة المؤكدة التي هي أكل الطعام بعد التسمية من غير تاخير، وأيضا يجب حضور القلب عند القراءة للقاري والسامع مع أنّ الأمر بالعكس، ولذا جاء في الحديث: إذا حضر العَشاء والعِشاء قدّم العَشاء على العِشاء. وأيضا جاء: من جعل القراءة وسيلة للطعام جاء يوم القيامة بوجه لا لحم عليه سوي العظام.
ونقل عن الإمام الغزالي بما حاصله أنّ السوال بالرباب أحبّ إلى من قراءة القرآن وسيلة للأكل، لأنها كدفع نجاسة النعل باللحية.
فإن قيل: لم يجعل القراءة وسيلة حتى تكون قبيحة بل يفعلون عبادة. قلنا: فما وجه قراءة الفاتحه وسورة الإخلاص على الطعام الأقلّ ثمنا وقراءة يسين والملك على الأزيد ثمنا؟ وهل هذا إلّا تهافت.

ترجمہ

فیض چوتھا بدعت میں: محققین کے نزدیک بدعت طرف حسنہ کے منقسم نہیں ہوتی۔ جیسا کہ تصریح کی ہے ساتھ اس کے مجدد صاحب نے اپنے مکتوبات میں۔ پس جو چیز قرونِ ثلاثہ کے بعد امرِ دین میں نوایجاد کی گئی وہ بدعت ہے۔ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو بدعت ہے وہ گمراہی ہے اور جو گمراہی ہے وہ دوزخ میں ہے۔ اور بعض نے بدعت حسنہ کہا ہے اس کو جس کے کرنے سے کوئی فرض، واجب، سنت ترک نہ ہو۔ پس قرآن مجید کا پڑھنا بطور ختم اتفاقاً بدعت سیئہ ہوا کیونکہ اس کے پڑھنے سے سنت نبوی دور ہو جاتی ہے۔
اور نیز قرآن مجید کی تلاوت میں پڑھنے والے کا اور سامع کا دل حاضر ہونا

چاہیے باوجودیکہ کھانے کے وقت دل طرف طعام کی رجوع ہوتا ہے۔ اس واسطے حدیث میں آیا کہ جب طعام اور جماعت عشاء حاضر ہوں تو پہلے طعام کو کھاکر بعد میں نمازِ عشاء ادا کرنی چاہیے۔ اور حدیث میں وارد ہے کہ جس نے وسیلہ بنایا قرآن مجید کو طعام کے واسطے اس کے منہ پر دن قیامت کے گوشت نہیں ہوگا، فقط ہڈی ہوگی۔ اور امام غزالیؒ سے منقول ہے کہ سوال کرنا رُباب کے ساتھ اچھا ہے میرے نزدیک قرآن کے پڑھنے سے واسطے کھانے کے، کیونکہ یہ ایسا ہے جیساکہ جوتی کی نجاست کو داڑھی کے ساتھ پونچھ کر دور کرنا۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ قرآن مجید کو وسیلہ نہیں کرتے بلکہ بطور عبادت کے پڑھتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ دال روٹی پر قل ھو اللہ اور پلاؤ پر یٰسین کیوں پڑھی جاتی ہے؟

الفيض الخامس في بيان ما أهل به لغير الله:

اعلم أنّ كلّ ما أهلّ به لغير الله حرام عند العلماء الربانية والفضلاء الحقانية، لأنّ لفظة "ما" في "ما أهلّ لغير الله" موصولة كانت أو موصوفة من ألفاظ العموم، وحكمه تناول الأفراد قطعا، حتى يجوز نسخ الخاص به كما بين في موضعه، فمعني الآية: أنّ كلّ شيء أهلّ لغير الله، أي لتقريب غير الله حرّم عليكم. فتخصيصه بوقت الذبح نسخ، إذ تخصيص العام نسخ له. كذا ذكر في علم الأصول.

وما وقع في بعض التفاسير من التقيد بوقت الذبح فمحمول على بيان شان النزول، يعني أنّ العرب كانوا يذبحون باسم اللات والعزى، فأنزل الله هذه الآية بيانا لحرمته، والعبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد، وإلّا لم يثبت الأحكام إلّا قليلا. وحديث إنّما الأعمال بالنيات دالّ على عدم اعتداد التلفّظ باسم الله إذا لم

يطابق النية وإلّا لجاز صلاة من تلفّظ بالنية وكان القلب مخالفا.
فإن قلت: إذا كان منطوق الآية العموم فلم تخصّون في مسئلة المسافر وغيره إذا كان الأكل مقصودا؟ قلت: لأنها لا تتناولها الآية، إذ معنى "لغير الله" التقرّب للغير كما يشهد به العقل والنقل. قال الله تعالي: {لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنْكُمْ} [الحج: ۳۷] أي ليس منّا في المذبوحة شيء سوي التقرّب، فإذا قرع سمعك هذا فلا أظنك شاكا في عدم دخول مسئلة المسافر تحت الآية، إذ التقرب فيها ليس لغير الله. فتفكر، فانه من مزلّة الأقدام قد تحيرت فيه الأفهام.
هذا آخر ما تيسر لي في هذا المقام والحمد لله الذي هيّأ بالإتمام والصلوة على أفضل رسله من بين الأنام. تمت الرسالة المسمّاة بالفيوض المحمّدية ردّا للمفاسد الرديّة بعون الملك العلّام. ولا يخفي حسن تقريره على ذوي الأفهام. تمّت الرسالة

ترجمہ

فیض پانچواں غیر خدا کے واسطے ذبح کرنے کا ذکر: یہ حرام ہے علماء وفضلاء حقانیوں کے نزدیک۔ کیونکہ لفظ "ما" سب کو شامل ہے جو غیر خدا کے واسطے کی جاوے۔ پس معنیٰ آیت "وما أهل لغير الله" کے یہ ہیں کہ جو چیز واسطے تقرب غیر اللہ کے ذبح کی جاوے، حرام ہے۔ پس خاص کرنا اس کا ساتھ وقت ذبح کے غلط ہے۔ یعنی بروقت ذبح اگرچہ نام خدا کا لے کر ذبح کرے لیکن غرض اس کی تقرب غیر خدا کا ہے تو وہ بے شک حرام ہے۔ اور حدیث "انما الاعمال بالنيات" بھی اسی امر پر دال ہے کہ قول بلا نیت کے معتبر نہیں۔
اگر کوئی اعتراض کرے کہ مسافر کے واسطے ذبح کرنے کو کیوں حرام نہیں کہتے؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ وہاں صرف گوشت کا کھلانا غرض ہوتا ہے،

تقرب غیر اللہ کا منظور نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہیں پہنچتا خدا تعالیٰ کو گوشت قربانیوں کا اور نہ خون، لیکن پہنچتا ہے خدا تعالیٰ کو تقویٰ تمھاری طرف سے۔ یعنی نہیں ہمارا حصہ مگر تقرب۔ پس ثابت ہوا اس تحقیق سے کہ مسافر کا مسئلہ اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ اس میں تقرب الی غیر اللہ مقصود نہیں۔

تمام ہوا رسالہ فیوض محمد ساتھ توفیق خداوند کریم کے۔

رسالہ

ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی؟

سوال

باسمہٖ سبحانہ

ما قول العلماء الحنفية في أنّ ما أفتي الفاضل الگنگوهي بفرضية العشر على الأراضي الهنديّة التي في أيدي المسلمين من القديم إن لم يتحقق كونها خراجية في الابتداء فهي عشرية فعلى هذا كلها عشرية وتقول بعشريّتها الفاضل البريلوي أيضا مع كمال ادّعائه في تحقيق المسائل وتدقيقها. فما الحكم؟

ترجمہ: کیا فرماتے ہیں فقہائے حنفیہ اس فتویٰ کی بابت جو فاضل گنگوہیؒ نے دیا ہے کہ ہندوستان کی زمینیں جو قدیم سے مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں۔ اگر یہ معلوم نہ ہو کہ وہ ابتداء سے خراجی ہیں تو وہ عشری ہوں گی۔ یعنی اس کی پیداوار میں سے اگر بارانی ہو تو دسواں حصہ اور جو چاہی ہو تو بیسواں حصہ دینا فرض ہے۔ پس تمام املاک مسلمانانِ ہند کی عشری ہیں اور فاضل بریلوی احمد رضا خان صاحب نے بھی عشریت کا دعوی کر کے فتویٰ دیا ہے۔ آیا یہ فتویٰ صحیح ہے یا نہیں؟ عندكم رحمكم الله!

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقًّا والباطل باطلاً! الإفتاء المذكور باطل عقلا ونقلا. أمّا عقلا فلأنّ عدم كونها خراجية غير مستلزم لكونها عشرية؛ لجواز أن تكون موقوفة على المسلمين لأنّه ستعلم أنّ تقسيم الأرض ليس كتقسيم العدد إلى الزوج والفرد بل كتقسيمه إلى الزائد والناقص والمساوي، فكما أنّ عدم كونه زائدا لا يستلزم كو نه نا قصا لجواز أن يكون مساويا، فكذا فيما نحن فيه. وعلى

تقدير فرض الملازمة لا يحصل إنتاج التالي إلّا بعد ثبوت وضع مقدّمها كما هو دأب الأقيسة الاستثنائيات. فالحكم من الفاضل الگنگوهي بإنتاج تالي تلك الشرطية بلا ثبوت الملازمة والوضع المذكور دالّ على أنه لا مسّ له في العلوم الآلية رأسا.

وأما نقلا فلأنّ الأرض التي أسلم أهلها عليها تكون عشرية والتي افتتحت صلحا على خراج معلوم فهي خراجية والتي أخذت عنوة فهي في اختيار الإمام إن شاء قسّمها بين المسلمين وإن شاء جعلها موقوفة عليهم. كذا ذكر العيني في شرحه للبخاري

ومن المعلوم أنّ الأراضي الهندية ليست من التي أسلم أهلها عليها لأن أهلها كانوا كفّارا في بدء الفتح كما هو ظاهر على من طالع كتب التواريخ، فلا جرم أمّا أن تكون من التي افتتح صلحا كما نشاهد في البلاد التي في أيدي الكفار من قبل الفتح إلى يومنا هذا وكان رؤسائهم يؤدّون خراجا معلوما إلى السلاطين الإسلامية ما دامت الحكومة الإسلامية باقية في الهند. فالأراضي التي في أيدي المسلمين من تلك البلاد خراجية لا محالة. وإسلام أهلها لا يجعلها عشرية، لما قال العيني في شرح الهداية: كل أرض فتحت عنوة وقهرا وتركت على أهلها ومنّ عليهم الإمام فانه تصحيح الجزية على اعناقهم إذا لم يسلمو والخراج على أراضيهم أسلمو أو لم يسلموا. انتهي (البناية: ۳/ ٤٢٧)

وأما أن تكون من التي فتحت عنوة وأقرّ أهلها عليها ويتوارثون فيما بينهم ثم أسلموا بعد ذلك كما نري في البلاد التي كان ملّاكها في بدء الإسلام كفّارا ثمّ ظهر فيهم الإسلام فهي أيضا خراجية، لأن الإسلام لا يجدي، كما مرّ من العيني.

وأما الأراضي التي في أيدي القريش وغيرهم الذين كانوا مسلمين من قبل مجيئهم في الهند تحتمل أن تكون عشرية إن ثبت تقسيم الإمام عليهم في بدء الفتح كما يظنّ في بادي النظر، لكن بعد التّعميق يظهر خلافه؛ لأن تلك الأراضي في أيديهم ليست من بدء الفتح بل أكثرها من زمان الأكبر كما يظهر من الأسانيد التي في أيديهم وبعضها موجودة عند سادات بلدنا هذا الذي يقال له "لوديانة"، فارتفع احتمال كونها عشرية أيضا.

وأما احتمال كو نها أرض المملكة التي تكون موقوفة على المسلمين كما ذكر في فتاوي العزيزية حيث قال:

"حضرت شیخ جلال تھانیسری قدس اللہ سرّہ در رسالۂ خود اختیار فرمودہ اند کہ زمین ہندوستان در ابتداءِ فتح مانندِ سوادِ عراق کہ در عہدِ فاروق رضی اللہ عنہ مفتوح شدہ بود موقوف بر ملک بیت المال است زمینداراں رابیش از تولیت وزراعت وحفظ دخلے نیست۔ چنانچہ لفظ زمیندار نیز اشعاری بآں می کند، تغیر وتبدّل زمینداری وعزل ونصب زمینداراں واخراج بعضے ازانہا واقرار بعض وعطائے بعض اراضی بافغاناں وبلوچاں وسادات وقدوانیاں بصیغہ زمینداری دلالت صریحہ بریں می کند۔

پس دریں صورت جمیع اراضی ہندوستان مملوک بیت المال گشت وبعقد مزارعت علی نصف او اقلّ منہ در دست زمینداراں۔ پس ہر قطعہ کہ بادشاہِ وقت بطریق تابید حقیقی یا حکمی بکسے بخشید ملکِ او شد، وہر قطعہ راکہ بروجہ او دارد استحقاق باد داد در دست او عاریت است، آرے نظر در مناشیرِ ملوک قدیم باید نمود تا آنچہ بروجہ تابید دادہ اند از قسم دیگر متمیز گردد وآنچہ بروجہ تابید دادہ اند پس اگر بامعافی خراج است پس خراج ہم واجب نمی شود۔

زیراکہ دریں صورت تملیک رقبہ اراضی ہم شد و خراج راہم تنخواہ کردند واگر محض تملیک اراضی است بدوں معافی خراج واجب خراج نمی شود ودر صورتِ اولیٰ امام راحق رامی رسد کہ از زمین مذکورہ خراج بگیرد۔ بہرحال در حال زمیں ایں جانیز شبہ است ودر وجہ اعطاء پیشنیاں تعارض ظنون۔ واللہ اعلم" انتہیٰ

عبارته ينادي بأعلي نداء على كون الأراضي الهندية المملوكة للمسلمين كلها خراجية، وقدح القاضي ثناء الله صاحب التفسير المظهري في رسالته المسماة بـ"ما لا بدّ منه" بعدم عشريّتها أيضا. وإذا قرع سمعك هذا فلا أظنك شاكا في بطلان كلام الفاضل الگنگوهي الّذي ديدنه كذلك في المسائل التي لا يدرك كنهها إلّا بعد تعميق النظر فيها، لعدم كونه من أهل النظر ولعدم توغّله بالفقه ولذا تري أكثر فتاواه خاليا عن السند وأتباعه كالأعمي ينطلقون خلفه فأفتوا بغير علم فضلّوا وأضلّوا. ولنذكر نبذا من فتاواه التي ضلّ فيها عن طريق الحق وماذا بعد الحق إلا الضلال:

١. أفتي الگنگوهي أوّلا بكون القادياني رجلا صالحا.
٢. وثانيا بكونه من أهل الهوى مع كونه قائلا بأنّ عيسى بن مريم على نبينا وعليه الصلاة والسلام كان ابنا ليوسف النجار نعوذ بالله منه.
٣. ثم أفتي بإمكان الكذب لله تعالي.
٤. وبمنع الظهر بعد الجمعة في هذه الديار التي لم يوجد فيها شرط السلطان الذي وجوده ضروري عند الحنفية.
٥. وأفتي بجواز قول "يا شيخ عبد القادر جيلاني شيئا لله" مع أنّ فتواه كان أوّلا بكفر قائله.
٦. وأفتي بجواز تعمير المسجد للكفار.

إلى غير ذلك من المسائل التي ترك فيها مسلك المحققين.
والتأسّف كل التاسف على البريلوي لأنّه في الاستدلال بالنقل سلك مسلك الغافلين الذين يتمسكون لترك الصلاة بقوله تعالي: ولا تقربوا الصلوة، حيث نقل من الفتاوي العزيزية إلى قوله **"على النصف او اقل منه در دست زمینداراں"** وترك باقيه ما يدلّ على كون الأراضي المملوكة للمسلمين خراجية لكونه هادما لدعواه.
فالواجب على المسلمين الاحتراز عن العمل بفتوا هم ما لم يجدوه في الكتب ويحققوه من الذين اشتهروا بتحقيق الحق. وليس غرضنا من هذا الكلام إلّا كغرض مصنفي كتب أسماء الرجال، أعني النصيحة للمسلمين، إذ هي واجبة، لقوله عليه الصلوٰة والسلام: الدين النصيحة. والله أعلم وعلمه أتم

خادم الطلباء
محمّد اللوديانوي

ترجمہ

اے اللہ! جو حق ہے وہ ہمیں حق دکھلا اور اس کا اتباع نصیب کر اور باطل کو باطل دکھلا اور اس سے پرہیز کی توفیق دے۔ یہ فتویٰ فاضل گنگوہیؒ کا عقلاً اور نقلاً صحیح نہیں۔ عقلاً اس واسطے صحیح نہیں کہ تقسیم زمین کی عشری اور خراجی کی طرف ایسی نہیں ہے جیسی تقسیم عدد کی زوج اور فرد کی طرف۔ (کہ صرف عدد کی دو ہی قسمیں ہیں: ایک زوج دوسرا فرد) بلکہ یہ تقسیم ایسی ہے جیسی عدد منقسم ہو طرف زائد ناقص اور مساوی کے۔ (یعنی اس اعتبار سے عدد کی تین قسمیں ہیں۔) پس جس طرح عدد کے زائد نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ناقص ہو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مساوی ہو، ایسا ہی زمین کے خراجی نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ

عشری ہو۔ ممکن ہے کہ مسلمانوں کی اوقاف میں سے ہو، جس کا حال عنقریب معلوم ہوگا۔ اور اگر یہ ملازمت تسلیم بھی کی جائے تو بدوں وضع مقدم کے نتیجہ حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ قاعدہ اسی طرح ہے۔ پس حکم مفتی کا ساتھ نتیجہ دینے تالی اس شرطیہ کے بدوں ثبوت ملازمت کے اور بغیر وضع مقدم کے، ثابت کرتا ہے اس امر کو کہ مفتی علومِ منطق سے غافل ہے۔

اور نقلاً اس واسطے مفتی کا کلام غلط ہے کہ جو زمینیں ایسی ہیں کہ ان کے باشندے اسلام لے آئے یا اس زمین مفتوحہ کو ابتداءِ فتح میں امامِ وقت نے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ تو ان دونوں صورتوں میں عشری ہے اور جو زمین پر صلح خراج معلوم پر لی گئی ہے اور زبردستی فتح کی گئی ہے اور باشندوں کو اسی جگہ رکھا گیا ہو وہ خراجی ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جو زبردستی فتح کرنے کے بعد مسلمانوں پر وقف کر دی گئی ہے۔ یہ قسم نہ خراجی ہے اور نہ عشری جب تک کہ وقف رہے۔

کہا عینی نے شرح بخاری میں: جس زمین کے باشندے خود بخود اسلام لے آئے وہ عشری ہے اور جو زمین فتح کی گئی بطور صلح خراج معلوم پر، وہ خراجی ہے اور جو زمین زبردستی لی گئی وہ امام کے اختیار میں ہے چاہے اس کو مسلمانوں پر تقسیم کر دے اور اگر چاہے مسلمانوں پر وقف کر دے۔ انتهي ملخّصا

اور یہ امر معلوم ہے کہ ہندوستان کی زمینیں اس قسم کی نہیں ہیں جن کے باشندے خود بخود اسلام لے آئے ہوں کیونکہ وہ ابتداءِ فتح میں کافر تھے۔ پس ضروریا یہ زمین اس قسم سے ہے جو بطور صلح فتح ہوئیں اور یہ ظاہر ہے ان شہروں سے جو کفار کے قبضہ میں برابر ہیں اور ان کے رئیس شاہانِ اسلامیہ کو خراج ادا کرتے رہے ہیں جب تک شاہانِ اسلام ہندوستان میں حکمران تھے۔ پس وہ زمینیں جو ریاستوں کفار کے رہنے والوں کے قبضہ میں ہیں، وہ خراجی ہیں۔ کوئی اثر وہاں کے باشندوں کا اسلام بعد فتح کے لانے کا نہیں۔

کیونکہ علامہ عینیؒ نے شرح ہدایہ میں کہا ہے: جو زمین فتح کی گئی زبردستی اور وہاں کے باشندوں پر چھوڑ دی گئی، پس ان پر جزیہ لگانا درست ہے، اگر اسلام نہ لائیں۔ اور ان کی زمینوں پر خراج لگے گا، اسلام لائیں یا نہ لائیں۔ انتہیٰ

یا وہ زمینیں جو زبردستی فتح کی گئی ہیں اور وہاں کے باشندے وہیں رکھے گئے، پھر اسلام لائے۔ اس کے بعد جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں ان شہروں میں جو حکام اسلام کے ماتحت تھے اور وہاں کے رہنے والے شروع فتح میں کافر تھے اور یہ امر معلوم ہے کہ اس کے بعد اسلام لانے سے وہ زمین ان کی عشری نہیں ہو جاتی جیسا کہ عینی سے گذرا۔ پس وہ بھی خراجی ہوں گی۔

اور جو زمینیں قریش وغیرہ کے قبضہ میں عرصہ دراز سے ہیں، ان میں یہ احتمال بھی ہے کہ عشری ہوں بشرطیکہ ان کا تقسیم ہونا مسلمانوں پر ابتداءِ فتح سے ثابت ہو جیسا کہ ظاہر نظر میں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، لیکن غور وفکر کرنے سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ زمینیں ان کے مالکوں کے قبضہ میں ابتداءِ فتح سے نہیں جیسا کہ اسانید کے ملاحظہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ امر معلوم ہو گیا ہے کہ اسانید ان کے قبضہ میں اکبر بادشاہ یا اس کے بعد کے کسی بادشاہ کی طرف سے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اپنے شہر کے ساداتِ لدھیانہ کے پاس ہی بادشاہ کے اور اس کے بعد کے زمانہ کی سندیں پائیں۔ پس اس صورت میں عشری نہیں ہوں گی۔

اور یہ احتمال کہ یہ زمینیں وقف ہوں جیسا کہ فتاوی عزیزیہ میں کہ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی رسالہ میں جو احتمال پسند کیا ہے کہ ہندوسان کی زمینیں ابتداء فتح میں سواد عراق کی مانند ہیں۔ (جو عہدِ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ میں فتح ہوا تھا۔) بیت المال کے ملک پر موقوف ہیں۔ زمینداروں کو تولیت امر زراعت کرنے اور محافظت کرنے سے زیادہ دخل نہیں۔ چنانچہ لفظ

"زمینداری" بھی اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ زمینداروں کا تغیّر وتبدّل اور ان کا عزل ونصب اور بعض زمینوں کو ان سے نکال لینا اور بعض کو برقرار رکھنا اور بعض زمینوں کا افغانوں اور بلوچوں اور سادات کو اور قدوانیوں کو زمینداری کے صیغہ میں دینا دلالت صریح اسی پر کرتا ہے۔

پس اس صورت میں ہندوستان کی تمام زمینیں بیت المال کی مملوک ہوگئیں اور بطور عقدِ زراعت نصف آمدنی پر یا کم پر زمینداروں کے ہاتھ میں دی ہوئی ہیں۔ پس جو قطعہ بادشاہِ وقت نے بطریق دوامِ حقیقی یا حکمی کے کسی کو بخش دیا، اس کی ملک ہوگیا اور جو قطعہ بطور وظیفہ اور استحقاق کے اس کو دیا، وہ عاریتاً اس کے قبضہ میں ہے۔ البتہ قدیم بادشاہوں کے فرمانوں کو دیکھنا چاہیے تاکہ جو قطعاتِ زمین بطریق پیشگی دی ہیں وہ دوسرے سے جدا ہو جاویں۔

اور جو بطریق پیشگی دی ہیں اگر خراج بھی معاف کیا ہووے تو خراج واجب نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں رقبہ زمین کے مالک بھی ہوگئے۔ اور خراج بجائے تنخواہ مقرر کر دیا اور اگر صرف زمین کا مالک کیا ہے، خراج معاف نہیں کیا تو خراج واجب ہوگا اور پہلی صورت میں پچھلے امام کو پہنچتا ہے کہ زمین مذکورہ سے خراج لے۔ بہرحال یہاں کی زمین کے حال میں بھی شبہ ہے اور پیشینوں کے دینے میں مختلف گمان متعارض ہیں۔ انتہی

یہ عبارت صاف ظاہر بتلاتی ہے کہ ضرور مسلمانوں کی تمام مملوکہ زمینیں خراجی ہیں اور کاشتکاروں سے جو لیا جاتا ہے وہ حکم خراج میں ہے، پس حکماً خراجی ہے۔ جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے کہ جائز ہے یہ امر کہ امام مزارعین کو دو طریقوں سے ایک کے ساتھ دے: یا ان کو قائم مقام مالکوں کے خراج اور زراعت میں خیال کرے یا بقدرِ خراج کے اجارہ پر دے۔ جو حاصل ہوگا وہ حق امام میں خراج اور حق مزارعین میں اجرت ہوگا۔ اس کا نام عشر اور خراج نہیں ہوگا۔ انتہی

اور نیز قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے مالا بد میں لکھا ہے کہ زمیں ہندوستان کی عشری نہیں ہے۔ پس جب ثابت ہوا کہ ہندوستان کی زمین جو مسلمانوں کے قبضہ میں ملک کے طور پر ہیں، ان میں سے کوئی عشری نہیں تو ظاہر ہو گیا کہ فتویٰ مولوی گنگوہی کا ان کے عشری ہونے پر ضرور باطل ہے۔

اور یہ ان مولوی صاحب کی پہلی ہی خطا نہیں ہے بلکہ ان کی عادت ہے اس قسم کے مسائل میں جن کی حقیقت نہیں معلوم ہوتی مگر گہری نظر سے۔ در حقیقت وہ مولوی صاحب اہل نظر نہیں ہیں، کیونکہ پہلا فتویٰ یہ دے دیا تھا کہ مرزا قادیانی مرد صالح ہے۔ وہ مرزا جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس پر یہ حکم خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے:

"ہم نے اتار اس کو قادیان کے قریب"

اور پھر یہ فتویٰ دیا کہ مرزا اہل ہوا اور بدعت سے ہے باوجودیکہ مرزا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یوسف نجار کا بیٹا کہتا ہے۔ (نعوذ باللہ منہ!) پھر مولوی صاحب نے یہ فتویٰ دیا کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے اور یہ مخالف ہے قول اللہ تعالیٰ (کہ اللہ سے زیادہ کوئی سچا نہیں) اور اس مفتی نے ہندوستان میں ظہر بعد جمعہ کو منع کر دیا باوجودیکہ ہندوستان میں شرط سلطان جو حنفیوں کے نزدیک ضروری ہے، نہیں پائی جاتی۔ اور نیز جواز "يا شيخ عبد القادر جيلاني شيئا لله" کا فتویٰ دے دیا باوجودیکہ پہلا فتویٰ اس پر تھا کہ شرک ہے۔ اور کفار کے واسطے جواز تعمیر مسجد کا فتویٰ دے دیا اور یہ بھی فتویٰ دے دیا کہ جو مکانات کعبہ شریف کے گرد بنائے گا، جن کو مصلّے کہتے ہیں، وہ بدعت ہیں۔ اور بھی مسائل ہیں جن میں محققین کا راستہ چھوڑ دیا ہے۔

اور کمال افسوس ہے فاضل بریلوی پر کیونکہ استدلال اس کا ساتھ فتاویٰ عزیزیہ کے، غافلوں کی طرز پر ہے یعنی آیہ "لا تقربوا الصلوٰة" کو دلیل پکڑنا

"وانتم سكاري" باقی آیت کا نام نہ لینا۔ اسی طرح فاضل مذکور نے جو عبارت زمین کے خراجی ہونے کی مُمِدّ تھی، اس کو چھوڑ دیا۔ یعنی "در دست زمینداران" تک نقل کرکے باقی عبارت "پس ہر قطعہ کہ بادشاہِ وقت" آہ کو جو خراجی ہونے پر دلالت کر رہی تھی، چھوڑ دیا۔

پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان دونوں عالموں کے ہی فتویٰ پر عمل کرنے سے جب تک تحقیق نہ کر لیں پرہیز رکھیں۔ اور ہماری غرض اس کلام سے اہل اسلام کی خیر خواہی ہے جیسا کہ مصنفین کتب اسماءِ رجال ہر ایک راوی عالم کا اصل حال بتلا دیتی ہیں۔ کیونکہ یہ امر واجب ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے دین خیر خواہی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

محمد لودھیانوی

رسالہ

تحقیق سمت قبلہ

سوال

باسمہٖ سبحانہ

ما قول العلماء الربانية والفضلاء الحقانية في أنّ الفاضل اللوديانوي أفتي بعدم جواز الصلاة في المسجد الذي بني في القصبة البتودي على خلاف سمت القبلة بحيث مال الطرف الشمالي من الخطّ الذي يصلّون عليه المصلّون في ذلك المسجد عن القطب الشمالي بسبعة أذرع إلى المشرق، مستدلّا بكتب الفقه من شرّاح الهداية من العيني وغيره، وذهب الفاضل الگنگوهي إلى خلافه مستدلّا بأن الصلاة إلى الكعبة لا يمكن إذا كان الصفّ طويلا من بناء الكعبة، فأيّهما على الحق عندكم رحمكم الله تعالي؟

کیا فرماتے ہیں علماء حقانی اور فضلاءِ ربانی بیچ اس مسئلہ کے جو مولوی عبدالعزیز صاحب برادرِ حقیقی راقم نے یہ فتویٰ دیا کہ مسجد پٹودی میں جس کی جانب شمال شمالی قطب سے سات ہاتھ مشرق کی طرف کو مائل ہے، نماز درست نہیں جیساکہ عینی شرح ہدایہ وغیرہ کتب میں موجود ہے۔ اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے بر خلاف ان کے فتویٰ دیا کیونکہ قبلہ کی طرف نماز پڑھنی ممکن نہیں جبکہ صف دراز ہو پس دونوں میں سے کس کا فتویٰ حق ہے؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! ما أجاب به الفاضل

اللوديانوي هو الحق، وماذا بعد الحق إلا الضلال؛ لأنّ الصلوة في ذلك المسجد على السمت التي بني عليها بعد العلم باطلة لا محالة، لأنّ لغير معائن الكعبة وإن لم يلزم عليه إصابة عينها لكن يجب إصابة جهتها بأن يفرض من تلقاء وجه المصلي خط إلى الأفق مارّا على الكعبة وخطّ آخر يقطعه على زاويتين قائمتين يمنة ويسرة، وتلك المقابلة لا تزول في البلاد البعيدة عن مكة بالانتقال إلى اليمين والشمال بفراسخ كثيرة، فضلا عن الصف الطويل من بناء الكعبة كما توهّم الفاضل الگنگوهي الذي لا خبرة له بكتب القوم، ولنتلو عليك نبذاً من عباراتهم...

قال في الدر المختار: ولغيره أي غير معائنها اصابة جهتها بأن يبقي شيء من سطح الوجه مسامتا للكعبة أو لهوائها بأن يفرض من تلقاء وجه مستقبلها حقيقة في بعض البلاد خط على زاويته قائمته إلى الافق مارا على الكعبة وخط آخر يقطعه على زاوتين قائمتين بمنة ويسيرة. انتهي (الدر المختار ورد المحتار: ١/ ٤٢٩)

وفي شرحه المسمي بردّ المحتار المعروف بالشامي: اعلم أنه ذكر في المعراج عن شيخه أنّ جهة الكعبة هي الجانب الذي إذا توجهه اليه الانسان يكون مسامتا للكعبة أو هوائها تحقيقا أو تقريبا. ومعنيٰ التحقيق انه لو فرض خط من تلقاء وجهه على زاوية قائمة إلى الافق يكون مارا على الكعبة أو هوائها ومعنيٰ التقريب ان يكون منحر فاعنها اوعن هوائها بما لا تزول به المقابلة بالكلية بان يبقي شيئ من سطح الوجه مسامتا لها أو لهوائها.

وبيانه ان المقابلة في مسافة قريبة تزول بانتقال قليل من اليمين والشمال مناسب لها وفي البعيدة لا تزول بانتقال كثير مناسب

لها، فانه لو قابل انسان آخر في مسافة ذراع مثلاً تزول تلك المقابلة بانتقال أحدهما يمينا بذراع. وإذا وقعت بقدر ميل أو فرسخ لا تزول إلا بمائة ذراع أو نحوها. ولما بعدت مكة عن ديارنا بعدا مفرطا لتحقق المقابلة إليها في مواضع كثيرة في مسافة بعيدة. فلو فرضنا خطا من تلقاء وجه مستقبل القبلة على التحقيق في هذه البلاد ثم فرضنا خطا آخر يقطعه على زاويتين قائمتين من جانب بين المستقبل وشأنه لا تزول تلك المقابلة والتوجه بالانتقال إلى اليمين والشمال على ذلك الخط بفراسخ كثيرة، ولهذا وضع العلماء القبلة في بلاد وبلدين وبلاد على سمت واحد. انتهي (الدر المختار ورد المحتار: ١/ ٤٢٩)

وفيه أيضا: وذكر بعضهم أنّ أقوي الأدلّة القطب إذا جعله الواقف خلف أذنه اليمني كان مستقبل القبلة إن كان بناحية الكوفة وبغداد وهمدان ويجعله من بمصر علي عاتقه الأيسر ومن بالعراق على كتفه الايمن وباليمن قبالته المستقبل مما يلي جانبه الأيسر وبالشام وراءه. انتهي مختصرا (الدر المختار ورد المحتار: ١/ ٤٢٩)

وطريق معرفة سمت القبلة مذكور في كتب الهيأة. قال صاحب الملخص الچغميني: ونفتي بسمت القبلة تقطعه في الأفق إذا واجهها الإنسان كان مواجها للكعبة، إذا كان طول مكة وعرضها أقلّ من طول البلد وعرضه حددنا من محيط الدائرة الهندية المستخرجة في ذلك البلد المنقسمة بثلاث مائة وستين جزءا مبتدءا من نقطة الجنوب بقدر فضل مابين الطولين إلى المغرب ومن نقطة الشمال مثله وفصل ما بين النهايتين بخطّ مستقيم ونعدّ من نقطة المغرب إلى الجنوب بقدر فضل ما بين

العرضين ومن نقطة المشرق مثلا وفصل ما بين النهايتين بخطّ مستقيم فيتقاطع الخطان لأكالته فنخرج من مركز الدائرة خطاً مستقيما الي نقطة تقاطعهما وذلك الخطّ هو على سمت القبلة التي مبني أساس المحراب عليها. انتهي مختصراً

واعلم أنّ من فنون الرياضية الهندسة احتاج اليها أرباب الفتيا من الفقهاء. روي أنّ رجلا استاجر رجلا ليحفر له حوضا عشرة في عشرة فحفر خمسة في خمسة ورفعا الأمر إلى فقيه لم يعلم هذا العلم وسأله أنّ الأجير كم يستحق من العشرة؟ فأفتي بأنّه يستحق خمسة دراهم، فلم يسلم ذلك فرفع إلى مفت آخر يعلم هذا العلم فأفتي بأنه يستحق در همين ونصف درهم، فسلم ذلك. كذا ذكر مولانا عبد الحليم في كاشف الظلام.

والفاضل الگنگوهي لما كان عاريا من هذا العلم كما يترشح من فتواه فأفتي بغير علم حتى دخل في وعيد حديث: أفتو بغير علم ضلوا وأضلوا. تمت

ترجمہ

اے خداوند کریم! ہم کو حق کی راہ دکھا اور باطل سے بچا۔ مسئلہ مذکور میں مولوی عبدالعزیز صاحب لودھیانوی حق پر ہیں کیونکہ مسجد مذکور میں موافق سمت اس کی کے نماز جائز نہیں ہے، بسبب اس کے کہ دور والوں کو نماز میں سمت قبلہ کی طرف متوجہ ہونا امر ضروری ہے، اس طور پر کہ ایک خط فرض کیا جاوے نمازی کے روبرو سے جو کعبہ پر سے گذر کر افق کو جا ملے اور ایک دوسرا خط فرض کیا جاوے یمین یسار نمازی کے جو خط اول کے ساتھ تقاطع کرے اوپر دو زاویہ قائمہ کے۔ اور یہ مقابلہ دور نہیں ہوتا ساتھ حرکت کرنے نمازی کے دائیں بائیں کوسوں تک شہرہائے دور دراز میں۔ پس صف طویل میں اس مقابلہ کو

مفقود قرار دینا فاضل گنگوہی کا غلط ہے۔

در مختار اور شامی میں لکھا ہے کہ جس کو کعبہ نظر نہیں آتا اس کے واسطے یہ امر فرض ہے کہ نمازی کے منہ کا حصہ کچھ نہ کچھ خانہ کعبہ کی طرف رہے، اس طریق پر کہ اگر خط کھینچا جاوے نمازی کے منہ کی طرف سے خانہ کعبہ کی طرف اور ایک اور خط جو اس کو قطع کرے اوپر زاویہ قوائم کے دائیں بائیں۔

صاحب شامی نے کتاب معراج سے نقل کیا ہے کہ جہت کعبہ اس کو کہتے ہیں کہ جب آدمی اس کی طرف متوجہ ہو تو خانہ کعبہ کے روبرو ہو جاتا ہے۔ بایں طور کہ اگر خط نکالا جاوے نمازی کے روبرو سے تو وہ گذرے کعبہ پر سے۔ اور جب تک کچھ حصہ منہ کا کعبے کی طرف رہتا ہے تو نماز درست ہے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ اگر ایسا مقام ہے جو کعبہ کے نزدیک ہے تو تھوڑے سے دائیں بائیں ہونے سے رخ بدل جاتا ہے۔ اگر نمازی کعبہ سے بہت دور ہے تو جہت دائیں بائیں ہونے سے بدلتی نہیں مگر بہت دور جانے سے۔ مثلاً اگر کوئی شئے ایک گز کے فاصلہ پر سے اس کے روبرو ہے اس سے ایک گز دائیں یا بائیں ہونے سے مقابلہ دور ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی چیز اس سے تین چار کوس پر ہے تو اگر آدمی اپنی جگہ سے کچھ کم سو گز دائیں یا بائیں ہو جاوے، تب بھی وہ شئے اسی طرح اس کے روبرو معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ ہمارے شہروں سے کعبہ ہزارہا کوس دور ہے پس اگر کسی شہر میں خط تحقیق کے ساتھ سمت قبلہ کی طرف نکالا جاوے اور دوسرا خط مقاطع یمین اور شمال کی طرف کھینچا جاوے اس خط ثانی پر دائیں بائیں کوسوں حرکت کرنے سے سمت قبلہ نہیں بدلتی۔ اس واسطے سے چند شہروں کی ایک ہی سمت مقرر کر دی ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر کوفہ اور بغداد و ہمدان میں ہو تو قطب شمالی کو داہنے کان کے پیچھے رکھے۔ اور مصر کے لوگ قطب کو بائیں شانہ پر اور عراق

میں داہنے شانہ پر اور یمنی قطب کو اپنے روبرو بائیں طرف مائل اور شام والے اپنے پیچھے رکھیں۔

اور طریق معلوم کرنے سمت قبلہ دہلی اور قرب وجوار قصبہ پٹودی وغیرہ کا یہ ہے کہ ایک دائرہ زمین پر کھینچا جاوے اور ایک خط جنوب سے طرف قطب شمالی کو نکالا جاوے۔ چونکہ طول دہلی کا ایک سو بارہ ہے اور عرض اٹھائیس اور مکہ معظمہ کا طول سات اور ستر اور عرض اکیس ہے پس نقطہ شمال اور جنوب سے پینتیس پینتیس درجہ مغرب کی طرف شمار کرکے ایک خط نکالیں۔ اسی طرح سات سات درجہ مغرب اور مشرق کی طرف سے جنوب کی طرف شمار کرکے دوسرا خط نکالیں، جہاں پر ان دونوں خطوں کا تقاطع ہو، اس طرف ایک خط مرکز دائرہ سے نکال کر اس نقطہ تقاطع سے ملا دیں۔ اور اس خط پر نمازیوں کو نماز ادا کرنی چاہیے۔ اور ظاہر ہے کہ طرف شمالی اس خط کی قطب شمالی سے طرف مغرب کے برعکس مسجد مذکور کئی درجہ مائل ہوگی۔

فتویٰ دہندگان کو علم ہیئت کی واقفی بھی ضروری ہے۔ ایک شخص نے دہ دردہ حوض کے کھودنے کا ٹھیکہ لیا اور کھودا اس نے پانچ پانچ گز لمبا چوڑا۔ یہ مسئلہ اس سے پوچھا جو ریاضی سے ناواقف تھا اس نے پانچ درہم دینے کا حکم دیا۔ اس کا فتویٰ نامنظور ہوا۔ پھر یہ مسئلہ ریاضی دان سے پوچھا، اس نے ڈھائی درہم کہا۔ یہ فتویٰ مانا گیا۔ چونکہ فاضل گنگوہی بھی ریاضی سے بے خبر ہے، اندھا دھند فتویٰ دے کر وعید حدیث "فتو بغير علم ضلوا وأضلوا" میں داخل ہوئے۔

الحمد لله الذي نجانا من هذه الورطة العمياء. آخر دعونا أن الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين وآله وأصحابه وأتباعه إلى يوم الدين أجمعين.

خادم الطلباء محمد

قدیم مسجد کو منہدم کرنے کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد قدیم سے آباد ہے اور نمازی اس محلہ میں اس قدر نہیں جو مسجد میں جمع ہوکر نماز ادانہ کرسکیں۔ آیا ایسی مسجد کو گراکر ایک اور مکان میں مسجد دوسری تعمیر کرنی درست ہے یا نہیں؟ اور نیز اس مسجد کے گرد ونواح زمین موجود ہے اور داخل مسجد ہو سکتی ہے۔ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! بلاضرورت مسجد کا گرانا اور بے آباد کرنا ہرگز ہرگز درست نہیں۔

قال في التفسير الأحمدي ناقلا عن الحاوي: سئل أبو القاسم عمن أراد أن ينقض مسجدا ويبنيه أحكم من بنائه قال: لا سبيل له إلى ذلك، إلا أن يخاف الهدم. انتهي

وأيضا فيه من جامع الفتاوي: مسجد ضاق بأهله ولا يمكن لهم أن يدخلوا، فقال رجل أعطوني المسجد حتى أدخل في داري وأعطي مكانا من داري في الجانب الآخر يسعكم وهو خير لكم، لا ينبغي أن يعطوا، حتى بنوا مسجدا فيشغلو عن هذا المسجد

فحينئذ لا بأس به. انتهي ملخصا والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ساتھ بندوں کو نامزد کرنے کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اسماء الٰہی میں سے کسی نام کو لے کر کسی شخص کا نام رکھ دینا جیسا کہ اہل کشامرہ میں رحمان، احد، عزیز وغیرہ ناموں سے نامزد ہوتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ اور چونکہ حضرت علیؓ کا نام بھی اسماء الٰہی سے ہے اس سے سند پکڑ کر رحمٰن، واحد، عزیز وغیرہ کو درست قرار دینا صحیح ہے یا نہیں؟ بينوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! اسماءِ الٰہی دو قسم ہیں: ایک قسم وہ ہے کہ خدا تعالیٰ اور بندوں پر بولنا ان کا درست ہے۔ جیسا کہ اسم علیؓ اور رشید کا۔

قال في الدر المختار: جاز التسمية بعلي ورشيد وغيره لأنهما من الأسماء المشتركة ويراد في حقنا غير ما يراد في حق الله تعالي، لكن التسمية بغير ذلك في زماننا أولي لأنّ العوام يصغرونها عند النداء. انتهي (الدر المختار: ص ٦٦٦)

دوسری قسم وہ ہے کہ اس کا اطلاق غیر ذات باری پر بالکل درست نہیں جیسا کہ رحمٰن اور احد اور عزیز اس قسم کے نام سے کسی شخص کو نامزد کرنا شرعاً درست نہیں۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ اسم احد کا خاص خدا تعالیٰ کے واسطے ہے۔

حيث قال: قال الأزهري: لا يوصف شيء بالأحدية غير الله تعالي، لا يقال: رجل أحد ولا درهم أحد كما يقال رجل واحد

أي فرد، بل أحد صفته من صفات الله تعالي استاثر بها، فلا يشركه فيها شيء صفات الله تعالي، أما أن تكون إضافية كقولنا عالم، قادر وأمّا أن تكون سلبية كقولنا بجسم ولا بجوهر. وقولنا "الله" يدل على مجامع الصفات الإضافية وقولنا "أحد" يدل على مجامع الصفات السلبية فكان قولنا "الله أحد" تامّا في إفادة العرفان الذي يليق بالعقول البشرية. انتهي مختصراً

قسطلانی وتیسر القاری بخاری شریف کی شرحوں میں لکھا ہے کہ لفظ احد نہیں استعمال کیا جاتا کلام مثبت میں غیر خدا پر۔

حيث قال: إن أحدا لا يستعمل في الإثبات على غير الله تعالي فيقال: الله أحد ولا يقال زيد أحد. انتهي مافي القسطلاني (إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري: ٣/ ١٠٩)

أحد را استعمال نمی کند دراثبات بر غیر اللہ تعالیٰ۔انتهي ما في تيسير القاري

اور قاموس میں لکھا ہے کہ لفظ احد خالص خدا تعالیٰ کے واسطے ہے۔

حيث قال: والأحد لا يوصف بها إلا الله سبحانه وتعالي لخلوص هذا الاسم لله تعالي. انتهي ما في القاموس

مشکوۃ کے باب اسامی میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عاص اور عزیز اور عتلہ اور شیطان کے نام کو بدل ڈالا۔ شارحین نے لکھا ہے کہ عزیز نام اس واسطے بدلا کہ یہ نام ذات باری کا ہے۔

حيث قال: غير النبي صلي الله عليه وسلم العاص وعزيز وعتلة وشيطان. انتهي ما في المشكاة (مشكاة المصابيح: ٣/ ١٣٤٨)

اور امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ جو اسماء خدا تعالیٰ کے واسطے خاص ہیں، غیر خدا پر ان کا اطلاق کرنا حرام ہے۔

حيث قال في باب تحريم التسمية بملك الأملاك: إنّ تسميته بهذا الاسم حرام وكذلك التسمية بأسماء الله المختصة به كالرحمٰن والقدوس

والمهيمن وخالق الخلق ونحوها. (شرح النووي على مسلم: ١٤/ ١٢٢)

قوم کشامرہ میں بھی یہ لفظ غیر خدا کے واسطے موضوع نہیں بلکہ عوام غلطی سے عبدالاحد کے نام کو احد کہہ کر کے پکارتے ہیں۔ جیسا کہ عبدالستار، عبدالغفار، عبدالرحمٰن وغیرہ کو لفظ ستار، غفار، رحمٰن سے پکارتے ہیں۔ لیکن ذی علم لوگ بروقت تحریر احد کو نہیں لکھتے بلکہ عبدالاحد تحریر کرتے ہیں۔

ایک شخص اس شہر لدھیانہ میں ذی علم بنام احد مشہور تھا لیکن نکاح ناموں میں جہاں مہر اس کی ثبت ہے، عبدالاحد کے لفظ سے مرقوم ہے۔ یہ شخص عبدالواحد کو توال کا والد تھا۔ اور خواجہ احسن شاہ صاحب کا رشتہ دار تھا۔ اگر کسی کو مزید تحقیق منظور ہو تو خواجہ صاحب موصوف سے تحقیق کرلے۔

خلاصہ کلامِ بالا کا یہی ہے کہ اس قسم کے نام رکھنے درست نہیں۔ اسی واسطے علماءِ دیندار گمراہ جانتے ہیں اس شخص کو جو کہے کہ آنحضرت ﷺ احمد بے میم ہیں، یعنی احد ہیں۔ جب آنحضرت ﷺ پر اطلاق احد کا گمراہی ٹھہرا تو باقی اہلِ اسلام پر اطلاق کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ لفظ احد کا صرف اگرچہ غیر اللہ پر اطلاق نہیں ہو سکتا لیکن جب شاہ کا لفظ اس سے ملایا گیا تو کیونکر منع ہو سکتا ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ لفظ شاہ اصل نام پر زائد ہوتا ہے۔ جیسے محمود شاہ، احسن شاہ اسی طرح احد شاہ کا حال ہے۔ یعنی جیسے لفظ خان قوم افغان کے نام پر اضافہ کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی بعض کشامرہ اپنے ناموں پر لفظ شاہ یا ڈار یا بابا وغیرہ الفاظ اضافہ کر لیتے ہیں۔ اصل ناموں کی اصلاح کے واسطے ان الفاظ کو کچھ دخل نہیں۔ من ادعي فعليه البيان. والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

بعض شرکیہ افعال کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص بعد نماز طرف بغداد

کے ضرب الاقدام واسطے شیخ عبدالقادر جیلانی کے کرے اور اس امر کو فرمودۂ پیرانِ پیر قرار دے اور معمول بہ طریقہ قادریہ کا جانے اور یا شیخ عبدالقادر جیلانی کا وظیفہ حاضر جان کر کرے۔ شرعًا یہ شخص کافر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! **ایسا شخص کافر ہے۔**

قال القاضي شهاب الملة والدين: قد قرّرنا من قبل أنّ ضرب الأقدام بعد الصّلاة نحو العراق كفر، قائله وفاعله واقعان في جريمة عظيمة. هكذا نقل من تحقيق أحكام الفتوي في مدارج السالكين شرح منازل السائلين، وما افتري على المشائخ العظام من نحو ضرب الأقدام بعد الصلاة فهو كفر. انتهي

وفى واقع المبطلين من تصنيف أفضل المتأخرين إبراهيم بن محمود البلخى:

سوال: "ماقول ائمۃ الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین آنکہ جماعۃ عادتِ خود ساختہ اند واصرار برآں می نمایند وممتنع نمی شوند وحجت می گیرند کہ در شہرہائے معظم چنیں می کنند ما نیز ہمیں می کنیم، یا فلاں فلاں مشائخ ومثل ضرب الاقدام نحو العراق بعد صلوٰۃ۔ آیا مجرد ایں قول حجت شود یا نے؟ وایں فعل از حرمت برآید یا نے؟ وایشاں معذور باشند یا نے؟

جواب: نے۔ (کتبہ محمد بن محمود الکشافی رحمۃ اللہ علیہ)

نے۔ (کتبہ ابوالمفاخر بن محمود البلخی)

نے۔ (کتبہ محمد بن طاہر بخاری)

نے۔ (کتبہ یوسف بن محمد سرقندی)

نے۔ (کتبہ مظفر بن منصور البلخی)

نے۔(کتبہ محمد بن فخر الدین الحلوانی)

نے۔(کتبہ عبد العزیز بن نجم الدین شیرازی)

نے۔(کتبہ ابراہیم بن اسمٰعیل النیشاپوری)

نے۔(کتبہ محمد بن ابی بکر الہندی)

نے۔(کتبہ علی بن محمد بن قاضی حمید الدین ناگوری)

ہکذا فی محک الطالبین۔انتہی"

اس مضمون کا فتویٰ علماء دہلی وغیرہ نے بھی قابل عذر کے دیا تھا۔نامِ نامی ان کے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

محمد صدر الدین، محمد عبد الرب، محمد برکت اللہ، نوازش علی، سید رحمت علی خان، محمد یعقوب

تصدیقات مشائخ

اصاب من اجاب فقیر خواجہ ضیاء الدین

نعم الجواب عبد القادر

الجواب صحیح کتبہ محمد عبد الرزاق سہارنپوری

بر قول مدارج السالکین فتویٰ است ونماز در عقب چنیں کس روانیست۔

مگر کفر ضارب اقدام کہ منادی غوث اعظم باشد وروح آنحضرت رابسوئے خود متوجہ داند مثل کفر روافض است کہ ذبیحہ او مثل ذبیحہ مرتد است۔سید محبوب علی جعفری

المجیب مصیب محمد مخدوم

اصاب من اجاب اشفاق احمد

محمد فضل رحمٰن خان رانی کوٹی اور دار المجیب ماخذ مسکین علاؤ الدین کوم والہ محمد شاہ ساکن لدھیانہ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ترجمہ فارسی ارشاد الطالبین میں لکھا ہے:

مسئلہ: جہّال میگویند یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ! یا خواجہ شمس الدین

ترک پانی پتی شیئاً للہ جائز نیست واگر گویند یا الٰہی بحرمت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی حاجت من رواکن مضائقہ ندارد۔ انتہیٰ

قاضی حمید الدین ناگوری نے توشیح میں لکھا ہے:

منهم الذين يدعون الأنبياء والأولياء عند الحوائج والمصائب باعتقاد أنّ ارواحهم حاضرة تسمع النداء وتعلم الحوائج وذلك شرك قبيح وجهل صريح. قال الله تعالي: {وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ} [الأحقاف: ٥] الآية

اس مضمون کی عبارات اکثر کتب معتبرہ میں بہت درج ہیں اور ایک فتویٰ منع جواز یا شیخ میں علماءِ حال نے دیا ہے اور اس کو حاجی اسمٰعیل صاحب منگلوری نے مرتّب کرواکر مطبوع کروا دیا ہے۔ یا ان شاء اللہ عنقریب کروادیں گے۔ اس میں مسئلہ ندا لغیر اللہ کا تفصیلاً لکھا گیا ہے اور اس عاجز کی بھی اس میں بہت وسیع تحریر ہے۔ والله يهدي من يشاء إلى الصراط المستقيم

الراقم

محمد لودھیانوی

گروی زمین سے نفع اٹھانے کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص لوگوں سے زمین گروی لے کر ان زمین کی پیداوار کھاتا ہے۔ آیا شرعاً گروی سے فائدہ اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب

اللّٰهم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! گروی سے نفع اٹھانا ہرگز درست نہیں۔

قال في الشامي بما حاصله: عن عبد الله بن محمد بن أسلم السمرقندي أنه لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه

وإن أذن له الراهن. (الدر المختار ورد المحتار: ٦/ ٤٨٢)

یعنی کسی وجہ سے نفع کھانا گروی کا شرعًا درست نہیں۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ مالک کی اجازت ہے تو درست ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مابین ان دونوں کے نفع اٹھانے کی شرط نہ کی ہو۔

قال في الشامي: إذا كان مشروطا صار قرضا فيه منفعة وهو ربا وإلا فلا بأس. (الدر المختار ورد المحتار: ٥/ ١٦٦)

یعنی گروی میں نفع اٹھانیوالے کو شرط کرلینا سود ہے۔ چونکہ زمانہ حال میں گروی میں شرط نفع کی جاتی ہے، لہٰذا نفع کھانا گروی کا ہرگز شرعًا درست نہیں۔

قال في الشامي: والغالب من أحوال الناس أنهم يريدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لما أعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط. انتهي ملخصاً (الدر المختار ورد المحتار: ٦/ ٤٨٢) واللہ أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

گاؤں میں نمازِ عید کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں زید تین چار گاؤں میں ایک قاضی ہے۔ گاؤں والے بروقت جنازہ یا نکاح خوانی جہاں ضرورت ہوتی ہے وہاں اس کو بلا لیتے ہیں۔ اب یہ قاضی عید کے دن ایک گاؤں میں عید کی نماز پڑھا کر دوسرے گاؤں میں پھر عید کی نماز پڑھا کر پڑھاتا ہے اور وہاں سے تیسرے گاؤں میں۔ پس اول تو یہ سوال ہے کہ گاؤں میں عید کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور دوسرے عید کی نماز ایک جگہ پڑھا کر دوسرے گاؤں میں پڑھانی جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر ایسا کیا گیا تو کسی جگہ کی عید کی نماز جو پہلے پڑھی گئی یا بعد میں، ان میں سے کوئی نماز جائز ادا ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰھم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! چونکہ نماز عید وجمعہ میں بموجب مذہب حنفی کے اس ملک ہند میں شرائط موجود نہیں۔ لہٰذا پڑھنا ان دونوں کا باشندگانِ ملک ہند پر لازم نہ ہوا۔ لیکن بطور احتیاط اس شعارِ اسلام کو قائم رکھنا مناسب ہے۔ تاکہ بالیقین کل مجتہدین کے نزدیک مکلف ذمہ داری سے فارغ البال ہو جائے۔ لہٰذا ایک شخص کا عید کو دو مکانوں میں ادا کرنا جو مخالف احتیاط کا ہے درست نہیں، کیونکہ نماز عید کی واجب ہے۔ سو وہ پہلی دفعہ ادا کرنے سے ذمہ سے ادا ہوئی۔ دوبارہ پڑھنا اس کا نفل میں داخل ہے اور نفل عید گاہ میں بعد نمازِ عید کے درست نہیں۔ جیسا کہ ہدایہ میں مذکور ہے اور نیز نفل ادا کرنے والے کے پیچھے نماز عید جو واجب الادا ہے، ہرگز درست نہیں ہوتی۔ اسی طرح کتب فقہ میں مذکور ہے۔ واللہ أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

کسی کی چیز فروخت کرنے یا گروی رکھنے کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص کی جائیداد کو فرزند اس کا گروی یا بیع کر دے اور یہ شخص عالمِ سکوت میں رہے تو یہ بیع اور رہن کرنے سے اس شخص کی ملکیت قائم رہتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰھم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! بیع کے وقت سکوت کرنا مالک کا ملکیت کو قائم نہیں رہنے دیتا بخلاف رد کرنے کے۔ اگر کوئی قریبی مالک کا گروی کرے اور مالک خاموش رہے تو اس صورت میں مالک کی ملکیت کو زوال نہیں پہنچتا۔

لما جاء في الاشباه وشرحه الحمودي: سكوته عند بيع فرضيه

إقرار بأنه ليس له قيد بالبيع لأنه لوكان عارية أو رهنا لا يكون اقرارا اجماعا. (الأشباه والنظائر: ص ۱۲۹) والله أعلم وعلمه أتمّ

محمد لودھیانوی

بے نمازی کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ کا مال دینا ایسے شخص کو جو کبھی نماز پڑھتا ہو اور کبھی ترک کرتا ہو شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ فقط

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! ایسے شخص کو جو نماز ہمیشہ ادا کرتا نہیں لیکن اس امر کو اچھا نہیں جانتا یعنی ترک نماز کو برا جانتا ہے زکوٰۃ کا مال دینا شرعًا درست ہے۔

لقوله عليه الصلوٰة والسلام لمعاذ: خذ ها من أغنياء هم واجعلها في فقرائهم. (شرح معاني الآثار: ٤/ ٣٧٣)

یعنی حاکم مال زکوٰۃ کا مال دار مسلمانوں سے لے کر ان مسلمانوں کو دے جو محتاج ہوں بلکہ جو شخص مال دار ہو اور اس پر قرض برابر مال کے ہو، اس کو بھی زکوٰۃ کا مال دینا شرعًا درست ہے۔

قال في الدر المختار: ومديون لا يملك نصابا فاضلا عن دينه. انتهي (الدر المختار: ص ۱۳۷) والله أعلم وعلمه أتم

محمد لودھیانوی

نابالغہ کو بالغ ہونے کے بعد حق فسخ ہے یا نہیں؟

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ ایک نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کی والدہ نے کر دیا اور وہ لڑکی اپنے شوہر کے گھر میں رہی اور شوہر اس کا اس سے مجامعت کرتا رہا۔ بعد

ازاں وہ لڑکی بالغہ ہوگئی اور اپنا نکاح فسخ کرانا چاہتی ہے اور شوہر اس کا عذر کرتا ہے کہ بر وقت بلوغ میرے پاس رہی ہے اور بالغہ ہوتے ہی اس نے فسخ کرانے نکاح کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس واسطے اب اس کا حق فسخ کرانے کا شرعًا باقی نہیں ہے۔ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! زوجہ مذکورۃ الصدر کو حق فسخ کا شرعًا باقی ہے۔ کیونکہ قبل بلوغ کے موطوءہ ہونے سے وہ ثیبہ میں شرعًا داخل ہوگئی۔ اور ثیبہ کو حق فسخ کا آخر عمر تک باقی رہتا ہے۔

كما قال في الدر المختار: اختيار الصغيرة الثيب إذا بلغا لا يبطل بالسكوت بلا صريح رضاء أو دلالة عليه كقبلة أو لمس لا يبطل بقيامها عن المجلس لأنّ وقته العمر. انتهي (الدر المختار: ص ١٨٥)
وفي رد المحتار المعروف بالشامي: والثيب مثل ما لو كانت ثيبا في الاصل أو كانت بكرا ثم دخل بها ثم بلغت كما في البحر وغيره. انتهي (الدر المختار ورد المحتار: ٣/ ٧٥)
وفي الهداية: ولا يبطل خيار الغلام مالم يقل رضيت. وكذلك الجارية إذا دخل بها الزوج قبل البلوغ. انتهي (الهداية: ١/ ١٩٤)
والله أعلم وعلمه أتم

الراقم

خادم الطلباء محمد لودھیانوی

بیوی اپنے مہر کا دعویٰ کر سکتی ہے

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک شخص کا نکاح ہوا۔ تین سو روپیہ نقد و پچاس روپے کا زیور مہر مقرر ہوا۔ تین سو روپیہ میں سے نصف ایک سو پچاس روپیہ اور

کل زیور پچاس روپے کا مہر معجل اور باقی ایک سو پچاس روپیہ غیر معجّل ہوا۔ آیا منکوحہ معجّل کا دعویٰ شوہر پر اپنے والد کے گھر رہ کر کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰھُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! زوجہ مذکورہ بابت مہر معجل کے دعویٰ کر سکتی ہے۔

قال في الدر المختار بما حاصله: ولها منعه من الوطي والسفر بها لأخذ ما بين تعجيله من المهر كلمه أو بعضه. (الدر المختار: ص ١٩٣) والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

خادم الطلباء محمد لودھیانوی

کن رشتہ داروں کا نفقہ انسان کے ذمہ ہے؟

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کو تیس روپیہ تنخواہ کے ملتے ہیں۔ اس کی دو زوجہ اور پانچ فرزند اور ایک دختر اور ایک چچا حقیقی ضعیف العمر نابینا اور ایک بھائی حقیقی بیکار بعمر ۵۵ سالہ ہے۔ نان نفقہ ان کا اس کے ذمہ ہے یا نہیں؟ اور کل تنخواہ صرف انہیں پر اس کو خرچ کرنی لازم ہے یا نہیں؟ اور جو دو بیٹے بڑے مدرسہ میں تعلیم پاتے ہیں ان کا خرچ شرعًا اس کے ذمہ ہے یا نہیں؟

جواب

اللّٰھُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! ہر شخص کے ذمہ امیر ہو یا فقیر نفقہ اپنی زوجات واولادِ صغار کا لازم ہے۔ اور اولاد نرینہ بالغوں کا نفقہ اگر تحصیلِ علوم دینیہ میں غرق ہیں اور صاحب رشد ہوں واجب ہے اور چچا جو نابینا ہو اس کا نفقہ بشرط غنا کے لازم ہے۔ یعنی زوج کنندہ صاحب نصاب ہے

تو اس پر شرعًا نان نفقہ ایسے چچا کا لازم ہے۔ اور اگر محتاج ہے تو لازم نہیں۔ ایسا ہی بھائی بہن کا نفقہ جو کسب نہ کر سکیں یا کسب کرنے میں ان کا ننگ ناموس جاتا رہے، اغنیاء پر لازم ہے۔ مہمان نوازی میں خرچ کرنا غنی کو لازم ہے۔ غنی کو اپنی ضروریات میں خرچ کرنا شرعًا درست ہے بشرطیکہ اسراف نہ ہو۔ مشاہرہ جو سرکار سے مقرر ہے اس میں کسی حقدار کا حق نہیں کہ اس کو تقسیم کر لیں۔ وہ فقط نان نفقہ لابدی کے حقدار ہیں خواہ دو دس روپیہ میں سب کا ہو سکے یا بیس میں۔ باقی میں ان کا کوئی حق نہیں ہے۔ جو زوجہ نافرمان ہو یا اولادِ نرینہ علومِ مروّجہ مدارس انگریزی میں تعلیم پاتے ہوں، ان کا خرچ لازم نہیں بلکہ ایسے خرچ کرنے میں خوف گناہ کا ہے۔

كذا في الدر المختار وغيره من كتب الفقه. والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

جس کی داڑھی بیماری کی وجہ سے ختم ہو جائے اس کی امامت کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص کی ریش بسبب کسی عارضہ کے دور ہو جاوے یا ابتدا سے اس کی ریش نہ نکلی ہو اور عمر اس کی بیس سال سے بھی زیادہ ہو تو ایسے شخص کی امامت مثل امرد کے مکروہ ہے یا نہیں؟ بينوا توجروا! فقط

جواب

اللّهم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! ایسے شخص کی امامت جائز ہے یعنی بلا کراہت نماز اس کے پیچھے درست ہے۔ جیسا کہ ردالمحتار شرح در مختار المعروف بشامی میں لکھا ہے:

وفي حاشية المدني عن الفتاوى العفيفية: سئل العلامة الشيخ عبد الرحمن بن عيسى المرشدي عن شخص بلغ من السن عشرين

سنة وتجاوز حد الأنبات ولم ينبت عذاره، فهل يخرج بذلك عن حد الأمردية، وخصوصا وقد نبت له شعرات في ذقنه تؤذن بأنه ليس من مستديري اللحى، فهل حكمه في الإمامة كالرجال الكاملين أم لا؟

أجاب: سئل العلامة الشيخ أحمد بن يونس المعروف بابن الشلبي من متأخري علماء الحنفية عن هذه المسألة. فأجاب بالجواز من غير كراهة، وناهيك به قدوة، والله أعلم. وكذلك عنها المفتي محمد تاج الدين القلعي فأجاب كذلك. انتهي (الدر المختار ورد المحتار: ١/ ٥٦٢)

حاصل معنٰی اس عبارت کے یہ ہیں کہ جس شخص کی ریش نہ آئی ہو اور عمر اس کی بیس سال کی ہوگئی ہو۔ اس کے رخسارے بالکل صاف ہوں، ذقن پر کوئی کوئی بال نمودار ہوا نہ ہو، ایسے شخص کی امامت بلا کراہت جائز ہے۔ امرد کا حکم اس پر عائد نہیں ہوتا۔ والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

اس بھینس کا حکم جس کا بچہ بصورت خنزیر پیدا ہوا

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بھینس بیاہی اور بصورتِ خنزیر بچہ پیدا ہوا۔ وہ بچہ پیدا ہوتے ہی مار ڈالا گیا۔ آیا اس صورت میں اس بھینس کا دودھ پینا جائز ہے یا نہیں؟ بينوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰھُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! صورتِ مذکورہ میں بھینس کا دودھ پینا بالاتفاق جائز ہے اس کی حلت میں کسی کو کلام نہیں۔ البتہ اس کے بچہ کی حلت حرمت میں اس وقت اختلاف ہے جس وقت اس بھینس کا کسی حرام شئے سے جفت ہونا ثابت ہو، لیکن دودھ اس صورت میں بھی بالاتفاق درست ہے۔ مولوی عبداللہ صاحب نے بارانِ انواع میں صلوٰۃ مسعودی سے نقل کیا ہے:

"اگر کتا بکری سے جفت ہوا اور بچہ اگر بصورت کتی کے پیدا ہو تو حرام ہے اور اگر بکری کی شکل پر پیدا ہو تو حلال ہے اور اگر بکرا کتیا سے جفت ہوا وہ بچہ بالکل حرام ہے۔"

القصہ صورت مذکورہ میں جفت ہونا کسی شئے حرام کا بیان نہیں کیا گیا۔ لہٰذا اس کے بچہ پر بسبب صورت کے حکم حرمت کا نہیں ہوسکتا۔ واللہ أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

ٹسر کا کپڑا ریشم ہے یا نہیں؟

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ٹسر خالص کے کپڑے سے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ اور ٹسر ریشم کی قسم میں سے ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰھُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! ٹسر کو صاحب نفائس اللغات نے ریشم کا اونی قسم لکھا ہے۔ اگر حقیقت میں قسم ریشم سے ہے تو اس کا استعمال مردوں کو درست نہیں۔ عورتوں کو درست ہے۔ نماز کی خصوصیت نہیں، ہر وقت استعمال اس کا شرعاً مردوں کو ناجائز ہے۔ اگر کوئی تحقیق اس کی

غیر ریشم ہونے کی پایۂ ثبوت کو پہنچاوے تو اس وقت حکم اس کا جیسا مناسب ہو گا بموجب کتب فقہ دیا جائے گا۔ واللہ أعلم وعلمه أتمّ

محمد لودھیانوی

بیوی کا ذکر کیے بغیر طلاق کے الفاظ کہنا

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نہایت غصہ میں آکر کہا ایک طلاق دو تین لیکن اپنی زوجہ کو نہ مخاطب کیا اور نہ اس کا نام لیا۔ ایسی صورت میں طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتی ہے تو یہ ایک واقع ہوتی ہے جیسا اہل حدیث کا مذہب ہے یا تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں؟ بينوا توجروا! فقط

جواب

اللّهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! جس شخص کا غصہ نہایت کو پہنچ جاوے جس سے اس کا قول بلا ارادہ لاعلمی کے طور اس سے صادر ہو تو ایسے شخص کی طلاق شرعاً نہیں پڑتی۔ جیسا کہ ردالمحتار حاشیہ در مختار میں تحریر ہے۔

حيث قال: إذا بلغ الغضب غايته بحيث لا يعلم ما يقول ولا يريده فهذا لا ريب أنّه لاينفذ شيء من أقواله. انتهي ملخصا

اور نیز بلا ذکر کرنے محل طلاق کے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور اہل حدیث یعنی غیر مقلدین کا مذہب کہ مطلقہ ثلاثہ سے بلا حلالہ نکاح کرنا درست ہے بالکل باطل ہے۔ کسی امام نے اس پر عمل نہیں کیا۔ بلکہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے اپنی کتاب عقد الجید میں لکھا ہے کہ جو مفتی مطلقہ ثلاثہ کو بلا حلالہ درست کہے اس کا منہ سیاہ کر کے شہر بدر کیا جاوے۔

فقيه يفتي بمذهب سعيد بن المسيب ويزوّج بالزوج الأوّل بقيت

مطلّقة ثلاث تطليقات كما كانت ويسوّد وجهه. انتهي

ابن ہمامؒ شارح ہدایہ نے ایسے مفتی کو کافر قرار دینے کو جائز لکھا ہے۔ غرض اگر تین طلاق کوئی شخص اپنی زوجہ کو ایک ہی لفظ کے ساتھ کہے تو بھی اس پر بلا حلالہ درست نہیں ہوتی چونکہ صورتِ مذکورہ میں بسبب غصہ نہایت کے اور بہ سبب ذکر نہ ہونے زوجہ کے لفظ طلاق میں، طلاق بالکل واقع نہیں ہوئی۔ لہٰذا زوجہ اپنی کو بلا نکاح کے اپنے گھر شوہر لا سکتا ہے اگر احتیاط کے واسطے تجدیدِ نکاح کرے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ بہتر ہے۔ واللہ أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

شرکیہ افعال کے ارتکاب سے ایمان باقی نہیں رہتا

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص مسلمان کہلا کر ماتا کا تھان نیچے خنزیر کو دبا کر مقبرہ بنادے تو اس کا اسلام باقی رہتا ہے یا نہیں؟

جواب

اللّٰهم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! ماتا کا تھان بنانا ہی کفر ہے۔ خنزیر کا دبانا دوسرا کفر ہے کیونکہ غرض اس کی اس تھان کا پوجنا اور لوگوں کو پوجانا ہے۔ جیسا کہ سامری نے موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ایک بچھڑا بنا کر لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کیا تھا جس کی سزا میں قریب ستر ہزار آدمی کے قتل کیے گئے۔ جس کا ذکر خدا تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے:

{وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَاقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ عِنْدَ

بَارِئِكُمْ} [البقرة: ٥٤]

اس شخص پر لازم ہے کہ اس امر سے تائب ہو کر دوبارہ ایمان لائے ورنہ اس سے مسلمان کچھ علاقہ نہ رکھیں کیونکہ وہ شخص شرعًا مرتد ہے اور مرتد سے شرعًا کسی طرح کا ملاپ رکھنا درست نہیں۔ اگر حکومت اسلام میں مذکور شخص گزرے اور اس سے تائب نہ ہو تو اس کو حاکم اہل اسلام اپنے حکم سے قتل کروا ڈالے گا۔ کذافي كتب فقه من الهداية وغيرها. والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

محمد لودھیانوی

سمت قبلہ کی حدود

سوال

باسمہ سبحانہ

ما قول العلماء الربانية والفضلاء الحقانية فيمن أفتي بجواز الصلاة في المسجد الذي في أطراف الدهلي مال شماله عن القطب الشمالي إلى الشرق بقدر سبعة أذرع بدليل أنّ الانحراف وإن كان زائداً كثيراً على السبعة بحيث يكون صدر المصلّي نحو القطب الشمالي أو الجنوبي مثلًا لا يبطل الصلوة كما يدلّ عليه ما نقله الطحطاوي والشامي من الدّرر في حاشيتهما على الدر المختار: إذا تيامن أو تياسر يجوز، فإنّ وجه الانسان مقوس فعند التيامن أو التياسر يكون الدار أحد جنبيه إلى القبلة. انتهي

فإنّ هذه العبارة صريحة في أنّ الانحراف وإن كان أربعة عشر ذراعا لا يفسد الصلاة فضلا عن أن يكون سبعة أذرع. بينوا توجروا! فقط

جواب

اللّهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! لا شك في بطلان فتواه لأنّ

انحراف الصدر عن القبلة مفسد للصلوٰة اتفاقاً بغير عذر، كذا ذكره صاحب الدر المختار في مفسدات الصلاة وليس المراد من عبارة الدّرَر الانحراف المذكور، بدليل أنّ صاحب الدر المختار ذكر في مفسدات الصلوٰة في شرح قول المصنف:

ولغيره اصابة جهتها بأن يبقي شيئي من سطح الوجه مسامتا للكعبة أو لهوائها بان يفرض من تلقاء وجه مستقبلها حقيقة في بعض البلاد خط على زاوية قائمة إلى الافق ماراً على الكعبة وخط آخر يقطعه عليٰ زاويتين قائمتين يمنة ويسرة. ثم قال ثانيا: قلت هذا معني التيامن والتياسر في عبارة الدر. (الدر المختار ورد المحتار: ١/ ٤٢٨)

وقال الشامي في شرح هذا القول بما حاصله: إنّ ما ذكره بقوله بان يبقي شيي من سطح الوجه آه مع فرض الخط على الوجه الذي قررناه هو المراد بما في الدر ومن التيامن والتياسر ليس المراد منه ان يجعل الكعبة عن يمنيه ويساره، إذ لا شك حينئذ في خروجه عن الجهة بالكعبة بل المفهوم مما قد مناه عن الدر من التقيد بحصول زاويتين قائمتين عند انتقال المستقبل لعين الكعبة يميناً أو يساراً أنه لا يصح لو كانت إحداهما حادة والأخري منفرجة بهذا الصورة. والحاصل أنّ المراد بالتيامن والتياسر الانتقال عن عين الكعبة إلى جهة اليمين واليسار لا الانحراف. انتهي وصاحب الدر وهم حيث نبه الشارح على أنّ المراد هو الانتقال فقط. ثم فصل الشامي تفصيلاً أيضا، لئلا ينحرف المنحرف إلى الانحراف. (الدر المختار ورد المحتار: ١/ ٤٢٨)

يا ليت شعري ما ادخله في هذه الورطة العمياء مع وجود المصابيح

الكشفة للدجي. نعم ما قيل في الفارسية:

تہی دستانِ قسمت راچہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

لا يقال: وإن أخطأ المفتي المذكور بكون الانحراف مرادا من عبارة الدر ولكن ما أخطا في كون الانحراف جائزا لما قال القهستاني:

"ولا باس بالانحراف انحرافا لا تزول به المقابلة بالكلية بان يبقي شيء من سطح الوجه مسامتاً للكعبة."

لأنّا نقول هذا الانحراف المذكور في القهستاني يساوق الانتقال على الخط معني فإن المقابلة بالكلية كما لا تزول في الانتقال المذكور كذلك لا تزول بهذا الانحراف بخلاف الانحراف الذي أراد ذلك المفتي بحيث يصير القطب الشمالي مسامتا لصدر المصلي، فإنّه تزول بالمقابلة بالكلية فشتّان بينهما.

فان قلت: لاتزول المقابلة بالكلّية؛ لأنّ الجانب الأيسر الذي يلي الأذن يكون مسامتا للكعبة قلت: ذلك الجانب ليس بجزء من الوجه بل هو جانب الرأس الواقع في الطرف الأيسر من الوجه في سطح غير مقوس أحد أصلا وخط مشترك بينه وبين سطح المقوس للوجه فلا يكون جزء من سطح الوجه مسامتا للكعبة لا محالة فانعدم المقابلة بالكلية. وذلك ما أردناه

خلاصہ فتویٰ مذکور کا یہ ہے کہ جو مولوی رشید احمد صاحب نے بابت مسجد پٹودی جس کی جانب شمالی قطب سے سات ہاتھ مشرق کی جانب کو مائل ہے، جواز کا فتویٰ دیا تھا۔ اس کی تردید راقم ایک فتویٰ میں شائع کر چکا ہے۔ پھر مولوی گنگوہیؒ نے ایک فتویٰ اس قسم کا دیا کہ اگر چودہ ہاتھ یا زیادہ مائل مشرق کی جانب ہو

جس سے سینہ مصلی کا قطب شمالی یا جنوبی کی طرف ہو جاوے تب بھی نماز درست ہے۔ یہی مطلب عبارت دُرر وغیرہ کا ہے جس کو مفتی لودھیانہ نے نہیں سمجھا۔ پھر اس کی تردید میں راقم نے یہ تحریر کیا کہ کل فقہا کے نزدیک سینہ کا پھرنا قبلہ سے نماز کا مفسد ہے جیسا کہ در مختار وغیرہ میں موجود ہے۔ مولوی گنگوہی نے غلطی کھا کر معانی صحیحہ کو غلط اور غلط کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھو صاحب در مختار نے عبارت درر کے یہ معنیٰ کیے ہیں کہ مصلی کے منہ کی طرف سے ایک خط خانہ کعبہ کی جانب کھینچا جاوے۔ دوسرا خط تقاطع کرنے والا اس خط کو اوپر دو زاویہ قائمہ کے یمین یسار کو کھینچا جاوے۔ اس خط ثانی پر مصلی کا حرکت کرنا یمین یسار کی طرف نماز کو مضر نہیں۔

اور شامیؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ اس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ خانہ کعبہ کو نماز میں یمین یا یسار کی طرف رکھ کر نماز کا پڑھنا درست ہے کیونکہ اس صورت میں خارج ہو جاوے گا منہ نمازی کا جہت قبلہ سے بالکل، جو مفسد نماز پر۔ پس قول مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا سراسر غلط ہے۔ واللہ يهدي من يشاء إلى الصراط المستقيم. والله أعلم

الراقم

خادم الطلباء محمد لودھیانوی

رضاعت بغیر گواہی کے ثابت نہیں ہوتی

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک عورت بیان کرے کہ اس نے اپنا پستان دختر زید کے منہ میں دیا تھا اس کا دودھ پینا یا نہ پینا مجھ کو یاد نہیں۔ سوائے اس کے اور کوئی

شہادت نہیں دیتا کہ اس دختر نے اس کا دودھ ہمارے روبرو پیا ہے۔ آیا شرعًا اس دختر کا عقد پسر عورت پستان دہندہ کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! دختر مذکورہ کا نکاح پسر عورت مذکورہ سے درست ہے کیونکہ حکم رضاعت کا جب تک کہ وہ مسلمان نیک بخت یا دو عورتیں اور ایک مسلمان صالح شہادت اپنے روبرو دودھ پینے کی نہ دیں شرعًا جاری نہیں ہو سکتا۔

كما قال في الدرالمختار: حجته حجة المال وشهادة عدلين أو عدل وعدلتين. انتهي (الدر المختار: ص ٢٠٤)

ڈھائی سال کی عمر کے بعد رضاعت کا اعتبار نہیں

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو لڑکا یا لڑکی بعد پورا ہونے عمر ڈھائی سالہ کے کسی عورت کا دودھ پیوے تو اس پر احکام رضاعت کے شرعًا جاری ہو سکتے ہیں یا نہیں اور رضامندی شوہر مرضعہ یا کسی اور کی شرط ہے یا نہیں؟ فقط

جواب

شرعًا مدّت رضاعت کی ڈھائی سال سے زیادہ نہیں اور احکام رضاعت کے اسی پر جاری ہوں گے جس نے اسی مدت کے اندر دودھ پیا ہو۔ اور اس کے دودھ پینے سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اور دودھ کا پلانا بھی اس مدّت کے بعد درست نہیں اور واسطے حکم رضاعت کے رضامندی کسی کی شرط نہیں ہے۔

قال في الدر المختار: الرضاع هو مصّ ثدي آدمية في وقت مخصوص وهو حولان ونصف عنده وحولان عنديه وهو الأصح

ويثبت التحريم في المدّة فقط ولم يبح الرضاع بعد مدته. انتهي
(الدر المختار: ص ۲۰۲)

یعنی رضاعت شرعًا چوسنا پستان عورت کا ڈھائی سالہ عمر میں نزدیک امام اعظم کے اور دو سال تک نزدیک صاحبین کے۔ اور اسی مدّت کے اندر تحریم ثابت ہوتی ہے اور بعد اس کے دودھ کا پلانا درست نہیں۔ واللہ اعلم

محمد لودھیانوی

غلہ کو نرخ بازار سے کم کر کے
بطور قرض فروخت کرنا

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص غلہ کو نرخ بازار سے کم کر کے بطور قرض فروخت کرتا ہے۔ مثلاً اگر گیہوں بازار میں ایک من ایک روپیہ کو فروخت ہوتی ہے وہ شخص ایک روپیہ کی تیس آثار قرض فروخت کرتا ہے۔ آیا یہ معاملہ اس کا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! یہ معاملہ شرعاً بموجب روایاتِ کتب فقہ جائز نہیں۔

قال في العالمگيرية: رجل با ع على انه بالنقد بكذا وبالنسيئة بكذا أو الىٰ شهر بكذا والي شهرين بكذا لم يجز. كذا في الخلاصة (الفتاوى الهندية: ٣/ ١٣٦)

یعنی فتاوی عالمگیری میں خلاصہ سے نقل کیا ہے کہ نہیں جائز بیع میں مول کا فرق کرنا بسبب ادھار کے۔

اور ایضاح میں لکھا ہے:

بيع الحنطة بنقصان حكم البلدة بثمن النسيئة بالمدة المعلومة فاسد وإن أخذ الثمن بعد مضي المدة فهو حرام؛ لأن الثمن متفاضل بالحكم فهو ربوا.

یعنی بیچنا گیہوں کا شہر کے نرخ سے کم کر کے ادھار مدت مقرر تک درست

نہیں اور بعد گذرنے مدّت کے اگر قیمت کو بائع نے لے لیا تو حرام ہے کیونکہ مول باعتبار نرخ شہر کے زیادہ ہے۔ پس سود ہوا۔

وفي مجمع النوادر نقلا عن المضمرات: ومن باع شيئا في يد رجل نسيئة على شرط أن يأخذ الثمن كذا في المدة المعلومة وقيمة الشيء عند التجار أقلّ منه، فالزيادة على قيمته ربا. لا يجوز أن يا خذ الربا بالإجماع. وفي المحيط أيضا مثل هذه العبارة.

یعنی کتاب مجمع النوادر میں کتاب مضمرات اور محیط سے یوں نقل کیا ہے کہ ادھار بیع کرنا کسی شئے کا تاجروں کی قیمت سے بڑھا کر سود ہے بالاجماع۔

وفي شاهان شرح الهداية: ولو كان قيمة ثوب عشرة ذراع وباع بالنساء ثمان ذراع أو تسع ذراع أو سبع ذراع أو قيمة الطعام أو الحبوب عشرة صاع وباع بالنساء ثمان صاع أو تسع صاع أو سبع صاع فهو حرام بالاتفاق والناس عنها غافلون.

یعنی شاہان شرح ہدایہ میں لکھا ہے: اگر نرخ کپڑے کا بازار میں دس گز ہے یا غلہ کا نرخ دس صاع ہے، اس نرخ سے کم کر کے ادھار بیع کرنا اتفاقاً حرام ہے اور لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں۔

وفي ابراهيم شاهي: رجل باع قفيز حنطة بعشرة وسعره في البلد ثمانية يجوز عند بعضهم، والصحيح المختار أنّه لا يجوز لأنه بيع خال عن العوض وهو ربا.

یعنی فتاوی ابراہیم شاہی میں ہے کہ جو شخص ایک قفیز حنطہ کو دس درہم کی قیمت سے کسی کو دے اور حالانکہ نرخ اس کا شہر میں آٹھ درہم ہے بعض نے ایسی بیع کو جائز کہا ہے۔ صحیح اور مختار عدمِ جواز ہے کیونکہ یہ بیع خالی عوض سے ہے۔ اسی کا نام سود ہے۔

خلاصہ مطلب ان عبارات کا یہ ہے کہ جس چیز کا نرخ بازاری ہو جیسے غلہ تو اس کا نرخ کم

کر کے ادھار بیچنا درست نہیں کیونکہ نرخ بازاری غلّہ کا خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے: المسعر هو الله یعنی نرخ مقرر کرنے والا خدا ہی ہے۔ پس جس شخص نے بازاری نرخ سے کم کر کے ادھار دیا، دو وجہ سے گناہ گار ہوا:

وجہ اول یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو نرخ مقرر کیا تھا اس سے بھی کم کر دیا۔

وجہ دوسری یہ ہے کہ جس قدر اس نے بازاری قیمت سے زیادہ مقرر کیا ہے وہ مدت کی قیمت ہے اور مدت کی قیمت درست نہیں، کیونکہ مدت کوئی شئے نہیں بلکہ وصف ہے اور وصف کے مقابلہ میں ثمن نہیں ہوتا۔

قال في الكفاية: وذلك اعتياض عن الأجل وهو حرام، لأن الأجل صفة كالجودة، والاعتياض عن الجودة لايجوز، فكذا الأجل.

یعنی کفایہ میں لکھا ہے کہ اجل کا عوض دینا حرام ہے کیونکہ اجل مثل جودت کے وصف ہے۔ جودت کا عوض حرام ہے اس طرح اجل کا عوض بھی حرام ہوا۔

اگر کوئی شخص واسطے جوازِ بیع مذکور کے یہ دلیل پکڑے کہ ہدایہ میں لکھا ہے: يزاد الثمن لأجل الأجل اور عنایہ میں ہے:

إن أجّلتني إلى مدة كذا فثمنه يكون كذا بزيادة مقدار. (العناية: ٦/ ٥٠٨)

حاصل ترجمہ ان دونوں کا یہ ہے کہ بسبب اجل کے ثمن زیادہ ہو جاتا ہے۔ پس صورتِ مذکورہ سوال میں بھی بسبب اجل کے ثمن زیادہ ہونے سے ہرگز حرمت عائد نہیں ہو سکتی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم لوگ ان فقہا میں سے نہیں ہیں جو مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد کے زور سے دخل دے سکیں مثل خصاف اور طحاوی کے، جو مجتہد فی المسائل فقہاء کے طبقہ ثالثہ سے ہیں اور نہ ہم مثل امام رازیؒ وغیرہ کے طبقہ رابعہ اصحاب تخریج سے ہیں جو ایک مسئلہ کو دوسرے کا نظیر خیال کر کے حکم لگاتے تھے اور نہ ہم اصحاب ترجیح سے ہیں مثل صاحب ہدایہ کے، جو ایک روایت کو دوسرے پر ترجیح دیں۔ ہمارا کام صرف یہی ہے کہ جو مقدمین سے منقول ہے اس کی تابعداری کریں

جیساکہ صاحب در مختار نے لکھا ہے:

وأما نحن فعلينا اتباع مارجحوه وما صححوا كما لو أفتوا في حياتهم.

اور صاحب طبقاتِ مذکورہ مجتہدین کے اقوال اور دلائل پر غور کر کے اپنا منصبی فرض ادا کرتے تھے۔ عبارات کتب مصنفہ سے استنباط کرنے کا نام فقہ نہیں۔ عرض اس زمانہ میں کیا بلکہ صدہا سال سے زمانہ استنباطِ احکام کا مفقود ہے۔ اگر اسی کا نام بالفرض والتقدیر استنباط کہا جاوے تو عبارت ہدایہ میں جو واسطے واجب ہونے غسل کے ایلاج فی الدبر کا فعل بھی لکھا ہے، اس پر بھی آپ کو شرعاً جواز کا فتویٰ دینا پڑے گا۔

ازکرامات شیخ ماچہ عجب
گربہ شاشید گفت باران است

مبیع جب مثلیات سے ہو جس کی بازاری قیمت خریداروں کو معلوم رہتی ہے مثل غلہ و بعض اجناس کپڑا وغیرہ کے، اس کو نرخ بازار سے گراں کر کے بیع کرنا صرف ربوا ہے۔ کیونکہ جب خدا تعالیٰ نے مثلاً اس کا نرخ فی من ایک روپیہ رکھا اور تم نے اس کو ادھار سوا روپیہ کو بیچا تو چار آنہ خدا تعالیٰ کے نرخ مقرر کیے ہوئے سے تم نے زائد لیے تو یہ چار آنہ ضرور بالضرور زیادتی خالی عوض سے ہے۔ جس کو عربی میں ربوا اور فارسی میں سود اور ہندی میں بیاج کہتے ہیں۔

اور جو اشیاء مثلی نہیں ہیں مثل اونٹ، گھوڑا، گائے، بیل وغیرہ ان کا نرخ بازاری مقرر نہیں ہوتا۔ جو قیمت مابین متعاقدین کے مقرر ہو جاوے وہی اس کا ثمن مقرر ہو جاتا ہے۔ ایسی چیز کو اگر کوئی ادھار گراں قیمت پر بیچ ڈالے تو اس پر ربوٰا کا اطلاق ہرگز نہیں ہو سکتا، کیونکہ ان کی قیمت بسبب خواہش اور عدمِ خواہش خریدار کے کم زیادہ ہو جاتی ہے، اصلی قیمت اس کی کوئی مقرر نہیں ہے۔

دیکھو بعض اوقات میں ایسا اتفاق پڑتا ہے کہ کسی نے ایک گھوڑا کسی شخص سے قرضاً پچاس روپیہ کو خرید لیا، دوسرے شخص نے فوراً وہی گھوڑا سو روپیہ نقد کے ساتھ خرید کر کے تیسرے شخص کو ایک ہزار قیمت پر نقد دے دیا۔ ایسی چیزوں کو اگر کوئی نقد اور ادھار میں فرق کر کے بیع کرے تو یہاں کسی

صورت سے بیاج نہیں ہوتا کیونکہ نقد پر کم دینے سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ اس نے اپنی چیز کم قیمت کو دے دی۔ اور قرض کی صورت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنی چیز پوری قیمت پر بیچنے کی نیت سے ادھار دے دی۔ غرض ایسی صورتوں میں فریق ثانی کی عبارتوں کا محمل ہو سکتا ہے۔ پس بیچنا گیہوں وغیرہ اناج کا کم نرخ کر کے بطور قرض ہرگز درست نہیں اور نیز "کل قرض جر نفعاً فھو حرام" بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

الراقم

خادم الطلباء محمد لودھیانوی

ایک جنس کے اناج کے بدلے دوسری جنس قرض لینا

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص مکئی کسی کو قرض دے اور اس کے عوض میں گیہوں لیا کرے آیا یہ شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! ایک جنس اناج کی دیگر دوسری جنس اس کے عوض میں بطور قرض لینی شرعًا درست نہیں۔ جیسا کہ در مختار میں لکھا ہے:

القرض هو عقد بلفظ مخصوص يرد على دفع مال مثلي للآخر مثله ولا عبرة بغلائه (الدر المختار ورد المحتار: ٥/ ١٦١)

یعنی قرض ایک عقد ہے جو وارد ہوتا ہے اوپر دینے اس مال کے جو مثلی ہو کسی کو تاکہ رد کرے اس طرح کا مال، اور نہیں اعتبار گراں اور ارزاں ہونے نرخ کا۔

یعنی اگر وقت لینے جنس کے ایک من گیہوں کا نرخ تھا اور جب مالک کو دی گئی تو اس وقت نرخ اس کا دو من ہو گیا تب بھی اس قدر گیہوں دی جائے گی جس قدر اس سے لی گئی تھی، نرخ کے کم زیادہ ہونے کا اعتبار نہیں۔ غرض غیر جنس کا لینا یا دینا معاملہ قرض میں شرعًا حرام ہے اور یہ معاملہ قبیلہ بیع سے نہیں بلکہ قرض کا معاملہ ہے۔ اس واسطے اس کو عرف میں جنس بولتے ہیں۔

اگر بالفرض اس کو بیع میں داخل کیا جاوے اور گیہوں کا کیلی ہونا بموجب روایت امام اعظمؒ اور

امام محمدؒ کے بیان کیا جاوے جس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے ملک میں مکئی وغیرہ وزنی ہیں، پس ان کی بیع بسبب اختلافِ جنس اور قدر کے بطور نقد اور ادھار دونوں شرعاً جائز ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بموجب روایت امام ابو یوسفؒ کے کیلی اور وزنی ہونے میں علی الاطلاق عرف کا اعتبار ہے۔ جیسا کہ در مختار میں لکھا ہے:

وعن الثاني اعتبار العرف مطلقاً ورجحه الكمال وخرج عليه السعدي أفندي استقراض الدراهم عددا وبيع الدقيق وزنا في زماننا، يعني بمثله. وفي الكافي: الفتوي على عادة الناس. بحر وأقره المصنف. (الدر المختار: ص ٤٣١)

حاصل مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عرف کا اعتبار ہے۔ گیہوں وغیرہ سب اس میں برابر ہیں۔ اس روایت کے بموجب لین دین اہل اسلام کا درہم و نانیر میں گنتی پر ہے، حالانکہ حضرت کے وقت میں چاندی سونا وزنی تھا۔ اس طرح آٹا گیہوں کا بدلے آنے کے بطور دندن کے اس زمانہ ہمارے میں بیچنا اہل اسلام کا جاری ہے۔ اور کتاب کافی میں لکھا ہے کہ فتویٰ کیلی وزنی ہونے کا عادات پر دیا جاوے۔

اور نیز جس ملک میں گیہوں وزنی ہے وہاں جو شخص اپنے گیہوں دوسرے سے بدلتا ہے تو وزن کے ساتھ بدلتا ہے اور کوئی اس کو منع نہیں کرتا۔ اگر اس کا وزنی ہونا شرعاً درست ہوتا تو یہ لین دین بھی شرعاً حرام ہوتا اور نیز جس شہر میں گیہوں وزن سے انداز کی جاتی ہے وہاں کا حکم برخلاف اس شہر کے ہوتا جہاں گیہوں اور مکئی دونوں کیل سے اندازہ کی جاتی ہیں۔ نیز جو چیز بموجب ایک روایت کے منع ہو اور بموجب دوسری روایت کے ایک ہی مذہب میں جائز ہو تو حرمت والی روایت پر عمل کرنا احتیاطاً لازم ہے۔ پس بموجب تحقیق بالا ثابت ہوا کہ مکئی یا جوار بطور قرض دے کر اس کے عوض میں گیہوں مقرر کر کے لینی شرعاً ناجائز ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

الراقم

خادم الطلباء محمد لودھیانوی

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علما دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کلوخ کا بعد پیشاب کرنے کے استعمال کرنا شرعاً ثابت ہے یا نہیں ؟

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! کلوخ کا استعمال کرنا علی الاطلاق یعنی بلا قید غائط یا بول کے قرآن سے ثابت ہے۔

قال الله تعالي: {فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ} [التوبة: ١٠٨]

اس آیت کی شان نزول ہیں لکھا ہے کہ یہ آیت مسجد قبا کے لوگوں کی تعریف میں ہے کہ وہ لوگ کلوخ کرنے کے بعد پانی کو استعمال کرتے تھے اور جو بعض روایات میں آیا ہے:

نتبع الغائط الأحجار الثلاثة ثم نتبع الأحجار الماء.

اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ ہم پاخانہ کی حالت میں بعد استعمال کرنے تین کلوخ کے پانی کے ساتھ طہارت کرتے تھے۔ پیشاب کے بعد پانی کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ پاخانہ کی نجاست جسم دار ہے، صرف کلوخ سے پاک ہونا اس کا دشوار ہے۔ بخلاف پیشاب کے کیونکہ اس میں صرف کلوخ سے بھی بلا دشواری پاکی حاصل ہو سکتی ہے۔

عن مولي أمير المومنين رضي الله عنه قال: كان عمر رضي الله عنه إذا بال قال: ناولني شيئا أستنجي به. قال: فأناوله العود والحجر، أو يأتي حائطا يمسح به أو يمس الأرض. قال البيهقي: هذا أصحّ ما في الباب. كذا نقل الشيخ عبد الحق في فتح المنان.

کلوخ لے کر ٹہلے، بعد میں استعمال پانی کا کرے۔ اس واسطے کہ شاید قطرہ نہ آجاوے اور اس ٹہلنے میں بہت اختلاف ہے۔ چار سو قدم سے تا دس قدم تک اور بعضے عمر کے جتنے سال گذرے ہوں اس قدر قدم ٹہلنے کا حکم دیتے ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ آدمیوں کی طبیعتیں مختلف ہیں۔ پھر جس میں جس

کی تسلی ہوجاوے کہ اب ہم پاک ہوئے وہی معتبر ہے۔ بعد اس کے پانی سے تین مرتبہ عضو مخصوص کو بائیں ہاتھ سے پاک کرے۔ اگر پانی میسر نہ ہووے تو استبراء فقط کلوخ سے کافی ہے۔

مثل مشہور ہے کہ اہل تشیع پیشاب کرنے کے بعد مثل غیر مقلدین کے کلوخ کو استعمال نہیں کرتے۔ ایک دفعہ ایک بادشاہ نے ایک سنی اور ایک شیعہ کو جب وہ اپنے اپنے مذہب کے بموجب پیشاب سے فارغ ہوئے گھوڑوں پر سوار کرواکر دوڑانے کا حکم دیا۔ بعد ازاں دونوں کے پاجامے کھلواکر جب امتحان کیا تو شیعہ کا پاجامہ پیشاب آلودہ پایا اور سنی کا پاجامہ بسبب استعمال کلوخ ناپاک نہ ہوا۔ اس پر سنی شیعہ سے بازی لے گیا۔ اب بھی اگر کسی کو شک ہو گھڑ دوڑ کر کے شبہ دور کرلے۔ واللہ أعلم وعلمه أتم

الراقم

خادم الطلباء محمد لودھیانوی

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو چنگی کا روپیہ آتا ہے اس کو بعض اہل علم نے بسبب اس کے کہ حدیث میں اس کام کرنے والے کے حق میں وعید شدید وارد ہے، حرام قرار دیا ہے۔ آیا یہ قول ان کا صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! چنگی کے روپیہ کو علی الاطلاق حرام قرار دینا بالکل غلط ہے۔ فقہ کی کتابوں میں چنگی کے ملازم کو عاشر کہتے ہیں۔ ایک باب میں جداگانہ چنگی لینے کے قواعد بیان ہیں۔

قال في شرح الوقاية: العاشر: هو من نصبه الإمام على الطريق لأخذ صدقة التجار، ويأخذ من المسلم ربع العشر ومن الذمي ضعفا ومن الحربي العشر إن بلغ ماله نصابا. انتهي

یعنی عاشر شریعت میں اس کا نام ہے جو مقرر کیا جاوے کسی راستے پر واسطے

لینے زکوٰۃ وغیرہ کے سوداگروں سے۔ مسلمان سے چالیسواں حصہ اور ذمی یعنی جو کافر رعیت اسلام ہے اس سے بیسواں حصہ اور تاجر کافر جو ملک کفار سے آیا ہو اس سے دسواں حصہ اگر مال اس کا دو سو درہم سے کم نہ ہو۔

اور جو کچھ مال عاشر کفار سے بطور چنگی لیتا ہے علماء اور قضاۃ اور لشکر کی تنخواہ میں صرف کرنا درست ہے۔

قال في الدر المختار: وما أخذ منهم بلا حرب ومنه تركة ذمي وما أخذه عاشر منهم مصرفه مصالحنا، ككفاية العلماء والقضاة ورزق المقاتلة. انتهي ملخصا (الدر المختار: ص ٣٤٤)

یعنی جو لیا جاوے کافروں سے بغیر لڑائی کے اور اس میں داخل ہے جو ذمی اپنا ترکہ چھوڑ مرے۔ اور جو حاصل کرے ان کافروں سے زکاۃ لینے والا، جائے خرچ اس روپیہ کے مصالح اہل اسلام میں۔ جیسا کہ علماء اور قضاۃ کا خرچ اور لشکر اسلام کی تنخواہوں میں خرچ کیا جاوے۔

تحقیق بالا کے ملاحظہ کرنے سے ناظرین کو خوب معلوم ہو گیا ہوگا کہ مال چنگی کا اہل اسلام کے نزدیک ایک مال حلال آمدنی کی صورت ہے۔ پس جو شخص ایسے مال کو حرام قرار دیوے سخت غلطی پر ہے۔ احادیث میں جو مذمّت آئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے کام پر جو شخص مقرر کیے جاتے ہیں وہ اکثر لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔

قال في البحر بماحاصله أنّ للإمام ونوّابه من السعاة والعشار ولاية أخذ الصدقات للآية: خذ من اموالهم صدقة الآية. وفي التبيين: إنّ هذا العمل مشروع، وما ورد من ذمّ العاشر فمحمول على من أخذ أموال الناس ظلما كما تفعله الظلمة اليوم. روي أنّ عمر رضى الله عنه أراد أن يستعمل أنس ابن مالك رضى الله عنه على هذا العمل فقال ألا ترضي أن أقلّدك ما قلّدني رسول

الله ﷺ. انتهي ملخصا (البحر الرائق: ٢/ ٢٤٨) والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

خادم الطلباء محمد لودھیانوی

کھانے پر ختم پڑھنے کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کھانا آگے رکھ کر قران پڑھنا جو عرف عامہ میں ختم کے نام سے مشہور ہے، آیا یہ فعل سنت ہے یا مستحب، بدعت حسنہ یا سیئہ؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰھم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! ختم مذکور نہ سنت ہے، نہ مستحب، نہ بدعت حسنہ بلکہ بدعت سیئہ ہے۔ کیونکہ سنّت اس کو کہتے ہیں جس فعل کو آنحضرت ﷺ نے کیا ہو ہمیشہ یا کبھی کبھی۔ ختم بطریق مروجہ ایک بار بھی ساری عمر میں حضرت ﷺ سے ثابت نہیں۔ اور جو آنحضرت ﷺ نے بروقت تنگی خوراک لشکر کے اصحابوں کو حکم دیا تھا کہ جو کچھ تمھارے پاس کھجور وغیرہ باقی ہے، اس کو میرے پاس لے آؤ۔ جب سب لے آئے آنحضرت ﷺ نے حق تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے خداوند! اپنے فضل وکرم سے اس میں برکت دے۔ سو خدا تعالیٰ نے دعا آپ کی قبول فرمائی۔ اس تھوڑی خوراک کو دیر تک کھاتے رہے۔ یہ آپ کا معجزہ تھا، ختم نہیں تھا جس میں تم قرآن سے فراغت پا کر کھانے کو جلد ختم کر دیتے ہو۔

سنت معجزے کو نہیں کہتے۔ نہیں تو تم لوگ کبھی چاند کو دو ٹکڑے کر کے اپنی طرف اتار لیا کرو تاکہ اس سنّت سے بھی محروم نہ رہو۔ وہاں یہی عذر کرو گے کہ یہ تو آنحضرت ﷺ کا معجزہ تھا، ہم میں یہ

طاقت کہاں۔ یہی امر اس صورت میں موجود ہے۔ پس جیسا چاند کا دو ٹکڑے کرنا سنّت میں داخل نہیں اس طرح یہ بھی ایک معجزہ تھا۔ سوائے حضرت ﷺ کے اور کسی کو طاقت نہیں۔

اور مستحب اس واسطے نہیں کہ مقدمین سے اس کا رائج ہونا ثابت نہیں۔ بدعت حسنہ اس واسطے نہیں کہ اس کے کرنے سے سنت آنحضرت ﷺ کی فوت ہوتی ہے کیونکہ آپ ﷺ بہ مجرد حاضر ہونے طعام کے کھانا شروع کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ نان خورش کے واسطے بھی انتظاری گوارا نہیں کرتے تھے جیسا کہ لفظ حدیث: " ما انتظر اداما قط " سے ظاہر ہے۔ پس بہر حال بدعت سیئہ ہونا اس کا ثابت ہوا۔

اور نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو لوگ قرآن کو وسیلہ روٹی کھانے کا کرتے ہیں، ان کے منہ پر قیامت کے دن گوشت نہیں ہو گا صرف ہڈی ہو گی۔ اکثر ملّانوں کا یہ حال ہے کہ اگر دال روٹی ہوتی ہے تو قل ہو اللہ پڑھ کر کھانا کھا لیتے ہیں اور اگر کبھی پلاؤ وغیرہ عمدہ کھانے موجود ہوں تو وہاں چند ملّاں جمع ہو کر یٰسین وغیرہ سورتیں خوش آوازی سے پڑھتے ہیں۔ غرض کلامِ الٰہی کو روٹی کے بدلے فروخت کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: {وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا} [البقرة: ٤١] یعنی نہ فروخت کرو آیات میری کو تھوڑی قیمت کے ساتھ۔ اگرچہ یہ آیت یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی تھی لیکن باعتبار معانی کے ایسی صورتوں کو بھی شامل ہے بموجب قاعدۂ اصول "العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد"۔

منیہ کی شرح کبیری میں فتاوی بزازیہ سے نقل کیا ہے: "کرہ قراءة القرآن عند اتخاذ الطعام" یعنی مکروہ ہے قرآن کا پڑھنا، کھانا پاس رکھ کر۔ اس واسطے یہ بدعت سوائے ہندوستان اور پنجاب کے، عربستان و ترکستان وغیرہ ممالک اسلام میں رائج نہیں۔ اگر یہ امر شرعی طور پر مقدمین سے منقول ہوتا تو سب ممالک اسلامیہ میں یکساں جاری ہوتا۔

اور نیز ملّاں لوگ جب اپنے گھر روٹی کھاتے ہیں وہاں ختم کا نام تک یاد بھی نہیں آتا اور نیز جب کوئی شخص گائے یا گھوڑا یا روپیہ کسی شخص کو لِلّٰہ دیتا ہے وہاں ختم نہیں پڑھا جاتا۔ یہ سب ملانوں کی حیلہ

سازیاں ہیں تاکہ لوگ اس وجہ سے ان کی دعوت کیاکریں۔ حلال حرام کی ان کو کچھ پرواہ نہیں۔ یتیم کا مال ہویا گنجینے کا، سب پر ختم پڑھ کر کھالیتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ حرام پر بسم اللہ کرنے سے کافر ہوجاتا ہے۔ ایسا بلانوش فرقہ مسلمانوں میں کم ہے۔ البتہ بعضے پیر زادے ان سے بھی دو قدم بڑھ جاتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ ہم اپنے مریدوں کو پل صراط سے پار کردیں گے، نماز روٹی کی کچھ حاجت نہیں۔ پیر پر اعتقاد رکھنے سے بیڑا پار ہوجاتا ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ حضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا کہ تو عمل کر! یہ نہ خیال کرنا کہ میں بیٹی پیغمبر کی ہوں۔ والله يهدي من يشاء إلى صراط مستقيم. والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

خادم الطلباء محمد لودھیانوی

قبروں پر قرآن خوانی کا حکم

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قبروں پر حافظوں کو قرآن پڑھنے کے واسطے بٹھانا اور ان کی کچھ خدمت روپیہ پیسہ سے کرنی آیا شرعاً یہ امر اور ایسے امر کی وصیت کرنی درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰھُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! یہ امر شرعاً درست نہیں اور ایسی وصیّت بھی باطل ہے۔ طریقہ محمدیہ میں لکھا ہے:

> الوصية من الميت بالإطعام والضيافة يوم موته أي بعده وبإعطاء دراهم لمن يتلو القرآن لروحه أو يسبح أو يهلل له كلها بدع منكرات باطلة والمأخوذ منها حرام للآخذ وهو عاص بالتلاوة

والذكر لأجل الدنيا. انتهي ملخصا
وفي التتارخانية: لا معنيٰ لهذه الوصيته ولصلة القارئ بقراءته؛ لأنّ هذا بمنزلة الأجرة والإجارة في ذلك باطلة وهي بدعة لم يفعلهما أحد من الخلفاء وقد ذكرنا مسئلة تعليم القرآن على استحسان. انتهي
يعني للضرورة ولا ضرورة في الاستيجار على القراءة على القبر ولا ينكر ذلك إلا مكابر أو جاهل لا يفهم كلام الأكابر. وما استدلّ بعضهم على الجواز بحديث البخاري في اللديغ فهو خطاء لأنها ليست عبادة محضة بل من التداوي. وما نقل عن بعضهم من أنه لا يجوز الاستيجار على الختم بأقل من خمسة وأربعين درهما فخارج مما اتفق عليه أهل المذهب قاطبة.
قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إنّ القراءة بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ.
وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا والآخذ والمعطي آثمان. وليس مبناه على القول بكراهة القرآن على القبر كما وهم صاحب البحر لما في الولواجية: ولو زار قبر صديق أو قريب له وقرأ عنده شيئًا من القرآن فهو حسن. بل مبناه على الاستيجار يعني كما أن الاستيجار على المعاصي باطل كذلك على العبادات حرام لا يستحق الاجرة في كليهما. هذا خلاصة ما ذكره صاحب رد المحتار المعروف بالشامي

یعنی شامی میں لکھا ہے کہ وصیت میّت کی کہ میرے مرنے کے بعد اسی روز یا بعد میں لوگوں کو کھانا کھلایا جاوے اور میری قبر پر جو میری روح کے واسطے قرآن پڑھ کر ثواب پہنچاوے اس کو کچھ نقدی دے کر سلوک کرنا، اسی طرح تسبیح اور تہلیل کا ثواب پہنچانے والوں کے ساتھ سلوک کرنا، صاحب طریقہ محمدیہ نے

ان سب کو بدعاتِ سیئہ کے قبیلہ میں داخل کیا ہے اور روپیہ پیسہ لینا حرام ہے اور پڑھنا اس کا واسطے دنیا حاصل کرنے کے معصیت ہے۔ اور تاتارخانیہ میں ہے کہ پڑھنے والے کو جو سلوک کیا جاتا ہے وہ بجائے اجارہ کے ہے اور یہ اجارہ باطل اور یہ بدعت ہے۔ نہیں کیا اس کو کسی نے چاریار میں سے۔ اور مسئلہ تعلیم قرآن کی اجرت کا درست ہونا علماء نے واسطے ضرورت کے قرار دیا ہے۔ اور مردہ کے واسطے اجرت پر قرآن پڑھانے کی ضرورت نہیں۔

اور جو بچھو کے کاٹنے کے واسطے سورہ فاتحہ کا پڑھنا اجرت پر جو بخاری میں موجود ہے، اس سے جائز ہونا ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ وہ بطور ایصالِ ثواب نہیں بلکہ وہ بطریق منتر اور دوا کے ہے، عبادت نہیں ہے۔ اور جو بعض نے کہا ہے کہ قرآن کی اجرت پینتالیس درہم سے کم لینی درست نہیں بالکل مذہب متفق علیہ کے بر خلاف ہے اور تاج الشریعۃ نے کہا ہے کہ اجرت پر قرآن پڑھنے سے نہ میت اور نہ پڑھنے والا کوئی بھی مستحق ثواب کا نہیں ہوتا۔ اور عینی نے کہا ہے کہ دنیا کے واسطے قرآن پڑھنے والے کو حکماً منع کیا جاوے۔ اجرت دینے والا اور لینے والا دونوں گناہ گار ہیں۔ قبر پر پڑھنے کے سبب اس کا منع ہونا نہیں ہے۔ بلکہ اجرت پر قرآن کا پڑھنا منع ہے۔ قبر پر ہو یا گھر پر۔ جو شخص بروقت زیارت قبر اپنے قریبی یا دوست کی قبر پر کچھ قرآن پڑھ کے ثواب پہنچا دے تو بہت نیک امر ہے۔ غرض جیسا کہ زنا کاری کا پیشہ حرام ہے ایسا ہی یہ پیشہ مراد ہے کیونکہ یہ دونوں اجارہ شرعًا باطل ہیں۔ یہ خلاصہ ترجمہ شامی کی عبارت کا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

الراقم

خادم الطلباء محمد لودھیانوی

رسالہ

حرام مال سے نفع اٹھانا درست نہیں

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسماۃ چھچی طوائف جو عرصہ سے سردار اتم سنگھ والی رام پور ملود کے پاس اول بطور طوائف کچھ مدت بعد اپنا دین اسلام چھوڑ کر مرتدہ ہوکر اس سے اپنا عقد نکاح بموجب رواج سکھوں کے کروا کر رہتی رہی۔ بعد مرنے سردار کے مسلمان ہوکر اپنے مالِ حرام سے جو سردار مذکور وغیرہ سے حاصل کیا تھا ایک کل برف خرید کر کے برف تیار کروار ہی ہے۔ آیا ایسی برف کا اہل اسلام کو استعمال کرنا یہ خیال کر کے کہ اس میں کوئی چیز جس کا کھانا حرام ہو ڈالی نہیں جاتی جس طرح اور لوگ برف پانی سے تیار کرتے ہیں یہاں بھی اسی طرح بنتی ہے، شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا! فقط

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! چونکہ کل مال اس کا جو اس نے بذریعہ پیشہ یا ازدواج سے حاصل کیا ہے شرعاً درست نہیں۔ کیونکہ جو اس نے بذریعہ عقد ارتداد کی حالت میں حاصل کیا ہے وہ بھی شرعاً حرام ہے اس واسطے کہ مرتدہ کا عقد کسی فرد بشر سے، مسلمان ہو یا کافر درست نہیں۔

قال في الهداية: لا يجوز أن يتزوج المرتد مسلمة ولا كافرة ومرتدة وكذا لا يتزوج المرتدة مسلم ولا كافر. انتهي (الهداية: ۱/ ۲۱۳)

یعنی مرتد مرد کا کسی عورت سے اور مرتد عورت کا کسی مرد سے شرعاً نکاح درست نہیں۔

پس ازدواج کی حالت میں بھی وہ زنا کار ہی رہی اور حرام مال سے نفع اٹھانا شرعاً درست نہیں اور یہ حجت کرنی کہ وہ برف مثل اور برفوں کی طرح پانی سے تیار ہوتی ہے حرام کس طرح ہو گئی، بالکل بے دینی ہے۔ شرعی احکام میں عقل کو دخل دینا درست نہیں۔ ورنہ اپنی والدہ اور بیٹی کے ساتھ نکاح

کر لینے میں عقلاً کیا قصور ہے؟ ان کا عضو مخصوص ہر شخص کی حاجت روائی کے واسطے برابر ہے۔ پس ایسی برف حلال جاننے والے کو ماں بہن وغیرہ محرّماتِ شرعیہ سے جماع کرنے میں تامّل نہ کرنا چاہیے۔ نعوذ باللہ منہ!

پس اہل اسلام کو لازم ہے کہ ایسے شخصوں سے معاملہ لین دین کا نہ کریں اور ان کی اعانت سے باز آویں۔

قال الله تعالي: {وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ} [المائدة: ٢]

یعنی نیکی اور پرہیز گاری پر مدد کرو گناہ اور ظلم پر مدد نہ کرو۔

پس بموجب آیت مذکورہ کے ایسے مال کے ساتھ معاملہ کرنے والا شرعاً گناہ گار ہے۔ اور نیز حدیث میں وارد ہے "مهر البغي خبيث" یعنی زنا کا مال خبیث ہے۔ اہل اسلام کو لازم ہے کہ اپنا طیّب مال خبیث مال کے معاوضہ میں نہ دیں۔

وأما ما أفتاه بعض أبناء زماننا بالجواز فعليهم ان يبينوا بالدلائل الشرعية جواز عقد المرتدة الذي هو أساس هذه المسئلة أوّلا ثم جواز أخذ المال بعوض العقد المذكور بعد رجوعها إلى الإسلام ثانيا. وكلا الامرين باطلان لما مر فيما تقدم نقلاً عن الهداية بعدم جواز عقدها فببطلان العقد بطل المعاوضه أيضا؛ لأنه من بناء الفاسد على الفاسد، وذلك ما أردناه. هذا والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

خادم الطلباء محمد لودھیانوی

جواب دوم

أقول بعونه وهو المعين! معلوم ہو کہ جس صاحب کو اپنے دین کا بچانا اور مال کا پاک رکھنا منظور ہو تو اس اجارہ سے جس میں تبدّل مال خبیث کا مال پاک سے کیا جاتا ہے احتراز فرماویں۔ کیونکہ یہ

تبدّل نصّاً حرام ہے۔

قال الله تعالي: {وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ} [النساء: ٢] الآية

نیز حدیث میں ہے:

من اتقيٰ الشبهات استبرأ لدينه الحديث. (صحيح مسلم: ٣/ ١٢١٩)

وما علينا إلا البلاغ. والله يهدي من يشاء اليٰ صراط مستقيم

الراقم

عبدالعزیز عفی عنہ

مواہیر علماء دہلی

مسلمان عورت کو زنا کا پیسہ لینا مطلق حرام ہے اور جو مال حرام سے برف کی کل تیاری ہوئی ہو، کل بھی ایسی ہے کہ مسلمان کو اس سے برف خریدنی نادرست ہے۔ جیسے زنا کی کمائی کا کوئی مکان بنا ہوا ہووے، اس میں آباد ہونا ناجائز ہے۔ غصب کی زمین پر نماز ناجائز ہے اس طرح یہ بھی نادرست ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ

محمد ابراہیم و محمد حسین

جو شئے مال حرام سے خریدی جاوے خواہ کل ہو یا دیگر شئے مثل جائیداد وغیرہ کے اس سے مسلمان کو فائدہ حاصل کرنا ناجائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ

ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین۔ سید محمد ابوالحسن۔ سید محمد عبدالسلام

قاعدہ مسلمہ ہے کہ حرمت دو قسم ہے: حرمت عینیہ اور حرمت سببیہ۔ دونوں اصل حرمت و منہی عنہا ہونے میں یکساں ہیں۔ پس جو چیز کہ وسیلہ وذریعہ حرام سے حاصل کی گئی ہو، گو اس میں فی نفسہ کوئی چیز حرام عینی نہ ہو، وہ بھی قطعاً حرام ہے۔ پس بناءً علیہ جس حضرت مفتی صاحب نے

حرمتِ اجزا پر مدارِ کار رکھ کر اس برف کو حلال کہا نہایت خبط و ناشئ از قلت تدبر یا غایت تعصّب ہے کیونکہ اگر اس پر مدار ہو تو ہزار ہا محرّمات حلال ہو جاویں۔

كما لا يخفي على المنصف فعلي المستفتي ألّا يغترّ بقول ذلك المفتي فإن الرجال تعرف بالحق لا الحق بالرجال.

محمد عبدالحق ملتانی

جب فتویٰ مذکور مطبوع ہو کر شایع ہوا، فوراً راقم الحروف و برادرم مولوی عبدالعزیز صاحب پر مسمّات بچھمی نے توہین کا دعویٰ عدالت میں دائر کیا کہ مولویان نے میرے حق میں غلط فتویٰ دے کر توہین کی اور فتویٰ ہائے مولوی غلام رسول امرتسری اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے ہمارے برخلاف بھی عدالت میں پیش کیے۔ اگرچہ مقدمہ میں خود اسے پشیمان ہو کر باز دعویٰ داخل کیا لیکن چونکہ فتویٰ ہائے مشمولہ مثل کی تردید کرنی واسطے فائدہ اہل اسلام کے ضروری تھی لہٰذا ان کا رد بطور اختصار کے تحریر کیا جاتا ہے۔

چونکہ مولوی رشید احمد صاحب نے کوئی سند تحریر نہیں کی اس واسطے اس کی تردید کی ضرورت نہیں خود اس کا بے سند ہونا اس کی تردید کے واسطے کافی ہے۔ البتہ مولوی غلام رسول صاحب نے جو اپنے فتویٰ میں یہ سند تحریر کی ہے:

وفي الزيادات: المرتدة إذا تصرفت إن كان تصرفا ينفذ من المسلم ينفذ منها وإن كان تصرفا لا ينفذ من المسلم لكن يصح ممن هو على ملة انتحلت إليها كاليهود والنصاري نفذ تصرفاتها عندهما، وعنده اختلاف المشائخ قال بعضهم: يصح قال بعضهم: لا يصح منها إلا ما يصح من المسلم. كذا في التاتارخانية. وثمرته في بيعها الخمر والخنزير. انتهي عن البحر (البحر الرائق: ٥/ ١٤١)

اور تصرّفاتِ مرتدہ کے درست ہونے سے جو اس عبارت میں مذکور ہے، یہ نتیجہ نکالا کہ نکاح بھی ایک تصرف ہے پس نکاحِ مرتدہ اور جو مال نکاح سے حاصل ہوا سب درست ہے۔

ہم اس کے جواب میں یہ لکھتے ہیں کہ عبارتِ مذکورہ سے کل تصرفات کا جائز ہونا جس میں نکاح بھی داخل ہے مراد نہیں بلکہ تصرّفاتِ مالی مراد ہیں یعنی بیع و شراء مرتدہ کی شرعًا درست ہے اور مرتد کی درست نہیں۔ کیونکہ صاحب بحرالرائق نے تصرفات مالیہ جائز ہونے کے واسطے عبارات زیادات کی نقل کی ہے۔

حيث قال صاحب البحر قبل تلك العبارة: وقيد بالمرتد لأن المرتدة لا يزول ملكها عن مالها بلا خلاف، فيجوز تصرفاتها المالية بالإجماع لأنها لا تقتل. انتهي ما في البحر (البحر الرائق: ٥/ ١٤١)

حاصل ان دونوں عبارتوں کا یہ ہے کہ مرتد کا اپنے مال میں تصرف کرنا شرعًا جائز نہیں یعنی مرتد اگر اپنے مال کو بیچے یا اپنے مال کے ساتھ کوئی شئے خریدے تو شرعًا جائز نہیں اور اگر مرتدہ اپنے مال کو بیچے یا خریدے تو درست ہے۔ اسی واسطے اخیر میں بیع کی مثال زیادات میں دی گئی ہے۔ غرض اس عبارتِ زیادات سے نکاح مرتدہ کا شرعًا جائز قرار دینا مولوی غلام رسول صاحب کا بالکل غلط ہے۔ بحر الرائق شرح کنز میں جس سے مولوی صاحب مذکور نے سند پکڑی ہے لکھا ہے کہ مرتدہ کا نکاح کسی فرد بشر سے درست نہیں۔

حيث قال في قول المصنف: ولا ينكح مرتد ولا مرتدة أحدا وعبر بأحد في سياق النفي ليفيد العموم، فلا يتزوج المرتد مسلمة ولا كتابية ولا مرتدة ولا تتزوج المرتدة مسلما ولا كافرا ولا مرتدا.

یعنی مرتد نکاح نہ کرے مسلمان عورت کو اور کتابیہ اور نہ مرتدہ کو اور نکاح نہ کرے مرتدہ کے ساتھ کوئی مسلمان اور نہ کافر اور نہ مرتد۔

اسی طرح یہ مسئلہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ در مختار اور اس کی شرح شامی میں لکھا ہے:

وصح تصرفات المرتدة من المبايعة ونحوها بخلاف المرتد، نعم يبطل منها مايبطل من المرتد ما يعتمد الملة، وهي خمس: النكاح والذبيحة والصيد والشهادة والارث. انتهي ملخصا (الدر

المختار: ص ٣٤٨)

یعنی مرتدہ کے تصرفاتِ مالی اگرچہ برخلاف مرتد کے نافذ ہیں لیکن نکاح اور ذبیحہ اور شکار اور شہادت اور وراثت جن میں دین کا لحاظ ضروری ہے، دونوں یعنی مرتد اور مرتدہ کے ناجائز ہیں۔

عباراتِ مذکورۃ الصدر سے صاف ظاہر ہے کہ فتویٰ مولوی غلام رسول صاحب امرتسری کا در بارۂ جوازِ نکاحِ مرتدہ بالکل غلط ہے۔ اگر کسی کو اس کی صحت کا دعویٰ ہو اپنے دلائل کو پیش کرے۔ مولوی عبدالعزیز صاحب نے فریق مخالف کو کہلا بھیجا تھا اگر کوئی اس فتویٰ مولوی غلام رسول امرتسری کو ثابت کر دے تو میں اپنی جائیداد جو آٹھ ہزار روپیہ کی ہے اس کو دے دوں گا، ورنہ خواجہ عبدالاحد وغلام محی الدین اپنی اپنی کل جائیداد کو مساجد کی تعمیر میں خرچ کرنے کی نذر مانیں۔ پس طرفِ ثانی سے کوئی جواب نہیں آیا۔ اب بھی اگر کوئی تحقیق کے در پے ہو تو ہم اسی اقرار پر قائم ہیں بشرطیکہ علماء حرمین کو منصف مانا جاوے اور ایک اقرار نامہ جانبین کی طرف سے تحریر ہو کر سرکار میں جاری کرایا جاوے تاکہ جانبین کو وقت آنے فیصلہ ثالثی کے موقعہ چوں چرا کا باقی نہ رہے۔ والله يهدي من يشاء إلى صراط مستقيم

خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمارے مخالفین کو راہِ راست پر لاوے تاکہ حق کو باطل سے جدا کرنے میں ان کو قدرت حاصل ہو۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ خرچِ زنا کی جو بازاری عورتیں لوگوں سے مقرر کر لیتی ہیں امام ابو حنیفہؒ کے مذہب میں حلال طیّب ہے۔ جیسا کہ بحر الرائق شرح کنز و چلپی حاشیہ شرح وقایہ میں لکھا ہے:

قال: وفي الإجارة للفاسدة أجرة المثل أي يجب أجره حتى أنّ ما أخذته الزانية إن كان بعقد الإجارة فحلال عند الإمام الأعظم فإن أخذ الاجر المثل طيّب وإن كان السبب حراما، وحرام عندهما. وإن كان بغير عقد فحرام اتفاقا. انتهي ما في الجلبي.
وفي البحر: ان استجا رها ليزني بها لا بأس باخذه لأنّه في إجارة

فاسدة فيطيب له وإن كان السبب حراما. انتهي ملخصا (البحر الرائق: ۸/ ۲۲)

توہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ ان عبارتوں سے خرچی کے روپیہ کا حلالِ طیب ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ حاصل ان عبارات کا یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو بطور اجرت سینے یا کاتنے پر مقرر کیا اور اس میں یہ بھی شرط کرلی کہ میں تیرے سے زنا کروں گا تو ایسی صورت میں امام اعظمؒ کے نزدیک اجرِ مثل کا دینا آتا ہے یعنی جس کام کے واسطے اس کو مقرر کیا تھا اس کام کی اجرت بطور رواج کے دینی پڑے گی کیونکہ یہ اجارہ اگرچہ جائز کاموں کے واسطے کیا گیا تھا لیکن بسبب شرطِ زنا کے فاسد ہوگیا اور اجارہ فاسدہ میں مزدوری رواجی اگر مزدوری مقررہ سے زیادہ نہ ہو دینی آتی ہے۔ اسی بنا پر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اجرِ مثل کو حلالِ طیب فرمایا۔ صاحبین کے نزدیک بھی اجارہ فاسدہ میں اجرِ مثل حلال ہے لیکن صورتِ مذکورہ ان کے نزدیک اجارۂ فاسدہ میں داخل نہیں۔ یعنی اگرچہ بظاہر اس نے برائے نام سینے یا کاتنے پر اجارہ مقرر کیا ہے لیکن در اصل اس نے زنا کرنے پر اجرت مقرر کری ہے۔ یعنی زنا کاری کو معقود علیہ ٹھہرایا ہے۔ اور ایسا اجارہ شرعاً قسم باطل سے ہے اور اجارۂ باطل میں عوض لینا اتفاقاً حرام ہے۔

وفي الكنز والوقاية وباقي المتون: لا يجوز الاستيجار على الغناء والنوح والملاهي والمعاصي. انتهي ملخصا (كنز الدقائق: ص ٥٥٠)
قال صاحب البحر: لأنّ المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد فلا يجب عليه الأجر، وإن أعطاه والأجر في قبضه لا يحل له ويجب عليه ردّه على صاحبه. انتهي (البحر الرائق: ٨/ ٢٣)

حاصل اس عبارت کا یہ ہے کہ معصیت پر اجارہ کرنا شرعاً درست نہیں کیونکہ جس چیز پر اجارہ واقع ہوتا ہے اس چیز پر حق مستاجر کا شرعاً قائم ہوجاتا ہے اگر وہ چیز شرعاً درست ہو جیسا کہ ایک شخص کو کپڑا سینے پر مقرر کیا تو کپڑا سلانے کا حق اس پر قائم ہوجائے گا کیونکہ کپڑا سینا اور سلانا دونوں درست ہیں۔ اگر زنا یا غنا

وغیرہ پر جو شرعاً حرام ہیں، اجارہ کیا تو مستاجر کا حق اجیر پر شرعاً قائم نہیں ہو سکتا۔
اس واسطے اس پر اجر کا دینا واجب نہیں آتا۔ اگر دے دیا ہو اور اس نے اس کو
اپنے قبضہ میں کر لیا ہو نہیں حلال واسطے اس کے بلکہ واجب ہے رد کر دینا اس کا
صاحب مال کی طرف۔

در مختار میں لکھا ہے:

حکم الأول وهو الفاسد وجوب أجر المثل بالاستعمال لو المسمي معلوما بخلاف الثاني وهو الباطل فإنّه لا أجر فيه بالاستعمال. انتهي مع الشامي (الدر المختار ورد المحتار: ٦/ ٤٦)

یعنی اجارہ فاسد میں استعمال کرنے سے رواجی مزدوری دینی آتی ہے اور اجارہ باطل میں استعمال کرنے سے بھی مزدوری بالکل دینی نہیں آتی۔

جیسا کہ کسی شخص نے ایک گھوڑا واسطے گابھن کرنے گھوڑیوں کے اجارہ پر لیا تو یہ اجارہ باطل ہے، کچھ دینا نہیں آتا۔ شامی میں لکھا ہے:

إن الباطل لا حكم له أصلا فوجوده كالعدم. انتهي (الدر المختار ورد المحتار: ٦/ ٤٦)

یعنی باطل اجارہ پر کوئی حکم عقد کا مرتب نہیں ہوتا اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

تحقیقاتِ بالا سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صورتِ متنازعہ فیہا منجملہ اجارۂ باطل سے ہے۔ اور اجارۂ باطل کا حکم کالعدم ہے۔ پس بموجب روایت چلپی کے: "وإن كان بغير عقد فحرام اتفاقا" اجرت زانیہ کی اتفاقاً حرام ہوئی۔ یعنی امام صاحب کا اختلاف فقط اسی صورت میں ہے جہاں زانیہ کو کسی فعل جائز پر مقرر کر کے زنا کرنے کی شرط بھی کر لی ہو اور صورتِ متنازعہ فیہا میں صرف زنا کو معقود علیہ ٹھہرانے کے سبب جو اتفاقاً حرام ہے۔ اس واسطے علماءِ محققین نے اس کی حرمت پر اجماعِ امّت کو دلیل پکڑا ہے۔

ذكر بدر الدين العيني في شرح البخاري تحت حديث مهر البغي

وهو ما يعطى على النكاح المحرم فإذا كان محرما ولم يستبح بعقد صارت المعاوضة عليه لا تحل، لأنه ثمن عن محرم، وقد حرم الله الزنا، وهذا مجمع على تحريمه لا خلاف فيه بن المسلمين. انتهي (عمدة القاري شرح صحيح البخاري: ١٢/ ٦٠)

قال الإمام النووي في شرح صحيح المسلم: أما مهر البغي فهو ما تأخذه الزانية على الزنى، وسماه مهرا لكونه على صورته وهو حرام بإجماع المسلمين. (شرح النووي على مسلم: ١٠/ ٢٣١)

وكذلك أجمعوا على تحريم أجرة المغنية للغناء والنائحة للنوح الذي جاء من النهي عن كسب الإماء المراد به الزنا وشبهه لا بالغزل والخياطة وشبههما. انتهي

حاصل ان عبارتوں کا یہ ہے جو چیز بدلے نکاحِ حرام کے دی جاوے جس نکاح سے جماع کرنا جائز نہ ہوسکے وہ بالکل حرام ہے۔ اور اس کے حرام ہونے پر کل امامانِ دین واہل اسلام کا اجماع ہے۔ کوئی امام اس کو حلال نہیں کہتا۔ اس طرح حکم ہے مزدوری گانے اور رونے والے کی گانے اور رونے پر اور لونڈیوں کو کسب سے جو حدیث میں منع آیا ہے، اس سے بھی زنا وغیرہ امورِ ناجائز مراد ہیں۔ کاتنے سینے وغیرہ کا کسب جو شرعًا درست ہیں وہ مراد نہیں ہیں۔

وفي المرقاة: مهر البغي خبيث أي حرام إجماعا، لأنها تأخذه عوضا عن الزنا المحرم، ووسيلة الحرام حرام، وسماه مهرا مجازا لأنه في مقابلة البضع. انتهي (مرقاة المفاتيح: ٥/ ١٨٩٤)

یعنی ملّا علی قاریؒ نے مشکوٰۃ کی شرح میں لکھا ہے کہ خرچی کا لینا شرعًا بالاجماع حرام ہے۔ اس کا نام مہر رکھنا قسم مجاز سے ہے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ "حرام قطعا" یعنی خرچی کا روپیہ قطعی حرام ہے۔ جب تحقیق ماسبق سے پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ خرچی کا روپیہ پیسہ بالاجماع حرام ہے

پس جو شخص امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک جائز خیال کرتا ہے، پرلے درجہ کا جاہل یا مفتری ہے اور اس پر بسبب حرامِ قطعی ہونے کفر کا خوف ہے۔ جیسا کہ عقائد نسفی وغیرہ کتب میں درج ہے کہ جو شخص حرام قطعی کو حلال کہے وہ کافر ہے۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگرچہ خرچی زانیہ کی حرام ہے لیکن بدلنے سے حلال ہو جاتی ہے تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اس طرح کسی چیز کی حرمت باقی نہیں رہتی۔ خنزیر اور مردار وغیرہ بھی بیچ دینے سے قیمت اس کی درست ہو جاتی۔ پس خرچی کے حرام ہونے کے یہی معنیٰ ہوئے کہ جو روپیہ پیسہ بطور خرچی وصول ہو خود اس کا کھانا یعنی روپیہ پیسہ کو توڑ کر اس کے برادے کو کھانا حرام ہے۔ اگر اس کے ساتھ کوئی چیز بدلے میں لے جاوے تو وہ درست ہو جاتی ہے۔ معاذ اللہ!

خدا جلّ جلالہٗ اپنی کلام پاک میں ایسی تبدیل سے منع فرماتا ہے۔ "ولا تتبدّلوا الخبيث بالطيب" یعنی طیّب مال کے ساتھ خبیث مال کو نہ بدلو۔

وفي الهداية: وإذا باع المسلم خمرا وأخذ ثمنها وعليه دين فإنه يكره لصاحب الدين أن يأخذ منه، وإن كان البائع نصرانيا فلا بأس به. والفرق أنّ البيع في الوجه الأول قد بطل؛ لأنّ الخمر ليس بمال متقوّم في حق المسلم، فبقي الثمن على ملك المشتري فلا يحلّ أخذه من البائع. وفي الوجه الثاني صحّ البيع؛ لأنه مال متقوّم في حق الذمي فملكه البائع فيحلّ الأخذ منه. انتهي (الهداية في شرح بداية المبتدي: ٤/ ٣٧٦)

حاصل اس عبارت کا یہ ہے کہ اگر مسلمان شراب کو فروخت کر کے قرض دار کا روپیہ ادا کرنا چاہے تو نہیں ہو سکتا اور اگر نصرانی ایسا کرے تو درست ہے کیونکہ مسلمان کو شراب فروخت کرنی منع ہے۔ پس جو روپیہ اس نے شراب کے عوض حاصل کیا ہے وہ اس کی ملک میں داخل نہیں ہوا بلکہ وہ روپیہ شرعًا شراب خریدنے والے کا مال ہے۔ بائع کو اس کا کھانا یا قرض میں دینا شرعًا درست نہیں،

بخلاف نصرانی کے کیونکہ شراب ان کے دین میں درست ہے۔ فروخت کرنا اور
اس کے پیسہ سے قرض ادا کرنا یا کھانا درست ہے۔

فائدہ

اس مقام سے صاف ظاہر ہوا کہ حرام مال بدلنے سے بھی حلال نہیں ہوجاتا، ورنہ شراب کی قیمت مسلمان کو کیوں حرام ہوتی۔ بلکہ حرام مال سے جو شئ خرید کر لے جاوے اور اس سے جو نفع حاصل ہو وہ بھی شرعاً درست نہیں۔ جیسا کہ ہدایہ میں لکھا ہے:

ومن غصب ألفا فاشترى بها جارية فباعها بألفين ثم اشترى بالألفين جارية فباعها بثلاثة آلاف درهم فإنه يتصدق بجميع الربح. (الهداية: ٤/ ٢٩٨)

یعنی اگر کسی نے ایک ہزار درہم مغصوبہ کے ساتھ ایک لونڈی خریدی پھر اس کو دو ہزار درہم کے ساتھ فروخت کر کے تین ہزار کو فروخت کر دی۔ وہ دو ہزار درہم جو نفع آیا ہے وہ بھی شرعاً درست نہیں۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ تبدلِ ملک سے حرام شئ حلال ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

عن أنس رضي الله عنه ان النبي ﷺ أتي بلحم تصدق به على بريرة فقال هو عليها صدقة وهو لنا هدية. رواه البخاري (صحيح البخاري: ٢/ ١٢٨)

یعنی آپ ﷺ کے حضور میں وہ گوشت جو بریرہ رضی اللہ عنہا کو کسی نے صدقہ کے طور دیا تھا آیا اور آپ پر صدقہ جائز نہیں تھا۔ تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ گوشت بریرہ پر صدقہ ہے اور ہمارے لیے بریرہ کی طرف سے بطور ہدیہ کے ہے، اس واسطے ہم کو درست ہے۔

پس جیسا کہ آپ ﷺ کو صدقہ لینا حرام تھا، بریرہ کی ملک میں آنے سے آپ پر حلال ہو

گیا۔ اس طرح زانیہ کا مال بھی تبدل ملک سے جائز ہو سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مال صدقہ کا اول سے حلال تھا۔ جب اس نے بریرہ کو دیا تو وہ مال اس کی ملک میں آگیا اور اس میں تصرف کرنا اس کو درست ہو گیا۔ اس واسطے اس مال کو بطور ہدیہ لینا آپ ﷺ کو شرعاً مثل باقی مال اس کے کے درست ہو گیا۔

قال صاحب عمدة القاري تحت هذا الحديث: وفيه دليل على تحويل الصدقة إلى هدية لأنه لما كان يجوز التصرف للمتصدق عليه فيها بالبيع والهبة لصحة ملكه لها، حكم عليها بحكم الهبة، وخروجها عن معنى الصّدقة فصارت حلالا لرسول الله صلى الله عليه وسلم. (عمدة القاري: ۹/ ۹۲)

اور مال زانیہ کا اول سے حرام ہے اور وہ اس مال کی مالک نہیں ہے۔ جیسا کہ ہدایہ کی عبارتِ مذکورہ بالا میں لفظ "فبقي الثمن على ملك المشتري" اور مجمع البحار کی عبارت "الحلال ما قطع بملكه والحرام ما قطع بعدمها والشبهة ما تردّد، فالورع اجتنابه وهو واجب" اس امر پر دال ہیں کہ حرام شئے ملک میں داخل نہیں ہوتی۔

وفي البخاري والمسلم عن جابر انه سمع رسول الله ﷺ قاتل الله اليهود ان الله لما حرم شحومها جملوه ثم باعوه فأكلوا ثمنه. (صحيح البخاري: ۳/ ۸٤) (صحيح مسلم: ۳/ ۱۲۰۷)

یعنی فرمایا آنحضرت ﷺ نے لعنت کر دی خدا تعالیٰ نے یہود پر جب حرام کیا اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی کو تو انہوں نے چربی کو پگھلا کر بیچ ڈالتے اور اس کی قیمت کو کھاتے تھے۔

وعن عمر أن رسول الله ﷺ قال: قاتل الله اليهود حرمت عليهم الشحوم فجملوها فباعوها. (صحيح البخاري: ۳/ ۸۲)

ان دونوں حدیثوں سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حرام چیز بطریق بیع بدل کرنے سے بھی حلال

نہیں ہوتی۔ اور مشکوٰۃ میں ہے:

عن ابن عمر: من اشتري ثوبا بعشرة دراهم وفيه درهم حرام لم يقبل الله تعالي به صلاته ما دام عليه. (مشكاة المصابيح: ۲/ ۸٤۹)

آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ جو شخص ایک کپڑ دس درہم کو خریدے اور اس میں ایک درہم حرام کا ہو تو اس شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک وہ کپڑا اس کے پاس ہے۔

فائدہ

جب آیات اور احادیث اور روایاتِ فقہیہ سے ثابت ہوا کہ خرچي زانیہ کی امام اعظمؒ بلکہ کل امامانِ دین کے نزدیک بالاجماع حرام ہے اور بدلنے سے بھی حلال نہیں ہوتی، پس مستحلّ اس کا بقول عبدالحق محدث دہلویؒ "حرام قطعا" کافر بلکہ مرتد ہوا۔ پس اس کی عورت کا نکاح باقی نہ رہا اور ایسے شخص سے ملاپ رکھنا شرعًا حرام ہے۔ اور جو لوگ ایسے شخص کو اپنا امام بناویں ان کی نماز تو درکنار رہی، ایمان کے جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔ خدا تعالیٰ ایسے شخصوں کو توفیق توبہ کی عطا کرے، ورنہ ان کی شرارت اور مضرت سے اہل اسلام کو بچاوے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

الراقم

خادم الطلباء محمد لودھیانوی

مرتدہ وارث ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال

باسمہٖ سبحانہ

ما قول العلماءالربانية والفضلاء الحقانية فيمن أفتي بجواز المرتدة التي لم تكن قبل الارتداد في نكاح مسلم مع الكافر بأنها ترث من مال ذلك الكافر، متمسّكا بأنّ تصرفات المرتدة نافذة، لما في البحر عن الزيادات: وإذا تصرّفت إن كان تصرفا ينفذ من المسلم ينفذ منها وإن كان تصرّفا لا ينفذ من المسلم لكن يصح ممن هو على ملة انتحلت اليها كاليهود والنصاري نفذ تصرفاتها عندهما وعنده اختلف المشائخ، قال بعضهم: يصح وقال بعضهم: لا يصح من المسلم كذا في التتارخانية، وثمرته في بيعها الخمر والخنزير. انتهي (البحر الرائق: ٥/ ١٤١)

وفي البحر أيضا: وقيد بالمرتدّ لأنّ تصرّفات المرتدّة نافذة عند الكل. انتهي (البحر الرائق: ٥/ ١٤٠)

ولما كان النكاح داخلا في التصرفات فكان جائزا أيضا لا محالة، والارث من لوازم النكاح فكان ثبوته أيضا ضروريا لأن الشيء إذا ثبت ثبت بلوازمه. خلص الكلام أنّ النكاح لتلك المرتدة جائز والارث لها ثابت. فإن أسلمت بعد أخذ الارث يجوز أكله لها وللمسلمين كافة. بينوا توجروا! فقط

الجواب

اللّٰهُمّ أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! لا يجوز نكاح المرتدة مطلقا مع أحد مسلما كان أو كافراً أو مرتدًّا، سواء كانت منكوحة لمسلم أو لا، لما في الكنز: ولا ينكح مرتدّ ولامرتدّة أحدا. (كنز الدقائق: ص ٢٦٤)

وفي البحر: وعبر بأحد في سياق النفي ليفيد العموم، فلا يتزوج المرتد مسلمة ولاكتابية ولا مرتدة ولا يتزوج المرتدة مسلم ولا كافر ولا مرتد. انتهي (البحر الرائق: ٣/ ٢٢٤)

كذا في الهداية وغيرها من كتب الفقه في باب نكاح الكافر، وأمّا تمسك المفتي المذكور بالزيادات فهو فرية بلا مرية، لأنّ المراد منها التصرفات المالية لمافي البحر: وقيد بالمرتد؛ لأن المرتدة لا يزول ملكها عن مالها بلا خلاف فيجوز تصرفاتها المالية بالإجماع لأنها لا تقتل. انتهي (البحر الرائق: ٥/ ١٤٠)

وأما الأمور التي تعتمد الملة فهي باطله من كليهما جميعا لما في الدر المختار وشرحه ردالمحتار المعروف بالشامي: ويبطل منه اتفاقا ما يعتمد الملة وهي خمس: النكاح والذبيحة والصلاة والشهادة والارث وصح تصرفاتها ولا تتوقف من المبايعة ونحوها بخلاف المرتد. نعم يبطل منها مايبطل من تصرفاته المارة. انتهي ملخصا (الدر المختار: ص ٣٤٨)

فإذا سمعت هذا فلا أظنك شاكا في بطلان قول ذلك المفتي بكلي شقّيه ولا يجوز لها أخذ الارث من مال زوجها الكافر، لأنه عوض عن النكاح الحرم وهو حرام بالإجماع كما ذكر العلامة بدر الدين العيني في شرح البخاري تحت حديث: مهر البغي خبيث، حيث

قال: هو ما يعطي على النكاح المحرم ولم يستبح بعقد صارت المعاوضة عليه لا تحل. انتهي ملخصا من الجزء الخامس صفحة: ٦١١. (عمدة القاري: ١٢/ ٦٠)

فثبت أنّ أكل ذلك المال حرام لها وللمسلمين جميعا، سواء أسلمت بعد ذلك أو لا. والله أعلم وعلمه أتمّ

الراقم

خادم الطلباء محمد لودھیانوی

مواہیر کلکتہ:

لا تملك المرتدة بشيء بسبب النكاح مع المرتد وغيره.

محمد اسماعیل۔ محمد موسیٰ حنفی جونپوری۔ سید عباس علی۔ محمد اسماعیل۔ ولایت علی

مواہیر دیوبند:

الجواب صحيح (محمد منفعت علی عفی عنہ)

الجواب صحيح (بندہ محمود عفی عنہ)

الجواب صحيح (بندہ گل محمد خان عفی عنہ)

مواہیر علماء پشاور:

الجواب بعدم الجوز صحيح والمجيب نجيح (حافظ غلام صمدانی واعظ)

الجواب صحيح (مولوی میر حامد شاہ خطیب مسجد جامع پشاور بقلم خود)

قد أصاب من أجاب فيها بعدم الجواز (وحید نور میاں بقلم خود)

رسالہ

دفع الوسواس الخناس عمن انکر الاحتیاطی من الناس

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چار رکعت نماز نیت فرض ظہر بعد جمعہ کے اس ملک ہند میں پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ اور جو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے اس کے عدمِ جواز کا فتویٰ دے کر لکھا ہے کہ اس کا پڑھنے والا دین سے بے پرواہ ہے۔ مقبول ہے یا مردود؟

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! چونکہ اس ملک ہند میں عموماً سلطان کا ہونا جو مذہب حنفیہ میں واسطے جمعہ کے شرط ہے، بالکل مفقود ہے اور مصر کے تعریف میں بھی بہت بڑا اختلاف ہے۔ لہٰذا علماءِ احناف کے نزدیک فتویٰ اسی پر ہے کہ چار رکعت نماز بعد نمازِ جمعہ بنیت فرضِ ظہر پڑھی جاوے بلکہ جس ملک میں کسی شرط کے نہ پائے جانے میں وہم ہو تب بھی اس کا پڑھنا جائز ہے۔ پس اس ملک ہند میں بسبب مفقود ہونے شرط سلطان کے یقیناً پڑھنا ظہر کا بنیت فرض ضروری ٹھہرا۔

قال في الشامي: وبالجملة فقد ثبت أنه ينبغي الإتيان بهذه الأربع بعد الجمعة، لكن بقي الكلام في تحقيق أنه واجب أو مندوب. قال المقدسي: ذكر ابن الشحنة عن جدّه التصريح بالندب، وبحث فيه بأنه ينبغي أن يكون عند مجرّد التوهم، أما عند قيام الشك والاشتباه في صحة الجمعة فالظاهر الوجوب، ونقل من شيخه ابن الهمام ما يفيده. انتهي (الدر المختار ورد المحتار: ۲/ ۱٤٦)

حاصل اس عبارت کا یہ ہے کہ جہاں کسی شرط کے موجود ہونے کا وہم بھی

ہو وہاں بھی ظہر کا ادا کرنا بعد جمعہ کے چاہیے اور اگر کسی شرط کے نہ موجود ہونے کا وہم بھی ہو وہاں بھی ظہر کا ادا کرنا بعد جمعہ کے چاہیے اور اگر کسی شرط کے وجود میں شک ہو تو وہاں پڑھنا ظہر کا بعد جمعہ کے واجب ہے۔ اس مقام سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس ملک بعد میں پڑھنا ظہر کا نزدیک علماءِ حنفیہ کے بعد جمعہ فرض ہوا۔ کیونکہ شرط سلطان کی یہاں بالکل مفقود ہے اور ان چار رکعتوں کو بنیت نمازِ فرضِ ظہر ادا کرنا لازم ہے، نفل کی نیت سے ان کا پڑھنا ہرگز درست نہیں۔ اور جو بعض اہل علم نے ان کا پڑھنا مستحب لکھا ہے، اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ اس کو بنیت نفل پڑھ لیا کرو۔ بلکہ یعنی اس کے یہ ہیں کہ جہاں کسی شرط کے باعث عدمِ صحت جمعہ کا وہم ہو ظہر کا ادا کرنا بنیت فرض مستحب ہے۔

قال في الشامي: نقل المقدسي عن المحيط: كل موضع وقع الشك في كونه مصرا ينبغي لهم أن يصلوا بعد الجمعة أربعا بنية الظهر احتياطا حتى إنه لو لم تقع الجمعة موقعها يخرجون عن عهدة فرض الوقت بأداء الظهر، ومثله في الكافي ... ثم نقل المقدسي عن الفتح أنه ينبغي أن يصلي أربعا ينوي بها آخر فرض أدركت وقته ولم أؤده إن تردد في كونه مصرا.

قال في شرح المنية الصغير: والأولي أن يصلي بعد الجمعة سنتها ثم أربعا بهذه النية أي بنية آخر ظهر أدركته ولم أصلّه ثم ركعتين سنة الوقت وينبغي أن يقرأ سورة مع الفاتحة في هذه الأربع إن لم يكن عليه قضاء. فإن وقعت فرضا فالسورة لا تضرّ وإن وقعت نفلا فقراءة السورة واجبة. انتهي

حاصل ان روایات کا یہی ہے کہ چار رکعت بعد جمعہ کے بنیت فرض ادا کی جاویں۔

فما سبق إلى بعض الأوهام من لفظ الندب أن لا تؤدي الأربع

بعد الجمعة بنية الفرض فرية بلا مرية.

اگر کوئی اعتراض کرے کہ جب جمعہ اور ظہر دونوں کو ادا کیا تو ہماری نیت میں شک ہے اور شک میں نماز درست نہیں ہوتی، تو پھر اس صورت میں نہ جمعہ ہوا اور نہ ظہر۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ ہم نیت میں شک نہیں کرتے، کیونکہ جب جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں تو اس وقت ہماری نیت یہی ہوتی ہے کہ ہم نماز جمعہ ادا کر رہے ہیں اور بعد اس کے جب ظہر ادا کرتے ہیں تو اس وقت نیت صرف نماز ظہر کے ادا کرنے کی ہوتی ہے۔ البتہ شک اس وقت ہوتا کہ اگر ہم بروقت ادا جمعہ کے نیت ظہر کی بھی کر لیں، سو یہ کسی کے نزدیک درست نہیں۔ البتہ ہم کو اس میں شک رہتا ہے کہ ہمارے ذمہ اس وقت دونوں میں کون سا فرض تھا تو اس شک کا دور کرنا ہماری طاقت سے خارج ہے۔

جیسا کہ اگر پانی مشکوک دستیاب ہو تو وہاں تیمم اور وضو دونوں کا حکم ہے اور حالانکہ ہم کو معلوم نہیں کہ فرض ہمارے پر وضو تھا یا تیمم۔ اور اس طرح جہاں قبلہ معلوم نہ ہو اور کسی طرف دل قرار نہ پکڑے تو ہر ایک طرف ایک ایک بار نماز پڑھنی لازم آتی ہے اور حالانکہ ہم کو معلوم نہیں کہ نمازوں میں سے کون سی فرض الوقت تھی۔

قال في الدر المختار: ومن لم يقع تحريه على شيء صلي لكل جهة مرة احتياطاً. انتهي (الدر المختار: ص ٦١)

والطريق الثاني: أن يصلي إلى جميع الجهات فحينئذ يعلم بيقين أنه خرج عن العهدة وهذا كما يقوله الفقهاء في من نسي صلاة لا يعرفها بعينها أن الواجب عليه في القضاء أن يأتي بالصلوات الخمس. كذا ذكر الإمام الرازي في التفسير الكبير تحت قوله تعالي وبالنجم يهتدون في سورة النحل. (التفسير الكبير: ٢٠/ ١٩٢)

جیسا کہ وضو اور تیمم کے جمع کرنے میں اور چاروں طرف چار نماز پڑھنے میں یہی غرض ہے کہ نمازی اپنی ذمہ داری فرضِ وقت سے یقیناً بر آوے، اسی طرح جمعہ اور ظہر پڑھنے سے یقیناً ذمہ نمازی کا فرضِ وقت سے پاک ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ در مختار میں لکھا ہے:

وقد أفتيت مرارا بعدم صلاة الأربع بعدها بنية آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة. انتهي (الدر المختار: ص ١٠٧)

یعنی ظہر احتیاطی کا پڑھنا اچھا نہیں بسبب خوف اس امر کے کہ لوگ جمعہ کو اپنے اعتقاد میں فرض نہ سمجھیں گے۔

توجواب اس کا یہ ہے کہ یہ حکم ان مقامات کا ہے کہ جہاں حکومت اسلامیہ قائم تھی اور شرائط جمعہ کے موجود تھے۔

وإلا لم يكن لخوف اعتقاد فرضية الجمعة معني، لأنّ اعتقاد الفرضية على ذلك التقدير غير لازم بل وجب الاعتقاد على خلاف ذلك للنصوص الدالة على كون الجمعة مشروطة بشرائط زائدة على الصلوات الخمس كما لا يخفي أيضا.

وتعليله بخوف اعتقاد فرضية الجمعة مردود لمصادمته للنصوص الدالة على شرائط الجمعة ولمخالفته الروايات المذكورة في المتون والكتب المعتبرة، وما ذكر في الفتاوي الهندية وغيرها:

بلاد عليها ولاة كفار يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين ويحب عليهم ان يلتمسوا وليا مسلما. انتهي (الفتاوى الهندية: (١/ ١٤٦)

مع كونه لا يصلح معارضا للروايات المذكورة كما قال صاحب الدر وصاحب فتح القدير:

"المنقول عن كتب المعتبرة كالمتواتر وعن معتبر مشهور كالمشهور وعن النادر المعتبر كالآحاد وعن غير المعتبر كالشاذ." انتهي

لا يضرنا؛ لأنّ هذه الشرائط أيضا مفقودة في هذه البلاد وأيضا لا يدلّ على ان إقامة الجمعة واجبة بل حكموا بجواز إقامتها، فأداء الأربع بعد الجمعة على ذلك التقدير يكون لازما البتة كما

لايخفي. ومن ادعي خلافه فعليه البيان بالبرهان.

وبالجملة لا شك أنّ شك عدم صحة الجمعة في المواضع التي وقع الاشتباه في كونها أمصارا أدني من شك عدم صحة الجمعة في هذه البلاد التي في أيدي الكفار، لعدم وجود شرط السلطان بيقين فإذا ذهبوا في تلك المواضع إلى أداء الأربع بعد الجمعة بنية فرض الوقت ففي هذه البلاد يكون أداء الرابع بعدها فرضا لامحالة.

جب تحقیقاتِ مذکورۃ الصدر سے صاف ثابت ہوا کہ ظہر کا پڑھنا بعد جمعہ کے امر ضروری ہے۔ پس فتویٰ مولوی رشید احمد گنگوہی کا جو اس کے عدم جواز پر ہے بالکل مردود ہے۔ غیر مقلدین کی طرح ظاہر احادیث پر نظر کر کے اپنی رائے کو فقہاء پر مقدم کرنے کا نام تحقیق نہیں بلکہ محقق وہ لوگ ہیں کہ فقہا کے قول کا ماخذ ادلّہ شرعیہ سے ثابت کر دیتے ہیں۔ دیکھو صاحب عینی اور محقق ابن ہمام جو علم حدیث میں اپنا نظیر نہیں رکھتے کیا فرماتے ہیں:

فإذا اشتبه على الانسان ذلك ينبغي أن يصلي أربعا بعد الجمعة ينوي بها اخر فرض أدركت وقته. انتهي كلام المحقق (فتح القدير: ٢/ ٥٣)

وفي العيني: واختلفوا في نيتها يقول ينوي ظهر يوم وقيل آخر ظهر عليه. انتهي (البناية: ٣/ ٩٣)

خلاصہ ان دونوں محدثین کے کلام کا یہی ہے کہ چار رکعت بعد جمعہ کے بنیت فرض ادا کی جاویں۔ اگر بالفرض مولوی رشید احمد کا فتویٰ مقبول قرار دیا جائے تو جمیع علماءِ حنفیہ عموماً اور محقق ابن ہمام اور صاحب عینی خصوصاً معاذ اللہ دین کے پیشوا دین سے بے پرواہ ٹھہرے۔

كبرت كلمة تخرج من أفواههم وقد عدّ رسول الله ﷺ لعن آخر هذه الأمّة أوّلها من علامات القيامة. والله يهدي من يشاء على الصراط المستقيم.

الراقم

خادم الطلبا محمد عفی عنہ لودھیانوی

لله در المجيب حيث أحق الحق وأبطل الباطل ولو كره المفسدون.

الراقم

اسماعیل عفی عنہ لودھیانوی

بلاشک پڑھنا ظہر کا بعد جمعہ کے ضرور ہے۔ مولوی رشید احمد صاحبؒ نے جب ۱۳۰۱ھ میں مرزا غلام احمد قادیانی کو مسلمان صالح تحریر کیا اس عاجز کو نہایت فکر ہوا کہ ایسے شخص کو جو اپنے کلمات کے ضمن میں پیغمبری کا دعویٰ کر رہا ہے مولوی صاحب نے کیسے مسلمان صالح قرار دیا۔ جناب الٰہی میں دعا کر کے سو گیا۔ خواب میں یہ معلوم ہوا کہ تیسری شب کا چاند بد شکل ہو کر لٹک پڑا۔ غیب سے آواز آئی رشید احمد یہی ہے۔ اسی زمانہ سے فتوے ان کے اکثر غلط مناقض با دیگرے حیزِ وجود میں آئے۔ و الله يهدي من يشاءالي صراط مستقيم

الراقم

عبداللہ لودھیانوی

اعلم أيها اللبيب والفطن الأريب أنّ الذي أجاب به المؤلف الذي هو أخي وأستاذي موافق لأصول الدّين وفروعه مطابق لآراء المتقدمين والمتأخرين رواية ودراية. ومن خالف لم يفهم مرادهم وقد غلط الفاضل الگنگوهي غلطا فاحشا حيث حكم بلغويّة الأربع بعد الجمعة بلا ذكر دليل. لعله لم يظهر له ولا يظهر لأحد إن شاء الله تعالي أبداً إلّا من قلّ تدبره.

وقد زلّ الفاضل المذكور مزلّة بعيدة حيث أفتي بإمكان الكذب في كلامه تعالي مع أنّ مدار اتباع الوحي والرّسل على الصدق، إذ على تقدير إمكان الكذب لَمَا حصل اليقين بالوحي للرسل، فضلا عن آحاد الأمة، ولَمَا تنزّه الواجب عن جميع النقائص نعوذ بالله فانه إهدام للشريعة وخرق إجماع أهل الطريقة ومخالف لظاهر النص. قال الله تعالي: {وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا} [النساء:

۸۷] فانه دالّ على أنّ ذاته تعالي صادق من كل وجه والقول بالإمكان تكذيب.

ولذا قال الإمام الرازي: كاد أن يكون كفرا تخلّف الوعيد المستلزم للكذب. ومنشأ الغلط أنّ الله تعالي قادر على كل شيء فلزم قدرته على الكذب وإلا لزم العجز وهو النقص وبطلانه ظاهر. فإنّ القدرة مقيدة بالممكنات وإلا لزم أن يكون قادرا على إعدام ذاته فلا يكون واجبا. وإن أردت البسط في هذه المسئلة فعليك بالرسالة المسماة "تقديس الرحمن عن الكذب والنقصان" فإنها من الكتب التي ألفها المؤلّف.

وأيضا زلّ قدمه في قول "ياشيخ عبد القادر جيلاني شيئا لله" حيث أفتي بجوازه لمن لم يكن مراده السؤال من الشيخ ولا يعتقد حضوره ولم يتنبه على أنّه بقي وجهان آخران من الحرمة: الأول أنّ الألفاظ الموهمة للشرك لا يجوز استعمالها والثاني أنّ الوظيفة عبادة والعبادة مختصّة بذاته تعالي، وأسماء غير الله تعالي على طريقة الوظيفة بالاستقلال كما هو في هذا اللفظ لم يرد به الشرع. وبالجملة ما أورد الفاضل المذكور في تحرير كل من المسائل المذكورة شيئا من الأدلّة وانما قال ما قال باجتهاد ذهنه فلذا لا يجوز اتباعه لذوي العقول. آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين وصلي الله على خير خلقه محمد وآله وأصحابه أجمعين.

الراقم

عبدالعزیز لودھیانوی عفی عنہ

الجواب صحیح

ابو محمد عبدالحق عفی عنہ مصنف تفسیر حقانی

الجواب صحیح

عبدالواحد

نقل فتویٰ مولوی عبدالرحمن صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

چہ می فرمایند علماء دین و مفتیان شرع متین آیا بعد نماز جمعہ چہار فرض احتیاطی خواندن مستحب اند یا مباح یا مکروہ؟ بینوا توجروا! فقط

الجواب: ہمارے اساتذہ کا ماخذ حضرت مولانا محمد اسحٰق اور مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہما کا فتویٰ اور عمل یہی تھا کہ چار رکعت بنیت ظہر کے پڑھتے اور لفظ "احتیاطی" کا لغو اور موہم شک ہے، یہ نہ کہنا چاہیے۔ شہر دہلی میں مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ اور مولانا محمد اسحاق کے زمانہ میں سب یہ چار رکعت پڑھتے تھے، کسی کو مخالف ہم نے نہیں دیکھا۔ بعد ہجرت مولانا اسحاق صاحب کے مولوی عبدالسلام نے ایک رسالہ جمعہ کا بنایا۔ اس میں منع لکھا۔ عوام نے بلافہم روایات اس رسالہ کے باہم اختلاف پیدا کیا اور آسان بات پسند کی ہے۔ حقیر اسی طرح پڑھتا ہے جس طرح علماءِ مذکورین کو پڑھتے دیکھا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ

العبد المذنب عبدالرحمن عفی عنہ

ربیع الاول ۱۳۰۳ھ

رسالہ

ہندوستان میں جمعہ اور ظہر دونوں کا ادا کرنا لازم ہے

السوال

باسمہٖ سبحانہ

ما يقول العلماء الربانية والفضلاء الحقانية في أنّ من أفتي بفرضية الجمعة في بلاد الديار الهندية وقصباتها أو في القري أيضا كبيرة كانت أو لا مع كونه مقلّدا لأبي حنيفة الذي ذهب إلى كون المصر والسلطان شرطين لأدائها كما نصّ عليهما صاحب القدوري وصاحب الهداية وتبعهما أصحاب المتون المعتبرة من المتأخرين كصاحب الكنز وغيره وتمسك ذلك المفتي بما ذكر في الكتب من جواز أدائها في البلاد التي استولي عليها الكفار وبعدم جواز الأربع بعدها بنية الظهر بعبارة البحرالرائق. بينوا توجروا! فقط

الجواب

اللّهُم أرنا الحق حقًّا والباطل باطلاً! اعلم أنّ جوابه يبني على مقدمة وهي أنه لا بدّ للمفتي أن يعلم حال من يفتي بقوله، ولا يكفيه معرفته باسمه ونسبه بل لا بدّ من معرفته في الرواية ودرجته في الدراية وطبقته من طبقات الفقهاء ليكون على بصيرة في التمييز بين القائلين المتخالفين وقدرة كافية في الترجيح بين القولين المتعارضين.

الأولي: طبقة المجتهدين في الشرع كالأيمة الأربع.

والثانية: طبقة المجتهدين في المذهب كأبي يوسف ومحمد القادرين

على استخراج الأحكام عن الأدلّة على متقضي القواعد التي قررها أستاذهم أبو حنيفة.

والثالثة: طبقة المجتهدين في المسائل التي لا نص فيه عن صاحب المذهب كالخصاف والطحاوي، فإنهم يستنبطون الأحكام في المسائل التي لا نص فيها.

الرابعة: طبقة أصحاب التخريج كالرازي وأضرابه فإنهم لا يقدرون إلا على تفصيل قول مجمل ذي وجهين منقول بنظرهم في الأصول والمقايسة على أمثاله من الفروع.

والخامسة: طبقة أصحاب الترجيح من المقلدين كأبي الحسن القدوري وصاحب الهداية وأمثالهما. وشأنهم تفضيل بعض الضروريات على بعض. كقولهم هذا أولي وهذا أصح رواية.

والسادسة: طبقة المقلدين القادرين على التميز بين الأقوي والقوي والضعيف وظاهر المذهب والرواية النادرة، كأصحاب المتون المعتبرة من المتأخرين مثل صاحب الكنز وصاحب الوقاية وصاحب الجمع. وشأنهم أن لاينقلوا الأقوال المردودة.

والسابعة: طبقة المقلدين الذين لا يقدرون على ما ذكر ولا يفرقون بين الغث والسمين.

وإنه إذا اختلف التصحيح والفتوي فالعمل على ما في المتون؛ لأنها صارت متواترة، وكذا لو كان أحدهما في الشروح والأخري في الفتاوي فإنّ ما يكون في زماننا من فتوي الموجودين ليس بفتوي بل هو نقل كلام المفتي ليأخذ به المستفتي وطريق نقله أن يأخذه من كتاب معروف تداولته الأيدي لأنه بمنزلة المتواتر

والمشهور.

وإن الحكم والفتيا بالقول المرجوع جهل وخرق للإجماع. والإفتاء بخلاف ظاهر الرواية أولي بالبطلان. وما اتفق عليه أصحابنا في الروايات الظاهرة يفتي به قطعا. كذا ذكر صاحب رد المحتار.

فإذا قرع سمعك هذا فلا أظنك شاكّا في بطلان ذلك الإفتاء؛ لأنّ في الديار الهندية كما أنّ شرط السلطان مفقود كذلك حدّ المصر لايصدق على البلاد الهندية فضلا عن القري من أنّ المصر ما فيه أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود. والتعريف الذي اختاره جماعة من المتأخرين وهو ما لو اجتمع أهله في أكبر مساجده لا يسعهم فمنقوض بمكة والمدينة، إذ كل منهما يسع أهله وزيادة مع أنهما مقياسان لحد المصر، فكل تفسير لا يصدق على أحدهما فهو غير معتبر. والحد الصحيح ما اختاره صاحب الهداية كما مر. كذا في الكبيري

وفي الكنز: هو كل موضع له أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود. (كنز الدقائق: ص ١٨٩)

وفي الدر المختار: هو ظاهر المذهب. (الدر المختار: ص ١٠٧)

فلما جزم صاحب القدوري وصاحب الهداية وصاحب الكنز وغيرهم بكون السلطان شرطاً لأداء الجمعة لم يسع لنا أن نفتي بخلافهم متمسكا بالروايات. انتهي

ذكرها صاحب الشروح والفتاوي، لما مر في المقدمة من أنها لا تعارضها لكونها أولي درجة منها فتذكر.

فإن قيل: كما أنّ خبر الواحد من الأحاديث لا يعارض بالمتواتر لكن يجب العمل بخبر الواحد أيضا فينبغي أن يعمل على تلك

الروايات أيضا إبقاء لشعار الإسلام. قال في الفتح: وإذا لم يكن سلطان كما في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولي قاضيا ويكون هو الذي يقضي بينهم وكذا ينصبوا إماما يصلي بهم الجمعة. انتهي

قلت: كما أنّ العمل بخبر الواحد شرط في موضع يستلزم العمل بخبر الواحد فيه العمل بالمتواتر كما أنّ قوله عليه الصلاة والسلام: لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب، دالّ على فرضية قراءتها في الصلوة بعينها، وقوله تعالي: {فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ} [المزمل: ٢٠] دالّ على فرضية مطلق القرآن فاتحة كانت أو غيرها، فقلنا: فرضية القراءة مطلقا عملا بالآية وبوجوب الفاتحة عملا بخبر الواحد حتى من قرأ في صلاته الفاتحة عمل بهما جميعا، فينبغي أن نعمل فيما نحن فيه أيضا على تلك الديدن وذلك لا يستقيم إلّا بأن تؤدي الجمعة في هذه الديار الهندية وتصلي الظهر أيضا حتى لا يفوت العمل بالروايات المتواترة رأساً.

وأمّا ما جاء في البحر من نهي الأربع بعد الجمعة فهو في مقام التعدد خاصة أو فقدان شرط من الشروط المذكورة في المتون. حيث قال: فما في القنية: ولما ابتلي أهل مرو بإقامة الجمعتين بها مع اختلاف العلماء في جوازهما أمر أيمّتهم بأداء الأربع بعدها مبني كله على القول الضعيف، فليس الاحتياط في فعلها مع ما لزم في زماننا من مفسدة عظيمة وهو اعتقاد الجهلة أنّ الجمعة ليس بفرض. انتهي ملخصا

وأنت خبير بأنّ العمل بالاحتياط هو الأولي للخروج عن العهدة

بيقين ولزوم المفسدة للجهال لا يستلزم لترك المأمور به؛ لأنه لا يقبل جهل البكر الحر عن خيار البلوغ مع كونه نادر الوقوع في العمر فكيف يعذر الجهال في هذه المسئلة التي وقع في كل أسبوع مرة، بل يلزم المفسدة العامة بعدم أداء الظهر بعدها في هذه الديار وهي أنّ السلطان ليس بشرط عند الحنفية وهي فرية بلا مرية، لما مر غير مرة.

ولذا أورد على البحر صاحب منية الخالق حيث قال: بل هو مبني على الاحتياط لاختلاف العلماء في جوازه إذا تعددت وهو مروي عن أبي حنيفة واختاره الطحاوي وهو مذهب الشافعي والمشهور عن مالك وإحدي الروايتين عن أحمد. فقد حصل الشك وفي الحديث: فمن اتقي الشبهات استبرأ لدينه وعرضه. ولذا قال بعضهم فيمن يقضي صلاة عمره مع أنه لم يفته شيء منها: لا يكره؛ لأنه أخذ بالاحتياط.

ونقل المقدسي كلام القنية وذكر أنّ كثيرا من شراح الهداية وغيرهم نقلوه وتداولوه. وذكر عن الفتح: ينبغي أن يصلي أربعا ينوي بها آخر فرض أدركت وقته ولم أؤده إن تردد في كونه مصرا أوتعدّدت الجمعة. انتهي ملخصا (البحر الرائق ومنحة الخالق: ۲/ ۱٥٤)

وصاحب البحر أيضا أقرّ بجواز الأربع بعد الجمعة للخواص، حيث قال: وعلى تقدير فعلها ممن لا يخاف عليه المفسدة فالأولي أن تكون في بيته خفية. انتهي (البحر الرائق: ۲/ ۱٥٥)

فعلى هذا لو وجه إمام الجمعة العوام على هذه المسئلة بآكد وجه وأتمه مرة بعد أخري حتى ملأت قلوبهم بعلمها بعد ما كانت جاهلة جاز أداء الظهر بعد الجمعة عند صاحب البحر أيضا

علانية كما لا يخفي.
وأما إذا وقع شكّ في شرط من شرائط الجمعة فحكوا بأداء الأربع بعد ها بلا نكير، لما قال في شرح المنية الكبير: قالوا في كل موضع وقع الشك في جواز الجمعة ينبغي أن يصلي أربع ركعات ينوي الظهر. قال الفاضل اللاهوري في رسالة الجمعة أنّه إذا وقع الشك في فرضية أداء الجمعة لا يجوز الاكتفاء بأحدهما لما في التاريخ في التقسيم الرابع: الشبهة يكفي لإثبات العبادات كما يكفي لدرء العقوبات، فلا يجوز الاكتفاء بأحدهما.
وفي الغرائب: لما أوجبوا هذه الأربعة احتياطا صارت كالوتر؛ لأن مبني الوتر على دليل فيه شبهة، ومبني الأربع أيضا على الشك.
وفي المرقاة أنهم اختلفوا في حد المصر اختلافا كثيرا قلّما يتفق وقوعه في بلدة واحدة. ولذا قالوا في موضع الشك أن يصلي أربع بعد الجمعة. (مرقاة المفاتيح: ۳/ ۱۰۵۰)
ومثله في البحر حيث قال: وفي فتح القدير: وقد وقع الشك في بعض قرى مصر مما ليس فيها والٍ وقاض نازلان بها بل لها قاض يسمى قاضي الناحية وهو قاض يولى الكورة بأصلها فيأتي القرية أحيانا فيفصل ما اجتمع فيها من التعلقات وينصرف ووالٍ كذلك، هل هو مصر نظرا إلى أن لها واليا وقاضيا أو لا نظرا إلى عدمها منهما؟ والذي يظهر اعتبار كونهما مقيمين بها وإلا لم تكن قرية أصلا، إذ كل قرية مشمولة بحكم. وقد يفرق بالفرق بين قرية لا يأتيها حاكم يفصل بها الخصومات حتى يحتاجون إلى دخول مصر في كل حادثة لفصلها، وبين ما يأتيها فيفصل فيها، وإذا اشتبه على الإنسان ذلك ينبغي أن يصلي أربعا بعد الجمعة

ينوي بها آخر فرض أدركت وقته ولم أؤده بعد، فإن لم تصح الجمعة وقعت ظهره وإن صحت كانت نفلا. وفي القنية: مصلّي الجمعة في الرستاق لا ينوي الفرض بل ينوي صلاة الإمام ويصلي الظهر، وأيهما قدم جاز. انتهي (البحر الرائق: ٢/ ١٥٣)

وفي الدر المختار عن القهستاني: إذن الحاكم ببناء الجامع في الرستاق إذن للجمعة. (الدر المختار: ص ١٠٨)

وفي رد المحتار: لو صلوا في القري لزمهم أداء الظهر. (الدر المختار ورد المحتار: ٢/ ١٣٨)

وفي فتاوي الحجة: وجوب الجمعة على ثلاثة أقسام: فرض على الأمصار وواجب على نواحيها وسنة على القري الكبيرة المستجمعة للشرائط.

قال الفاضل اللاهوري: ألا تري أنّ الأضحية واجبة بشرط الغني فساقطة عن الفقير ومع ذلك إنّ ذبح الفقير لا يخلو عن الإباحة بل يكون نذرا لله تعالي، كذلك الجمعة هي واجبة على أهل الأمصار دون القري ومع ذلك إن صلي فيها لا يمنع على الأصحّ، فلا يخلو عن الإباحة لكونها نفلا؛ لما قال شيخ الإسلام في حاشية شرح الوقاية: قد كتب جدّي بخطه نقلا من السيد مصنف الكفاية أنّ الجمعة في القري بدعة حسنة، فعلم أنّ المراد بعدم جوازها عدم الإجزاء عن فرض الوقت.

قال التمرتاشي: إنّ في النهي عن الجمعة في القري خلافا. قال المحسن الأصح الإمضاء أي عدم المنع لأنّه موضع الاجتهاد فربما يدل على الاثم. انتهي

ولا يرد على تقديره أنّ الجمعة نفل وإن جماعة النفل مكروه لأن

ذلك الحكم مخصوص في كون ذلك النفل نفلا اتفاقا، لا فيما يكون مختلفا فيه، كما فيما نحن فيه.

فان قيل: لم يرو عن أبي حنيفة أداء الظهر بعد الجمعة فكيف يجوز للمقلد؟ قلت: لما كان السلطان شرطا عنده وكان موجودا في زمانه فلم يكن شك في أداء الجمعة عنده حتى يحتاج إلى أداء الظهر كما فعل إبراهيم النخعي الذي شيخ شيخ إمامنا الذي كان تابعيا من خير القرون مجتهدا مفتيا أعلم الكوفة كما روي عن البحر.

وأما تعميم السلطان بأن يكون مسلما كان أو كافرا ففرية بلا مرية؛ لأنّ السلطان هو الخليفة؛ لما قال العينيّ في شرحه للهداية: والمراد من السلطان هو الخليفة. (البناية: ٣/ ١٦٦)

في البحر: والعبرة لأهلية النائب وقت الصلاة لا وقت الاستنابة، حتى لو أمر الصبي أو الذمي وفوض إليهما الجمعة قبل يوم الجمعة فبلغ الصبي وأسلم الذمي كان لهما أن يصلّيا الجمعة. انتهي (البحر الرائق: ٢/ ١٥٥)

وأيضا قول صاحب الهداية: "لا يجوز إلا للسلطان أو لمن أمره السلطان" (الهداية: ١/ ٨٢)

ينادي بأعلي نداء على أنّ المراد هنا المسلم لا الكافر؛ لأنّ الإمامة عبارة عن الخطبة والصلاة وهو وظيفة المسلم خاصة لا الكافر، فتعميم السلطان بحيث يشمل الكافر أو تخصيصه بالعادل بحيث يخرج منه الجائر حرام على المقلد لا بتحقيق؛ لما نص عليه صاحب البحر حيث قال: وحكي في الظهيرية والخانية عن إبراهيم النخعي وإبراهيم بن مهاجر أنهما كانا يتكلمان وقت الخطبة فقيل لإبراهيم

النخعي في ذلك، فقال: إنّي صليت الظهر في داري ثم رحت إلى الجمعة تقية؛ ولذلك تأويلان: أحدهما أنّ الناس كانوا في ذلك الزمان فريقين، فريق منهم لا يصلي الجمعة؛ لأنه كان لا يرى الجائر سلطانا وسلطانهم يومئذ كان جائرا فإنهم كانوا لا يصلون الجمعة من أجل ذلك وكان فريق منهم يترك الجمعة؛ لأن السلطان كان يؤخر الجمعة عن وقتها في ذلك الزمان فكانوا يأتون الظهر في دارهم ثم يصلون مع الإمام ويجعلونها سبحة أي نافلة. وقد سمعت في زماننا أن بعضهم يترك الجمعة متأولا بالتأويل الأول وهو فاسد؛ لأن فاعله مجتهد رأى ذلك وأما المقلد لأبي حنيفة فحرام عليه ذلك؛ لأن مذهب إمامه أن الجائر سلطان. انتهي ملخصا وما ذكر من تعذر الإذن من السلطان بجواز الجمعة بدون إذنه لما فعل عليّ رضي الله عنه في أيّام محاصرة عثمان رضي الله عنه مردود؛ لأنه قدح فيما شرط إمامنا للجمعة وكذا القدح في تعليل الهداية: "لأنها تقام بجمع عظيم" فعسي أن تقع المنازعة بأنه رائي لا يثبت الاشتراط، باطل؛ إذ هو وظيفة المجتهد في الشرع كباقي الأيمة لا المقلد كما نبهناك عليه آنفا. ولأنّ الجمعة إنما أقيمت في زمان المحاصرة بإذن الخليفة. وكذا عذر الضرورة أوهن من نسج العنكبوت لأنّ على تقدير عدم وجود الشرط لا يمكن أن يوجد المشروط، كالصلاة بدون الطهارة فأيّ ضرورة دعت إلى القول بفرضية أداءنا ومع أداءالظهر مع أنّها فرض عند فقدان شرط المصر عند الإمام كما في القري.

ويؤيد ما قلنا ما ذكر صاحب الكبيري، حيث قال: الشرط الثاني كون الإمام فيها السلطان أو نائبه لقوله عليه الصلوة والسلام

فمن تركها وله إمام عادل أو جائر فلا جمع الله له شمله ولا بارك له في أمره. الحديث رواه ابن ماجة وغيره (سنن ابن ماجة: ١/ ٣٤٣) وقال الحسن بن أبي الحسن البصري: أربع إلى السلطان، فذكر منها الجمعة. وإذا لم يجد ذلك فصلوا الظهر وعلى هذا كان السلف من الصحابة ومن بعدهم، حتى أنّ عليا رضي الله عنه إنما جمع أيّام محاصرة عثمان رضي الله عنه بأمره. انتهي ملخصا فانه كما نص على كون السلطان مسلما لكونه مستحقا لإمامتها كذلك يدل على أن تصلي الظهر عند عدم إذن السلطان.

ولو فرض جواز الجمعة في البلاد التي استولي عليها الكفار عملا بالروايات التي تمسك بها ذلك المفتي لا يتم التقريب أيضا؛ لأنه مشروط بان يجعلوا واليا مسلما من بينهم ثم يولّي ذلك الوالي قاضيا ينفذ الأحكام ويقسم الحدود وينصبوا إماما للجمعة لما مر من الفتح. وكل ذلك مفقود في هذه الديار الهندية. فثبت أنّ ذلك المفتي سلك مسلك غير المقلد مع ادعاء التقليد، وهو حرام لما مر من صاحب البحر وارتكابه فسق، لما نصّ عليه في هذه الآية الجامعة.

قال الله تعالي: {يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ (٢٦) الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ} [البقرة: ٢٦، ٢٧] الآية

لأنّ عهد التقليد مثل باقي العهود الدينية داخل في عهد الله؛ لأن حكم الإمام كحكم الله في حق المقلد كما حقق الشيخ عبد العزيز الدهلوي في التفسير العزيزي. فقد ظهر من هذا التحقيق أنّ قول الفاضل الگنگوهي بفرضية الجمعة في بلاد الكفار مع زعمه في الرسالة التي سماها بأوثق العري أنّ الجمعة كانت فرضا

على النبي ﷺ في مكة لكن لم يكن مأمورا بأداءها في مكة بسبب حكومة الكفار، وكذا حكمه بمنع صلاة الجمعة في القري مطلقا وقول صاحب التذكرة بفرضية الجمعة في القري مطلقا لا ينبغي أن يسمعا فضلا أن يعمل بهما.

فعليك أيّها المقلد لأبي حنيفة أن تصلّي الظهر بعد الجمعة في مواضع الشك ولا تمنع أحدا من صلوة الجمعة في القري الداخلة في حد المصر عند بعض الفقهاء دون بعض؛ لأنّ اختلاف الفقهاء يورث الشبهة والشبهة موجبة للعبادات لما تلونا عليك من التلويح آنفا فتكون الجمعة والظهر واجبتان في الذمة في تلك القري أيضا لكن القري الصغيرة التي ليست داخلة في مواضع الشك والاجتهاد فلا يجوز لنا أن نأمر أهلها بإقامة الجمعة فيها؛ لأنّ ذلك يستلزم الخروج عن التقليد وهو حرام كما مر.

ترجمہ

خلاصہ مطلب اس کا یہ ہے کہ جو مولوی رشید احمد گنگوہی نے اس دیارِ ہند کے شہروں اور قصبات میں جمعہ کو ادا کرنا فرضِ قطعی قرار دیا ہے اور مولوی عبدالسلام صاحب تذکرۃ الجمعہ نے مزید برآں کل دیہات میں یہی حکم دیا ہے حالانکہ ہدایہ وغیرہ کتب معتبرہ فقہ میں سلطان اور مصر دونوں کا شرط ہونا واسطے اداءِ جمعہ کے مذکور ہے اور نیز ان دونوں صاحبوں نے اس دیار میں جمعہ کے بعد ظہر کا ادا کرنا بھی منع لکھا ہے۔ آیا ایسا فتویٰ ان کا بموجب بعض کتب بر خلاف کتب متذکرہ بالا کے دینا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا!

جواب

چونکہ جواب مسئلہ ہٰذا کا اوپر بیان کرنے چند امور کے مبنی ہے۔ لہٰذا اول ان امور کا بیان کیا جاتا ہے۔

اول

مفتی پر لازم ہے کہ جس کے قول پر فتویٰ دینا چاہیے اس کا حال علاوہ نام اور قومیت کے معلوم کرے کہ فقہاء کے سات طبقوں میں سے کس طبقہ کا ہے؟ تاکہ اختلاف کے موقع پر اس کو ترجیح دینے میں دقت نہ ہو۔ یعنی جب کسی مسئلہ میں دو قول متناقض پائے جاویں لیکن صاحب ان دونوں قولوں کے اگر ایک طبقہ کے نہیں ہیں تو جو قول صاحب طبقہ اعلیٰ کا ہے اس پر فتویٰ دینا لازم ہے اور ان طبقات کو علماء نے اس ترتیب سے بیان کیا ہے۔

پہلا طبقہ:

اماموں کا جو دین میں اپنی سعی کر کے مسائل استنباط کرتے تھے۔

دوسرا طبقہ:

ان کے شاگردوں کا مثل امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ وغیرہ کے۔

تیسرا طبقہ:

ان علماء کا جو مسائل غیر منصوصہ کو اپنے امام کے مسائل پر نظر کر کے استنباط کرتے ہیں۔ مثل خصافؒ اور طحاویؒ کے۔

چوتھا طبقہ:

اصحاب تخریج کا ہے۔ مثل امام رازیؒ وغیرہ کے جو قول مجمل کو مفصل بیان کر دیتے ہیں۔

پانچواں طبقہ:

اصحاب ترجیح کا ہے۔ مثل صاحب قدوریؒ اور صاحب ہدایہؒ کے جو بعض روایات کو بعض پر ترجیح دینے کی قدرت رکھتے ہیں۔

چھٹا طبقہ:

ان علماء کا ہے جو روایات اقویٰ اور قوی اور ظاہر مذہب اور روایاتِ نادرہ میں فرق کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ مثل صاحب کنز وغیرہ صاحب متونِ

متداولہ معتبرہ، جو ہر گز اقوالِ مردودہ کو اپنی کتابوں میں نقل نہیں کرتے۔

ساتواں طبقہ:

ان فقہاء کا ہے جو امورِ مذکورہ پر قادر نہیں اور وہ ضعیف اور قوی میں فرق کرنے کی لیاقت نہیں رکھتے۔

دوم

اور دوسرا امر یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں دو روایتیں مختلف ہوں، متن میں ایک کو صحیح کہا اور شرح میں دوسری روایت کو مفتٰی بہ قرار دیا پس جو روایت متنوں میں ہے اس پر فتویٰ دینا چاہیے، نہ شروح پر۔ اور شروح کی روایت کو فتاویٰ کی روایات پر ترجیح ہے۔

سوم

اور تیسرا امر یہ ہے کہ اس زمانہ کے علماء فی الحقیقت مفتی نہیں ہیں۔ صرف مفتیانِ ماسبق کا فتویٰ نقل کر دینے کا رتبہ رکھتے ہیں اور ان پر لازم ہے کہ ایسی کتاب مشہور سے نقل کریں جس کو علماءِ امّت نے قدیم سے اپنا دستور العمل بنایا ہوا ہے۔

چہارم

اور چوتھا امر یہ ہے کہ قولِ مرجوح پر فتویٰ دینا جہالت اور اجماع کے خلاف ہے اور اس طرح روایات ظاہر المذہب کے برخلاف حکم کرنا باطل ہے۔

پنجم

اور پانچواں امر یہ ہے کہ جن روایاتِ ظاہرہ پر ہمارے علماء متفق ہیں ان پر بلاشک وریب قطعی طور پر فتویٰ دینا لازم ہے۔ یہ مضمون شامی کا ہے۔

بعد ملاحظہ امور مذکورہ کے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر دو مفتیان کا قول باطل ہے کیونکہ سلطان کا شرط ہونا مذہب حنفیہ میں کل فقہاء کے نزدیک مسلم ہے۔ اس

واسطے ہر طبقہ کے فقہاء اس کو بلا خلاف اپنی تصانیف میں درج کرتے رہے۔ جیسا کہ قدوری اور ہدایہ اور کنز وغیرہ کے ملاحظہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔ پس فتاویٰ یا کسی شرح کی عبارت سے اس شرط میں تاویلات بیان کر کے اس کے بر خلاف عمل کرنا بر خلاف امر اول ہے۔ یعنی اگر بر خلاف ہدایہ وغیرہ کے اپنے دلائل کو ان فقہاء سے نقل کرتے جو ان کے طبقہ سے اعلیٰ ہیں یا ان کے ہم رتبہ ہیں، لیکن ان کی روایت کو ترجیح ہے تب فتویٰ دینا ان کا بے موقع نہ ہوتا۔ اس مسئلہ میں دونوں امروں میں سے کوئی بھی موجود نہیں اس واسطے قول ان کا باطل ہے۔

اور نیز ملاحظہ کرنے امرِ پنجم کے بھی یہ فتویٰ بالکل غیر جائز ہے کیونکہ امام اعظمؒ اور آپ کے شاگرد شرطِ سلطان میں مختلف نہیں ہیں ورنہ صاحب ہدایہ ضرور ان کے اختلاف کو نقل کرتا۔ اس طرح مصر کا شرط ہونا واسطے جمعہ کے ثابت ہے اور یہ شرط بھی اس دیارِ ہند کے شہروں پر بسبب مفقود ہونے حکومت اسلام کے پائی نہیں جاتی، کیونکہ مصر اس کو کہتے ہیں جس میں امیر اور قاضی موجود ہو جو بموجب شریعت کے مقدمات فیصلہ کرتے ہوں اور حد زنا وسرقہ وغیرہ کو قائم کرتے ہوں۔ اسی تعریف کو اختیار کیا ہے صاحب ہدایہ نے۔

اور جو بعض متاخرین نے اختیار کیا ہے کہ شہر وہ ہے کہ جس جگہ کے لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں نہ آسکیں، قابل اعتبار نہیں۔ اس واسطے صاحب کنز جو طبقہ سادسہ میں داخل ہے اس تعریف کو غیر مقبول قرار دے کر تعریف اول کو اپنی کتاب کنز میں درج کیا۔ اور صاحب کبیری نے لکھا ہے کہ تعریف اول کو اختیار کیا ہے صاحب ہدایہ نے اور وہی تعریف معتبر ہے۔ اور تعریف ثانی باطل ہے بوجہ نہ صادق آنے اس کے اوپر مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ کے جو اتفاقاً شہر ہیں، حالانکہ مسجد نبوی مدینہ کے باشندوں سے اور بیت ربی سُکّانِ مکہ سے پر نہیں ہوتیں۔ اور صاحب در مختار نے بھی تعریف اول کو ظاہر المذہب قرار دیا ہے۔

پس تعریف اول کو نظر انداز کرنا مفتیانِ مذکور کا جس کو صاحب ہدایہ اور صاحب کنز نے اختیار کیا ہے، بے اصل ہے۔ کیونکہ ہر ایک صاحب ترجیح ہیں اور روایاتِ غیر مقبولہ کو اختیار نہیں کرتے جیسا کہ امر اول میں بیان ہے۔ اس طرح امر چہارم اور امر پنجم کے بر خلاف ہونے کے قول ان کا لائق فتویٰ نہیں ہے۔

اگر کہا جاوے جیسا کہ آیت کے ہوتے حدیث خبر واحد پر جو آیت سے نہایت کم رتبہ ہے، علماء نے واجب لکھا ہے۔ اس طرح روایاتِ فتاویٰ پر اگر عمل کیا جاوے تو کیا قباحت ہے؟ تو ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس امر میں ہم بھی آپ سے اتفاق کرتے ہیں کہ جیسا نماز میں بموجب آیت: "فاقرأوا ما تیسر من القرآن" قرآن کا پڑھنا بلا تعین فاتحہ کے فرض ہے اور حدیث: "لا صلوٰة إلا بفاتحة الكتاب" سے خاص فاتحہ کا پڑھنا نماز میں لازم آتا ہے۔ پس علماءِ حنفیہ نے مطلق قرأت کو بموجب آیت کے فرض اور فاتحہ کا پڑھنا نماز میں بموجب حدیث کے واجب قرار دیا۔ پس جو نمازی فاتحہ کو نماز میں پڑھے تو آیت اور حدیث دونوں پر عمل بجالا کر فارغ الذمہ ہو گیا۔

اس طرح اس مسئلہ میں اگر جمعہ بموجب روایاتِ شروح اور فتاویٰ کے شعارِ اسلام کے قائم کرنے کے واسطے پڑھا جاوے تو بعد اس کے ظہر کا ادا کرنا بلحاظ روایاتِ کتب معتبرہ کے ضروری ہوا کیونکہ بسبب نہ پائے جانے شرط جمعہ کا ادا ہونا بطور فرضِ قطعی پایا نہ گیا، ظہر کا پڑھنا ضرور ٹھہرا۔

اور مولانا مولوی جان محمد صاحب لاہوری مرحوم نے اپنے رسالہ میں تحریر کیا ہے کہ مذہب حنفی کی کتاب تاریخ میں جو بڑی مستند ہے لکھا ہے کہ جب دو عبادتوں میں شک پڑے کہ ان میں سے کون سی میرے ذمہ فرض ہے تو ان دونوں کا ادا کرنا لازم آتا ہے۔ پس بموجب اس قاعدہ اصول کے جہاں جمعہ اور ظہر کے فرض ہونے میں نمازی کو شک بسبب شرائط کے واقع ہو تو اس پر جمعہ اور

ظہر دونوں کا ادا کرنا لازم ہے۔

کتاب غرائب میں ہے کہ ظہر کا واجب ہونا ایسے مقام میں مثل نماز وتر کے ہے۔ یعنی جیسا وتر کا واجب ہونا شبہ کے ساتھ ہے ایسا ہی ظہر کا واجب ہونا شک کے باعث ہے۔ ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ میں لکھا ہے چونکہ مصر کی تعریف میں بہت بڑا اختلاف ہے، کوئی شہر ایسا ہو گا جو وہاں بلاشک جمعہ ادا ہو سکے اس واسطے علماء نے ظہر کا پڑھنا بعد جمعہ کے لازم کیا ہے۔

اگر کہا جاوے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ظہر کا بعد الجمعہ ادا کرنا کسی نے نقل نہیں کیا تو جواب اس کا یہ ہے کہ جب امامؒ نے جو شرطیں جمعہ کے واسطے مقرر کر دی ہیں تو جہاں ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی وہاں جمعہ امام کے نزدیک مرضی طور پر ادا نہ ہوا تو امام کے نزدیک ظہر کا ادا کرنا فرض ہوا۔ جیسا کہ ابراہیم نخعیؒ جو تابعی اور مفتی اہل کوفہ تھے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے استاد کے استاد تھے۔ ظہر اور جمعہ دونوں پڑھا کرتے تھے۔ جیسا کہ آگے چل کر عبارتِ بحر سے مفصّل حال معلوم ہو گا۔ چونکہ ولادت ابراہیم نخعیؒ کی سنہ پچپن میں ہوئی اور انتقال آپ کا دوسری صدی کے ابتدا میں ہوا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہر کا پڑھنا صحابہ کے وقت میں رائج تھا کیونکہ صحابہ آخر صدی تک کوفہ میں موجود رہے ہیں۔

اگر کہا جاوے کہ صاحب بحر الرائق نے جمعہ کے بعد ظہر پڑھنے کو منع کیا ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ جہاں حکومت اسلامیہ کے شہروں میں جمعہ دو مسجدوں میں پڑھایا جاتا تھا وہاں جو بعض علماء نے ظہر پڑھنے کا حکم بعد جمعہ کے دیا تھا اس کو صاحب بحر نے فقط اپنی رائے سے بلا نقل کسی روایت کے ظہر سے منع کیا اور یہ عذر پیش کیا کہ جاہل لوگ جمعہ کو فرض نہیں جانیں گے۔ میرے نزدیک یہ عذر لغو ہے۔ علماء سے دریافت کر کے عوام اپنی تسلی تشفی کر سکتے ہیں۔ بلکہ اس

دیارِ ہند میں جمعہ کے بعد ظہر کے ادا نہ کرنے سے بڑا مفسدہ لاعلاج پیدا ہوتا ہے کہ جمعہ کے واسطے امام کے نزدیک شرط سلطان کی نہیں ہے۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ امام کے نزدیک ادا کرنا جمعہ کا یہاں فرضِ قطعی ہے جو بالکل بموجب تحقیق بالا کے غلط ہے۔

اسی واسطے صاحب منحۃ الخالق نے قول بحر الرائق کو فتح القدیر وغیرہ کی عبارات نقل کر کے رد کیا ہے اور خود صاحب بحر الرائق نے بھی آگے چل کر خواص کے واسطے ظہر کا ادا کرنا درست لکھا ہے۔ اور جہاں کسی شرط کے وجود میں شک ہو وہاں خود صاحب بحر نے ظہر کے ادا کرنے کو بعد جمعہ کے بلا خلاف فتح القدیر سے نقل کیا ہے کہ جس گاؤں میں حاکم اور قاضی رہتے نہیں وہ گاؤں شہر کی تعریف میں داخل نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ جس گاؤں کے کل فیصلے قاضی وہاں جا کر کرتا ہو وہ شہر ہے۔

غرض جس جگہ کے شہر ہونے میں اشتباہ پیدا ہو وہاں بعد جمعہ کے ظہر ادا کی جاوے، اس نیت سے کہ میں آخری فرض جو میرے ذمہ باقی ہے اس کو ادا کرتا ہوں۔ اور قنیہ سے نقل کیا کہ گاؤں میں جمعہ پڑھنے کے وقت فرض کی نیت وہ نہ کرے بلکہ یوں کہے کہ جو امام کی نماز ہے وہی میری ہے۔ اور ظہر بھی پڑھے پہلے یا بعد جمعہ کے۔ اور شامی میں ہے اگر نماز جمعہ کی دیہات میں ادا کی جاوے تو ظہر کا پڑھنا ان پر لازم ہے۔ فتاویٰ حجت میں ہے کہ جمعہ کا ادا کرنا تین قسم پر شہروں میں فرض ہے اور گرد نواح شہروں کے باشندوں پر واجب اور بڑے گاؤں پر جہاں شرائط موجود ہوں سنت ہے۔

اور مولانا مولوی جان محمد صاحب نے اپنے رسالہ میں بیان کیا کہ قربانی کا واجب ہونا بشرطِ غنا ہے۔ پس جو شخص صاحب نصاب نہ ہو اس پر واجب نہیں بسبب نہ پائے جانے شرط غنا کے۔ لیکن قربانی کرنا اس کا شرعاً منع نہیں بلکہ

موجب ثواب ہے۔ اسی طرح اگر جمعہ گاؤں میں پڑھا جاوے باوجودیکہ ان پر واجب نہیں، نہ منع کیا جاوے گا۔

تمرتاشی میں لکھا ہے کہ اولیٰ یہی ہے کہ گاؤں میں جمعہ پڑھنے سے روکنا نہیں چاہیے بلکہ روکنے میں خوف گناہ کا ہے۔ اور مراد سلطان سے بادشاہِ اسلام ہے، عادل ہو یا ظالم۔ بموجب قول رسولِ مقبول ﷺ کے کہ جو شخص موجودگی امام عادل یا ظالم کے جمعہ ادا نہ کرے خدا تعالیٰ اس کے دل کو جمعیت اور اس کے کام میں برکت نہ کرے۔

اس واسطے صاحب عینی نے کہا ہے کہ مراد سلطان سے خلیفہ ہے۔ اور صاحب بحر نے لکھا ہے کہ جس کو بادشاہ جمعہ کا نائب مقرر کرے اگر وہ نائب اس وقت کافر ہے لیکن جمعہ ادا کرنے سے پہلے مشرف باسلام ہو گیا تو اس کی نیابت صحیح ہے۔ اگر مسلمان نہیں ہوا تو نیابت غیر جائز ہے۔ اور ہدایہ میں لکھا ہے کہ جمعہ کی نماز خود سلطان پڑھاوے۔ اگر وہ نہ ہو تو اس کا نائب جمعہ پڑھاوے۔

پس جو بعض کتب میں سلطان کو عام کر کے بادشاہ کافر کو بھی داخل کیا ہے بالکل تقلید کے برخلاف ہے جس کی حرمت صاحب بحر کی عبارت سے مستفاد ہوتی ہے کہ ابراہیم نخعیؒ اور ابراہیم بن مہاجرؒ خطبہ کے وقت کلام کیا کرتے تھے۔ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ جمعہ کا خطبہ سننا فرض ہے، کلام کرنی منع ہے۔ آپ ایسا کیوں کرتے ہو؟ ابراہیم نخعیؒ نے جواب دیا کہ ہم اپنے گھر میں ظہر پڑھ کر آیا کرتے ہیں، تقیہ کے طور یہاں جمعہ نفل جان کر مل جاتے ہیں۔ اس کی وجہ ایک یہ بیان کی گئی ہے کہ اس وقت بعض اشخاص جمعہ کو بسبب نہ ہونے بادشاہ عادل کے فرض نہیں جانتے تھے۔ ان کے نزدیک بادشاہِ اسلام کا عادل ہونا شرط تھا۔ صاحب بحرالرائق کے وقت میں بھی بسبب ظالم ہونے سلطانِ وقت کے بعض اہل علم نے جمعہ کے بعد ظہر کا ادا کرنا لوگوں کو تعلیم کیا۔ اس پر صاحب بحر نے

حرمت کا فتویٰ دیا اس واسطے کہ ہمارے امام کے نزدیک بادشاہِ اسلام عادل ہو یا ظالم ہو، جمعہ فرض ہے۔ اور مقلد کو امام کے برخلاف ہونا حرام ہے۔ ابراہیم نخعیؒ خود مجتہد تھے نہ مقلد، ہم کو ان کی پیروی کرنی برخلاف اپنے امام کے شرعاً درست نہیں۔ پس جب کہ تخصیص کرنا مقلد کو حرام ہوا تو تعمیم کرنا بھی حرام ہونا چاہیے۔

اور جو شخص تعذرِ اذن کے وقت بلا اذن سلطان کے جمعہ پڑھنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانۂ محاصرہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نقل کر کے اس شرط پر قدح وارد کرتا ہے بالکل خطا پر ہے۔ اور اسی طرح ہدایہ کی عبارت پر جو واسطے وجہ شرط مسلمان کے بیان کی ہے کہ ایسے وقت میں سلطان کا ہونا واسطے انتظام کے ضروری امر ہے۔ یہ سوال وارد کرنا کہ شرطوں کا اثبات اپنی رائے سے کرنا شرعاً درست نہیں، نہایت لغو ہے۔ کیونکہ یہ رتبہ مجتہدوں کا ہے کہ ایک کے قول کو دوسرا مجتہد اعتراض کر کے تردید کرے۔ ہم مقلدین کا یہ رتبہ نہیں کہ ہم اپنے امام کے قول کو خود ہی تردید کر ڈالیں۔ بلکہ ہمارے پر لازم ہے کہ جو کسی مجتہد نے ہمارے امام کے قول پر اعتراض کیا ہو ہم اس کا جواب دیں۔ چنانچہ اعتراض مذکورہ اصل میں شافعیوں کا ہے اور اس کا جواب صاحب کبیری نے یہ دیا ہے کہ سلطان کا شرط ہونا حدیث اور قول امام حسن بصریؒ سے ثابت ہے اور جب یہ شرط موجود ہو تو نماز ظہر پڑھی جاوے۔ اس پر صحابہ کا عمل تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی زمانہ فتنہ میں سوائے حکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمعہ نہیں ادا کیا۔ مگر ہم بالفرض والتقدیر روایات شروح اور فتاویٰ پر عمل کرنا جائز قرار دیں تب بھی اس دیارِ ہند میں جمعہ کا ادا کرنا فرض ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان روایات کا ماحصل یہ ہے کہ اگر بلادِ اسلام پر کفار غالب ہوں تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایک شخص کو اپنے میں سے والی بنا دیں اور وہ شخص ایک قاضی واسطے تصفیہ مقدمات اہل اسلام پیروی شرع اور قائم کرنے حدود زنا و سرقہ وغیرہ کے مقرر کریں

اور ایک امام واسطے نمازِ جمعہ کے معین کیا جاوے۔ یہ مضمون فتح القدیر کا ہے۔

چونکہ اس دیار میں خود اہل اسلام نے اپنی طرف سے والی اور قاضی جو مقدماتِ اہل اسلام کے موافق شرع بر خلاف قوانین انگریزی فیصل کرنے کے اب تک مقرر نہیں کیا ہے اور نہ ان کو ایسا کرنے کا اختیار ہے پس جمعہ پڑھنا گنگوہ بلکہ سہارنپور وغیرہ میں بموجب ان روایات کے بھی فرض نہ ہوا۔ پس بموجب تحقیق بالا ثابت ہوا کہ حکم ادا کرنے جمعہ کا بطور فرضِ قطعی شہروں اور قصبات میں اور منع ہونا ہر گاؤں میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا اور بلا قید مصر ہر گاؤں میں فرض قطعی الادا ہونے کا حکم دینا صاحب تذکرہ کا مقلد کہلا کر بالکل غلط ہے۔ ایسے فتووں پر مقلدین کو عمل کرنا درست نہیں۔ پس جس شہر یا قصبہ یا بڑے گاؤں میں جمعہ پڑھا جاوے وہاں نماز ظہر ہی ادا کرنی لازم ہے اور جس گاؤں میں کسی روایت فقہیہ سے جمعہ کا واجب الادا ہونا ثابت نہیں ہوتا وہاں جمعہ پڑھنے کا فتویٰ حنفی المذہب ہو کر دینا درست نہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

هذا ما تيسر لي بإعانة أخي أعني المفتي المولوي عبد العزيز الذي اشتهر في هذه الديار كالشمس على نصف النهار كان الله لنا ولجميع آبائنا وأجدادنا وأمهاتنا وجدّاتنا وإخوتنا وأخواتنا وأولادنا وأولاد أولادنا وهلمّ جرا وأولاد إخوتنا وأعمامنا وعمّاتنا كذلك وسائر ما يتعلق بنا برحمتك يا أرحم الرحمين. آمين ثم آمين

الراقم

خادم الطلباء محمد لودھیانوی

پیروں کے نام کا توشہ ماننا

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جو عوام لوگ توشہ شیخ عبدالحق کا اپنے ذمہ مانتے ہیں اور حقہ نوش کو اس میں شریک نہیں کرتے اور اسی طرح کبار دین پیرانِ پیر کی اپنے ذمہ لازم جانتے ہیں اگر کسی نے امور مذکورۃ الصدر کے خلاف عمل کیا بعد ازاں اس کا کچھ نقصان ہوا تو کہا جاتا ہے کہ توشے یا کباردین کو تاریخ مقررہ پر ادا نہ کرنے سے شیخ عبدالحق یا پیرانِ پیر نے اس کو نقصان پہنچایا۔ آیا ایسا عمل کرنا گو بظاہر خدا کا نام بھی اس میں لیا جاوے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب

اللّٰهم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! ایسا فعل کرنے والے شرعاً مشرک ہیں۔ خدا کا نام جو بعض لوگ بروقت استفسار زبان پر لاتے ہیں محض ظاہر داری ہے۔ ایک شخص نے نمبردار گاؤں کے پاس جا کر کہا کہ بیٹے ایک بکرا شیخ سدو کے نام کا دینا ہے کوئی اس کو ذبح نہیں کرتا میں اس کا کیا علاج کروں؟ نمبردار نے کہا کہ میں تیرا بکرا ذبح کرا دیتا ہوں۔ اس کو ساتھ مولانا مولوی برخوردار صاحب مرحوم کے پاس جو بڑے زبردست اور بے ریا عالم تھے لے گیا اور کہا کہ یہ شخص اور بکرا ذبح کرانا چاہتا ہے کسی طالب علم کو آپ فرما دیویں کہ بکرے کو ذبح کر دے۔ اپنے بکرے والے سے دریافت کیا کہ اس میں کس قدر گوشت ہوگا؟ اس نے اندازہ کر کے بیان کر دیا۔ آپ نے ارشاد کیا کہ اسی قدر گوشت ہم سے لے جا اور بکرا زندہ ہم کو دے جا۔ اس نے فوراً کہا کہ شیخ سدو مجھ کو مارے گا۔ تب مولانا صاحب مرحوم نے اس

نمبر دار کی خوب زود کوب سے خبر لی اور کہا کہ تو حیلہ بنا کر برخوردار کا ایمان لینے آیا تھا۔

القصہ غرض عوام کی تقرب بغیر اللہ کی ہوتی ہے ورنہ تخصیص ثواب شیخ عبدالحق وغیرہ خصوصیات کے مقرر کرنے کی کیا وجہ ہے۔ خدا کے واسطے جو طعام پکایا جاوے اس میں حقہ وغیرہ کی پرہیز نہیں اور نہ کسی تاریخ کی اس میں حاجت ہے۔ مجدد صاحب نے بھی ایسے فعل کو شرک قرار دیا ہے۔ آپ مکتوبات میں یوں فرماتے ہیں:

> وحیوانات را کہ نذر مشائخ می کنند و بر سر قبرہائے ایشاں رفتہ ذبح می کنند در روایات فقہیہ ایں عمل را نیز داخل شرک ساختہ اند و ازیں عالم است صیامِ نساء کہ بہ نیت پیراں و بے بیان نگہدارند و در وقت افطار برائے ہر روزہ طعام خاص بوضع مخصوص تعین می نہانند، مطالب و مقاصد خود را بایں روزہ ہا مربوط می سازند و روائے حاجاتِ خود ازانہا می دانند، ایں شرکت در عبادت است۔ وحیلہ است آنچہ بعض از زناں در وقفہ اظہار شناخت ایں فعل گویند کہ ما ایں روزہ را برائے خدا نگاہ می داریم و ثواب آنرا بہ پیراں می بخشیم۔ اگر دریں امر صادق باشند تعین ایام از برائے صیام چہ در کار است و تخصیص طعام و تعین اوضاع برائے چیست؟ انتہی مختصراً

پس جو کچھ مولوی محمد گل خان نے اپنے رسالہ براہین بینہ میں حیلہ سازیاں واسطے جواز ایسی نذروں کے بیان کی ہیں بالکل خلاف واقع اور لغو ہیں۔ واللہ اعلم

تلاوتِ قران پر اجرت لینا

سوال

باسمہٖ سبحانہ

اجرت بر خواندنِ قرآن گرفتن جائز است یا نہ؟

جواب

حکم اجرتیکہ حافظانِ قرآن بر خواندنش می گیرند چند صورت دارد جداگانہ در ذہن خود منقسم باید فرمودہ غلط نباید گرد تا اشتباہ واقع نشود۔

صورت اول: آنکہ قرآن خواندۂ خود را بعوض مبلغ گذارند بدست کسے برسد وایں صورت محض باطل است باجماع اہل سنّت آرے نزد امامیہ رائج ومتعارف است بلکہ ثواب روزہ حج ودیگر عبادات رامی فروشند۔ دلیل بطلانش آنکہ حقیقت بیع مبادلۃ المال بالمال است وثواب طاعات مال نیست بلکہ حقے است کہ برای ایں شخص بحکم وعدہ الٰہی ثابت می شود ودر حق مردوزن وحق عیال وامثال ذلک جائز نیست۔

صورت دوم: آنکہ شخصے را برائے ختم قرآن مزدور می گیرند وثواب آن ختم مستاجر برسد۔ وایں صورت نزد حنفیہ جائز نیست ونزد شافعیہ تفصیل دارد۔ ودلیل عدم جوازِ ایں صورت آنست کہ قاعدہ حنفیہ است کمافی شرح الوقایۃ وغیرہ:

الأصل عندنا: إنه لا يجوز الإجارة على الطاعات والمعاصي، لكن لما وقع الفتور في الأمور الدينية يفتى بصحتها لتعليم القرآن والفقه تحرزا عن الاندراس.

ونکتہ دراں کہ اجارہ برائے طاعات خود فرض باشد خواہ نقل جائز نیست آں است شخصے کہ مباشر طاعت شدہ است بحکم وعدۂ الٰہی مستحق اجر اخروی گشتہ۔ پس اگر اجر دنیوی را از مخلوق براں عمل طلب نماید اجتماع عوضین واجرین در حق یک کس بیک فعل لازم خواہد آمد۔ مثل آنکہ شخصے اجیر خاص یک کس قرار یافت اورانمی رسد کہ اجیر خاصِ شخصے دیگر شود در ہماں مدّت، کذاہذا۔

كما في شرح الهداية وقوله عليه السلام اقرؤوا القرآن ولا تأكلوا به مثل أن يستاجر رجلا ليقرأ على راس قبر قيل: مثل هذه القراءة لا يستحق بها الثواب لا للميت ولا للقاري. انتهي

صورت سوم: شخصے حسبۃً للہ ثواب قرآن خواندہ کسے بخشد یا بقصدِ ثوابِ او آغاز کند وہرگز خیالِ

معاوضہ در خاطر او خطور نہ کند و آں کس بطریق مکافات بعد ازاں یا در اثناءِ خواندن آن بوے چیزے بدید یا احسانے نماید یا شخصے باشد کہ از سالہا بر شخصے انعام واحسان می کند و ایں کس بطریق مکافاتِ آں قسم آن وکلمہ تہلیل وامثال ذلک برائے او می خواند وثوابش باو می بخشد، ایں صورت جائز است بلا شبہ بلکہ مستحب زیراکہ مکافاتِ احسان باحسان مستحب است۔

وفي الحديث: من صنع إليكم معروفا فكافئوه. آه (سنن أبي داود: ٢/ ١٢٨)

ولیکن در ینجاہم عذرے می باید وآں انیست کہ اگر نیست آن در خواندن مکافات احسان است پس جائز است ومستحب اما اجارہ نہ شد آرے داشتن مکافات مضر نیست لیکن فرقے را تامل باید نمود۔

صورت چہارم: آنکہ شخصے است طالب علم دینی یا حفظ قرآن یا اشتغال بطاعت دیگر لیکن از راہِ تنگدستی وفقدانِ وجہ معاش فراغت اشتغال بایں امور ندارد ومردے دیگر صاحب مایہ وجہ قوت او شود تا بالفراغ بال مشغول بطاعت گردد دریں صورت ہر دو را اجر کامل برابر بر طاعت او حاصل می گردد دمورد ایں آیت ہمیں است للفقراء الذین احصروا الخ واعانت بر طاعت کہ در حدیث جا بجا ممدوح واقع شدہ ہمیں است لیکن ایں را اجرت گفتن مجاز است۔

صورت پنجم: آنکہ شخصے قرآن را نہ بروجہ طاعت بلکہ بنا بر قصدِ منافع می خواند وبریں اجرت می کرد مثل رقیہ حمی وتعویذ ختم بعضے سورتِ قرآنی برائے حصولِ بعضے مطالب دنیوی یا برائے خلاصی از عذاب گور یا برائے دفع آسیب زندہ یا مردہ بصورت خوش وایں قسم جائز است وبہتر بلا کراہت وہمیں است موردایں حدیث کہ "إنّ أحق ما اتخذتم عليه أجر كتاب الله" وقصہ رقیہ سورۃ فاتحہ وگرفتن اجرت بران نیز از ہمیں قبیل است ہمہ۔۔۔۔۔۔ با احکام آنہا در خاطر محفوظ باید داشت۔

وبہ ہمیں تفصیل معلوم شد کہ در احادیث مختلف تعارض نیست مثلاً در حدیث عبادہ بن صامت قال:

قلت يا رسول الله رجل أهدي إليّ قوسا ممن كنت أعلمه الكتاب والقرآن وليست بمال فأرمي عليها في سبيل الله. قال: إن كنت

تحبّ أن تطوّق طوقا من نار فاقبلها. رواه أبو داود (سنن أبي داود: ۳/ ۲٦٥)

در صورتیست کہ در وقت تعلیم طلب مکافات منظور داشتہ بود وایں نیت تعلیم کردہ بود وعلیٰ ہذا القیاس احادیث دیگر۔ واللہ اعلم علمہ اتم واکمل واحکم

ایں مسئلہ نوشتہ والد ماجد خود اعنی مولانا مولوی عبد القادر صاحب مرحوم لودھیانوی یافتم، تبرکاً نقل کردم۔

نکاح کی ولایت کس کو حاصل ہے؟

سوال

باسمہ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر نابالغوں کے رشتہ داروں میں چچا جدی اور نانی اور عمہ موجود ہیں۔ شرعاً ولایت نکاح کی کس کو ہے؟ اور والدین ان کے فوت ہوگئے ہیں۔ ان لڑکیوں کے رشتہ داروں میں سے صرف تین کَس زندہ ہیں۔

جواب

اللّهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! صورتِ مذکورہ بالامیں ولایت نکاح کی صرف چچا جدی کو ہی کیونکہ چچا جدی عصبہ ہے اور عصبہ کے ہوتے ہوئے ماں اور نانی اور پھوپھی وغیرہ کو شرعاً نکاح کرانے کا مطلقاً اختیار نہیں۔

قال في الدر المختار: الولي في النكاح العصبة بنفسه بلا توسط أنثي على ترتيب الارث واجب. انتهي (الدر المختار: ص ۱۸۵)
والله أعلم وعلمه أتم

الراقم

خادم الطلبا محمد لودھیانوی

طلاق کو شرط کے ساتھ معلق کرنے کی ایک صورت

سوال

باسمہ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور ایک سو روپیہ مہر مقرر کیا اور یہ اقرار کیا کہ میں بخانۂ ساس خانہ داور رہوں گا بلا رضامندی نہ وجہ ساس اپنی کے علیحدہ نہ ہوں گا۔ اگر اپنی زوجہ کو بخانہ ساس چھوڑ کر چلا جاؤں اور ساس اپنی کو دو روپیہ ماہوار ادا نہ کروں تو عورت سے بے دعویٰ ہوں گا، مجھ کو زوجیت کا دعویٰ نہ ہو گا۔ اگر اقرار کنندہ ایک ماہ بموجب اقرار نامہ کے عمل کر کے بعد ازاں برعکس ہو جاوے تو عورت مذکورہ پر شرعاً طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتی ہے تو مہر زوجہ کا شوہر کے ذمہ واجب الادا ہے یا نہیں؟

جواب

اللّٰهُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! اقرار اپنے پر عمل نہ کرنے سے زوجہ اس کی پر شرعاً طلاق واقع ہو گئی۔ ایسی طلاق کو شرعاً طلاق معلق کہتے ہیں۔ جیسا کہ در مختار میں لکھا ہے:

يقع المعلّق إذا وجد الشرط. (الدر المختار: ص ۲۲۱)

یعنی در مختار میں ہے کہ شرط کے پائے جانے سے طلاق عورت پر پڑ جاتی ہے۔

اگر مابین عورت اور شوہر کے وجودِ شرط میں اختلاف ہو تو وہاں عورت کے گواہ شرعاً لینے چاہئیں۔ اگر عورت کے پاس گواہ نہ ہوں تو اس صورت میں شوہر کو حلف کرنا پڑے گا۔ در مختار میں ہے:

فإن اختلفا في وجود الشرط فالقول قوله مع اليمين إلا إذا برهنت. (الدر المختار: ص ۲۲۱)

بر تقدیر ثبوتِ طلاق کل مہر کا ادا کرنا شوہر پر شرعاً لازم ہو گا۔ جیسا کہ در مختار وغیرہ کتب فقہ میں مذکور ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم

خادم الطلبا محمد لودھیانوی

اولاد کو ہبہ کر کے واپس لینا جائز نہیں

سوال

باسمہٖ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص نے اپنے پسر یا دختر کو اپنی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ میں سے ہبہ کر دیا۔ آیا بعد ازاں اپنی جائیداد موہوبہ کو واپس شرعاً لے سکتا ہے یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا

جواب

اللّٰھُم أرنا الحق حقاً والباطل باطلاً! جو شئے والد اپنی اولاد کو ہبہ کر دے اور اولاد اس پر قابض ہو جاوے وہ ہبہ شرعاً واپس نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ در مختار میں لکھا ہے:

والقاف القرابة، فلو وهب لذي رحم محرم منه نسبا ولو ذميا أو مستامنا لايرجع. انتهي (الدر المختار: ص ٥٦٥)

یعنی اپنے قریبی ذی رحم محرم کو جو شخص ہبہ کر دے۔ اگر چہ وہ کافر ہو اس سے واپس نہیں لے سکتا۔ واللہ اعلم و علمہ اتم

الراقم

خادم الطلبا محمد لودھیانوی

Maulana Muhammad Ludhianvi (ra) and Maulana Abdullah Ludhianvi (ra) came to the spotlight when they took the lead in denouncing

Mirza Ghulam Qadiani, the founder of Qadiani Sect,as Kafir (Non-Muslim)

"Professor Dr. Tahir Kamran (Iqbal Fellow at the University of Cambridge as Professor in the Centre of South Asian Studies Cambridge)"

FATAWA e QADRIA

1884(AD)

Ulama e Ludhiana

Maulana Muhammad Ludhianvi (ra)

Maulana Abdullah Ludhianvi (ra)

Maulana Abdul Aziz Ludhianvi (ra)

Author:

Mufti Zia ul Hussain Ludhianvi (ra)

Al Madinah Al Munawarah

(Saudi Arabia)